۷۸۶
۲۸۹

مُرقّعِ اکبرآباد

یعنی

تاریخ آگرہ

جس کا

تاریخی نام گنجینۂ تاریخ ہے

اور جس میں

شہر آگرہ اور ضلع آگرہ کی مفصل تاریخ اور جملہ
عمارات شاہی اور دیگر آثارِ قدیمہ وغیرہ کا بیان ہے

مؤلفۂ

خاکسار سعید احمدؔ - مارہروی

سنہ ۱۳۴۹ھ
۱۹۳۱ء

باہتمام کمترین ایس ریاض الدین عفی عنہ

الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں چھپا

Electric Abul-Ulai Press Agra

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U32618

CHECKED-2002

ہدیۂ علمی

اُن مخلصانہ تعلّقات اور دِلی مُحبّت کی لازوال یادگار

کے واسطے جو مُحبِّ قلبی مولانا محمّد شُعیب صاحب مرحوم

ٹونکی کے خواہرزادہ مولانا محمّد یعقوب خاں صاحب

ٹونکی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول کان پور کے ساتھ

ہی یہ ناچیز علمی ہدیہ مولانا موصوف کے نامِ نامی سے

معنون کرکے موصوف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہی۔

"گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف" ۔ خاکسار سعید احمد مارہروی

سعدیہ احمد مارھروی مؤلف موقع اکبرآباد

فہرست مضامین مرقع اکبرآباد

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ	۱
۲	عربوں کا فنِ تعمیر	۱
۳	ہندوستان کا اسلامی طرزِ تعمیر	۳
۴	عمارات عہد لودی	۴
۵	عمارات عہد بابری	۴
۶	عمارات عہد ہمایونی	۵
۷	پٹھانی طرز کی عمارتیں	۵
۸	مغلیہ طرز کی عمارتیں	۵
۹	اکبری طرزِ تعمیر	۶
۱۰	جہانگیری طرزِ تعمیر	۶
۱۱	شاہجہانی طرزِ تعمیر	۶
۱۲	عالمگیری عہد کی یادگار	۷
۱۳	انگریزی عہد کی عمارتیں	۷
۱۴	مقابر	۸
۱۵	مصارفِ عمارات شاہی پر بحث	۹
۱۶	شرحِ اجرت معماران وغیرہ بعہد اکبر بادشاہ	۹
۱۷	نرخ غلہ بعہد اکبر بادشاہ	۹
	باب دوم تاریخ آگرہ	
۱۸	آگرہ کی وجہ تسمیہ	۱۶
۱۹	قدیم تاریخ	۱۶
۲۰	محل راجہ بھوج	۱۶
۲۱	اسلامی عہد	۱۷
۲۲	بُنیاد شہر آگرہ	۱۷
۲۳	عہد سکندر لودی	۱۸
۲۴	عہد سلطان بابر	۱۸
۲۵	خاندان سُور	۱۹
۲۶	اکبر اعظم	۱۹
۲۷	نگر چینن	۲۰
۲۸	فتحپور سیکری	۲۱
۲۹	محل دھرن منارہ	۲۱
۳۰	اکبری عہد میں آگرہ و فتحپور کی آبادی	۲۱
۳۱	فیضِ سیاح	۲۱
۳۲	عہد جہانگیری	۲۳
۳۳	حوضِ بے نظیر	۲۳
۳۴	انگریزی کوٹھی	۲۴
۳۵	شاہجہانی عہد	۲۴

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۳۶	ڈاکٹر برنیر	۲۵
۳۷	دیگر یوروپین سیاح	۲۷
۳۸	عہد عالمگیری	۲۷
۳۹	طوائف الملوکی	۲۸
۴۰	امیر الامرا نجف خاں	۲۹
۴۱	مرہٹہ گردی	۲۹
۴۲	انگریزی عملداری	۳۰
۴۳	غدر ۱۸۵۷ء	۳۱
۴۴	لارڈ کیننگ	۳۲
۴۵	لارڈ ایلجن	۳۲
۴۶	لارڈ لارنس	۳۲
۴۷	نمائش آگرہ	۳۳
۴۸	تشریف آوری ڈیوک آف کناٹ و پرنس آف ویلز	۳۳
۴۹	لارڈ کرزن	۳۳
۵۰	صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ	۳۳
۵۱	تشریف آوری سردار عنایت اللہ خاں	۳۳
۵۲	تشریف آوری امیر حبیب اللہ خاں مرحوم	۳۴
۵۳	طوفانِ نوحؑ	۳۴
	باب دوم عمارات متصل تاج گنج	۳۶
۵۴	روضہ ممتاز محل	۳۵
۵۵	حیات ممتاز محل	۴۱
۵۶	مدفنِ اوّل	۴۲
۵۷	تعمیر روضہ	۴۳
۵۸	جلوخانہ یا چوک	۴۴
۵۹	صدر دروازہ	۴۵
۶۰	عجائب خانہ	۴۵
۶۱	حوض باغ	۴۶
۶۲	مینار	۴۷
۶۳	روضہ	۴۷
۶۴	خاص کمرہ	۴۸
۶۵	مجمّر مزار ممتاز محل	۴۸
۶۶	تعویذ مزارات	۴۹
۶۷	مسجد و نقیب خانہ	۵۱
۶۸	عُرس و اوقاف روضہ تاج محل	۵۲
۶۹	مقبرہ سہیلیان	۵۳
۷۰	مقبرہ و مسجد متصل روضہ	۵۳
۷۱	مسجد آگاہ خاں	۵۴
۷۲	مقبرہ ستی النسار خانم	۵۴
۷۳	مقبرہ سرہندی بیگم	۵۵
۷۴	مسجد فتحپوری	۵۵
۷۵	حویلی خان دوراں خاں	۵۶
۷۶	درگاہ سیّد احمد بخاریؒ	۵۶
۷۷	بارہ دری سڑک فتح آباد	۵۷
۷۸	مسجد و مقبرہ دیوانجی بیگم	۵۷
۷۹	مسجد عہد اورنگ زیب	۵۸
۸۰	مسجد بھلیل کٹرہ	۵۸

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۸۱	مزار میاں نظیر اکبر آبادی	۵۹
۸۲	مزار سید جلال بخاری رح	۶۰
۸۳	باغ خان عالم	۶۱
۸۴	مینگڈانل پارک	۶۱
۸۵	باغ مہابت خاں	۶۳
	باب سوم عمارات قلعہ اکبر آباد	
۸۶	قلعہ اکبر آباد	۶۴
۸۷	شیر حاجی	۶۵
۸۸	مادھو گڈھ	۶۵
۸۹	مندر و حویلی دلسا جاٹ	۶۵
۹۰	دہلی دروازہ	۶۶
۹۱	امر سنگھ دروازہ	۶۶
۹۲	موتی مسجد	۶۶
۹۳	دیوان عام	۶۸
۹۴	جھروکہ	۶۹
۹۵	دیوان خاص	۷۰
۹۶	تخت جہانگیری	۷۲
۹۷	نگینہ مسجد	۷۳
۹۸	مچھی بھون	۷۴
۹۹	حمام	۷۴
۱۰۰	مثمن برج	۷۴
۱۰۱	زنجیر عدل	۷۵
۱۰۲	زنانی مسجد	۷۶
۱۰۳	شیش محل	۷۷
۱۰۴	محل خاص	۷۷
۱۰۵	انگوری باغ	۷۸
۱۰۶	جہانگیری محل	۷۹
۱۰۷	جہانگیری حوض	۷۹
۱۰۸	واٹر ورکس (کارخانہ آب رسانی)	۸۰
۱۰۹	باؤلی	۸۰
۱۱۰	سلیم گڈھ	۸۰
۱۱۱	مینا بازار	۸۱
	باب چہارم عمارات لب دریا جانب مشرق	۶۵
۱۱۲	عمارات لب دریا	۸۱
۱۱۳	محلہ مفتی پورہ	۸۲
۱۱۴	شیخ بہاؤالدین مفتی	۸۲
۱۱۵	شیخ جنید مفتی	۸۲
۱۱۶	شاہ میر سامانہ	۸۲
۱۱۷	مولانا فرید	۸۲
۱۱۸	روضہ اعتماد الدولہ	۸۳
۱۱۹	باغ گل افشاں یا چہار باغ	۸۷
۱۲۰	مزار بیگم سلطان	۸۹
۱۲۱	قبرستان قدیم	۸۹
۱۲۲	مقبرہ و باغ سلطان پرویز	۹۰
۱۲۳	باغ دلکشا و وزیر خاں	۹۱
۱۲۴	مقبرہ قاسم خاں چشتی	۹۱

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱۲۵	چینی کا روضہ (مقبرہ علامی افضل خاں)	۹۳
۱۲۶	باغ جہاں آرا بیگم یا سید کا باغ	۹۴
۱۲۷	باغ نور افشاں یا رام باغ	۹۵
۱۲۸	بلند باغ یا بتیس کھنبہ	۹۶
۱۲۹	اچانک باغ	۹۷
۱۳۰	شاہدرہ	۹۷
۱۳۱	مسجد ہمایوں	۹۷
۱۳۲	قبرستان قدیم متصل مسجد ہمایوں	۹۸
۱۳۳	مولانا زین الدین خوافی	۹۹
۱۳۴	مولانا شہاب الدین محمدی	۹۹
۱۳۵	مولانا ابوالواجد فارغی	۹۹
۱۳۶	شاہ ہلال رح	۹۹
۱۳۷	مہتاب باغ	۱۰۰
۱۳۸	موتی باغ	۱۰۱
۱۳۹	مزار سید عبداللہ احراری رح	۱۰۱
۱۴۰	مزار خواجہ محمد یحیی النقشبندی	۱۰۱
	باب پنجم آثارات قدیم لب دریائے جمن جانب مغرب	
۱۴۱	آثارات قدیم	۱۰۲
۱۴۲	حویلی داراشکوہ	۱۰۳
۱۴۳	حویلی سلیمان شکوہ	۱۰۴
۱۴۴	گھاٹ	۱۰۴
۱۴۵	حویلی مرزا ایزد بخش رسا	۱۰۴
۱۴۶	حویلی آصف خاں	۱۰۴
۱۴۷	مسجد مبارک منزل	۱۰۵
۱۴۸	حویلی شائستہ خاں	۱۰۶
۱۴۹	شورہ والی کوٹھی	۱۰۶
۱۵۰	روضہ جعفر خاں	۱۰۶
۱۵۱	مقبرہ و مسجد شائستہ خاں	۱۰۷
۱۵۲	چھتری جسونت سنگھ	۱۰۷
۱۵۳	مقبرہ سید رفیع الدین محدث اکبرآبادی	۱۰۷
۱۵۴	مزار شاہ فخرالدین مداری	۱۰۸
	باب ششم عمارات خاص شہر آگرہ	
۱۵۵	جامع مسجد	۱۰۹
۱۵۶	مدرسہ عالیہ	۱۱۴
۱۵۷	مسافر خانہ	۱۱۴
۱۵۸	ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ	۱۱۴
۱۵۹	مزار شاہ مبارک غوث	۱۱۵
۱۶۰	قبرستان قدیم متصل قلعہ	۱۱۵
۱۶۱	کتبہ قبرستان بیگم	۱۱۵
۱۶۲	مسجد اکبرآبادی یا اکبری مسجد	۱۱۶
۱۶۳	مسجد اختیار خاں نوجدار	۱۱۷
۱۶۴	مسجد خواجہ دتا	۱۱۷
۱۶۵	گرجا بازار سیب و سینٹ جونس کالج	۱۱۸
۱۶۶	مسجد یوسف شاہ	۱۱۸
۱۶۷	قدم شریف	۱۱۸
۱۶۸	کتبہ مزار بی بی قطیا	۱۱۹

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱۶۹	مسجد پانچوکی	۱۱۹
۱۷۰	حویلی بہادر خاں	۱۱۹
۱۷۱	مسجد شاہی محلہ مدرسہ	۱۲۰
۱۷۲	مدرسہ شاہی	۱۲۰
۱۷۳	پنجہ شریف	۱۲۱
۱۷۴	مسجد معتمد خاں	۱۲۱
۱۷۵	کٹرہ خان خاناں	۱۲۲
۱۷۶	مسجد سلطان پرویز	۱۲۲
۱۷۷	کالی مسجد	۱۲۲
۱۷۸	مزار شاہ محمدی رح	۱۲۳
۱۷۹	شفاخانہ	۱۲۴
۱۸۰	آگرہ کالج	۱۲۵
۱۸۱	مزار شیخ ناظر رح	۱۲۷
	باب ہفتم آگرہ کی شمالی جانب کی عمارتیں	
۱۸۲	مزار سید عبد القادر بخاری گیلانی	۱۲۸
۱۸۳	دزیر پورہ کا گرجا اور کالج	۱۲۹
۱۸۴	نقل فرمان شہنشاہ عالمگیر نسبت معافی جزیہ	۱۳۱
۱۸۵	نقل فرمان جہانگیر بادشاہ نسبت عطا آراضی برائے باغ و قبرستان عیسائیان بمقام آگرہ۔	۱۳۱
۱۸۶	نقل فرمان جہانگیر بادشاہ برائے تعمیر گرجا گجرات۔	۱۳۲

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱۸۷	درگاہ شاہ یار محمد چشتی رح	۱۳۲
۱۸۸	کربلا	۱۳۳
۱۸۹	امداد المقابر	۱۳۳
۱۹۰	مزار شیخ سید حسین رح	۱۳۳
۱۹۱	درگاہ حضرت میر ابو العلا قدس سرہ	۱۳۴
۱۹۲	درگاہ میر محمد نعمان نقشبندی	۱۳۷
۱۹۳	مزار حاجی شمس الدین علی الہروی	۱۳۸
۱۹۴	مزار قاضی سید نور اللہ شوستری رح	۱۳۸
۱۹۵	قبرستان قدیم عیسائیان	۱۴۰
۱۹۶	مقبرہ مولانا شیخ حسن شیرازی انصاری	۱۴۱
۱۹۷	میاں کمال الدین حسین شیرازی	〃
۱۹۸	باغ و مقبرہ قندہاری بیگم	۱۴۳
۱۹۹	مقبرہ نور النسا بیگم	۱۴۳
۲۰۰	سرائے میر بدر الدین خاں (ڈسٹرکٹ جیل)	۱۴۴
۲۰۱	مقبرہ میر عبد اللہ صفی تبریزی	۱۴۴
۲۰۲	میر محمد صالح کنبو	۱۴۴
۲۰۳	میر محمد مومن عرشی	۱۴۵
۲۰۴	میر محمد شریف کاتب السلطان	۱۴۵
۲۰۵	مزار مولانا مقصود علی تبریزی	۱۴۶
۲۰۶	دہلی دروازہ	۱۴۷
۲۰۷	سینٹ جونس کالج	۱۴۷

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۲۰۸	مقبرہ بی بی جیونی شاہ	۱۴۷
۲۰۹	مرزا پیر بہاؤ الدین رح	۱۴۸
۲۱۰	مزار شاہ شوقار رح	۱۴۸
۲۱۱	مسجد مخفشان	۱۴۹
۲۱۲	مسجد میر رفیع الزماں	۱۴۹
۲۱۳	عمارات دیال باغ	۱۵۰
	باب ہشتم سکندرہ اور اُس کے قرب و جوار کی عمارتیں	
۲۱۴	قرب و جوار کی عمارتیں	۱۵۳
۲۱۵	مقبرہ شہنشاہ اکبر اعظم	(۱۵۵ تا ۱۶۳)
۲۱۶	مقبرہ آرام بانو بیگم	۱۵۸
۲۱۷	مقبرہ شکر النسار بیگم	۱۵۸
۲۱۸	مقبرہ سلطان النسار بیگم	۱۵۹
۲۱۹	کانچ محل	۱۶۳
۲۲۰	مقبرہ مریم الزمانی بیگم	۱۶۳
۲۲۱	مقبرہ صادق خاں میر بخشی	۱۶۴
۲۲۲	بارہ دری صلابت خاں	۱۶۵
۲۲۳	مسجد و تالاب اعتباری خاں خواجہ سرا	۱۶۵
۲۲۴	سنگین گھوڑا	۱۶۷
۲۲۵	مقبرہ موسومہ سکندر لودی	۱۶۷
۲۲۶	درگاہ قدم رسول	۱۶۷
۲۲۷	گنبد و منزل	۱۶۸

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۲۲۸	دھاکڑی کا محل	۱۶۹
۲۲۹	مقبرہ لاڈلی بیگم و شیخ فیضی و شیخ مبارک	۱۷۰
۲۳۰	باغ چندر بھان	۱۷۱
۲۳۱	مقبرہ نواب اعظم خاں کوکلتاش	۱۷۲
	باب نہم عمارات جانب جنوب محلہ نائی منڈی چھاؤنی وغیرہ	
۲۳۲	مسجد و مزار میراں حسینی	۱۷۳
۲۳۳	مسجد لشکر خاں	۱۷۴
۲۳۴	درگاہ حضرت شاہ ولایت رح	۱۷۷
۲۳۵	مقبرہ محمد مجاہد شہید رح	۱۸۰
۲۳۶	مسجد محلہ اتھائیں	۱۸۰
۲۳۷	مسجد اجمیری دروازہ	۱۸۱
۲۳۸	قبرستان پنج کنیاں	۱۸۱
۲۳۹	مزار حضرت ابو الفتاح رح	۱۸۲
۲۴۰	مزار شیخ محمد عارف رح	۱۸۳
۲۴۱	مزار ابو الفتح شہید	۱۸۳
۲۴۲	مغنی خاں کا گنبد	۱۸۴
۲۴۳	مزار نواب عبدل شاہ غازی	۱۸۵
۲۴۴	قبر مرزا محمد طاہر و آغا محمد باقر	۱۸۵
۲۴۵	عیدگاہ	۱۸۶
۲۴۶	مزار سید محمد معروف قادری رح	۱۸۶

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۲۴۷	مزار شاہ عبدالرحمٰن قادری	۱۸۷
۲۴۸	حمام الہ وردی خاں	۱۸۷
۲۴۹	مسجد الہ وردی خاں	۱۸۸
۲۵۰	گنبد عہد شاہجہانی	۱۸۸
۲۵۱	مقبرہ جودھ بائی	۱۸۹
۲۵۲	باغ نور منزل یا ڈیرہ باغ	۱۹۲
۲۵۳	مزار نواب آغر خاں شہید	۱۹۴
۲۵۴	سہیلی خانہ	۱۹۵
۲۵۵	سلطان پورہ	۱۹۵
۲۵۶	مقبرہ دتا لاب فیروز خاں	۱۹۵
۲۵۷	گنبد و تخت پہلوان	۱۹۷
۲۵۸	مزار بایزید خویشگی	۱۹۸
۲۵۹	مزارات میر دستم خاں و میر رستم خاں	۱۹۸
	باب دہم متفرق معلومات	
۲۶۰	آگرہ کی مسجدیں	۱۹۹
۲۶۱	آگرہ کی درگاہیں اور مزارات	۲۰۰
۲۶۲	آگرہ کے گرجے	۲۰۱
۲۶۳	آگرہ کے مندر	۲۰۲
۲۶۴	آگرہ کے قبرستان	۲۰۲
۲۶۵	کتبہ مزار فرید احمدؒ مرحوم	۲۰۳
۲۶۶	قبر جمعیت بیگم شاعرہ	۲۰۵
۲۶۷	آگرہ کے پارک اور باغات	۲۰۶
۲۶۸	آگرہ کے کالج۔ اسکول اور مدرسے	۲۰۸
۲۶۹	آگرہ کی پبلک لائبریریاں	۲۰۹
۲۷۰	آگرہ کے یتیم خانے	۲۱۰
۲۷۱	آگرہ کے ہوٹل۔ سرائیں اور دھرم شالے	۲۱۱
۲۷۲	آگرہ کے ریلوے اسٹیشن	۲۱۲
۲۷۳	آگرہ کے بازار	۲۱۲
۲۷۴	مسلم شوما رکٹ	۲۱۳
۲۷۵	آگرہ کی صنعتیں اور سوغاتیں	۲۱۳
۲۷۶	آگرہ کے محلات حویلیاں۔ محلے اور مردم شماری	۲۱۴
	باب یازدہم آگرہ کا ضلع اور اس کے تاریخی مقامات	
۲۷۷	دریا	۲۱۷
۲۷۸	نہریں	۲۱۷
۲۷۹	قدرتی حصے	۲۱۷
۲۸۰	ریلوے	۲۱۸
۲۸۱	پہاڑ اور کانیں	۲۱۸
۲۸۲	تحصیل اور قصبات	۲۱۸
۲۸۳	مردم شماری ضلع آگرہ	۲۱۹
۲۸۴	فتح پور سیکری	۲۱۹
۲۸۵	فیروز آباد	۲۲۱
۲۸۶	فتح آباد	۲۲۲

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۲۸۷	اعتماد پور	۲۲۲
۲۸۸	جگنیر	۲۲۳
۲۸۹	پناہٹ	۲۲۴
۲۹۰	بٹ الیشر	۲۲۴
۲۹۱	ہتکانت	۲۲۵
۲۹۲	چندوار	۲۲۶
۲۹۳	شاہ صوفی صاحب و صوفی پورہ	۲۲۶ ۲۲۷
۲۹۴	کرادلی	۲۲۸
۲۹۵	اچھنیرہ	۲۲۸
۲۹۶	نقل فرمان شاہی نسبت معافی مندر	۲۲۸
۲۹۷	کرنکتہ	۲۲۹
۲۹۸	جاجیو	۲۳۰
۲۹۹	مڈھاکر	۲۳۰
۳۰۰	سموگر	۲۳۱
۳۰۱	کاگارول	۲۳۱
۳۰۲	پاہ	۲۳۲
۳۰۳	کھیرا گڈھ	۲۳۲
۳۰۴	ساندھن	۲۳۲
۳۰۵	کھندولی	۲۳۲
..	.. ..	..

فہرست نقشہ جات عمارات

۱	صدر دروازہ روضہ ممتاز محل	۴۵	۱۲	کمرہ متمن برج	۷۴
۲	روضہ ممتاز محل	۴۶	۱۳	ایضاً	〃
۳	ایضاً	۴۷	۱۴	محل خاص و انگوری باغ	۷۷
۴	منجر روضہ ممتاز محل	۴۸	۱۵	دروازہ جہانگیری محل	۷۹
۵	دہلی دروازہ قلعہ	۶۶	۱۶	روضہ اعتماد الدولہ	۸۳
۶	موتی مسجد	〃	۱۷	جامع مسجد	۱۰۹
۷	موتی مسجد	〃	۱۸	صدر دروازہ مقبرہ اکبر اعظم (سکندرہ)	۵۵
۸	جھروکہ یا نشیمن شاہی دیوان عام	۶۹	۱۹	روضہ اکبر اعظم	۱۵۷
۹	دالان دیوان خاص	۷۰	۲۰	بالائی منزل روضہ اکبر اعظم	۱۶۰
۱۰	نگینہ مسجد	۷۳	۲۱	مسجد لشکر خاں معہ شعیب محمدیہ ہائی اسکول	۱۹۵
۱۱	کمرہ متمن برج	۷۴	۲۲	مقبرہ فیروز خاں	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے نام تو بہترین سر آغاز　　بے نام تو نامہ کے کنم باز

ہر دم از ما صد درود و صد سلام　　بر رسول و آل و اصحابش تمام

عربوں کا فن تعمیر

عربوں کو فنِ تعمیر سے فطرتاً مناسبت تھی چنانچہ اسلام سے قبل بھی وہ فنِ عمارت میں شہرۂ آفاق تھے مارب میں جو یمن کا ایک شہر ہے سبا بن یشجب نے سیلاب کی طغیانی روکنے کے واسطے ایک نہایت مستحکم اور عجیب غریب دیوار بنائی تھی جس کے عجیب افسانے اب تک مشہور چلے آتے ہیں۔ اس دیوار کے علاوہ اس بادشاہ نے نہریں بھی اپنے ملک میں بنوائی تھیں

قبل از اسلام بھی عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں جن کی کچھ مٹی مٹائی یادگاروں اور آثار قدیمہ کا پتہ محققین یورپ نے زمانہ حال میں چلایا ہے چنانچہ بعض ویران عمارتوں کے کھنڈرات سے جو بصرہ میں کھود کر نکالے گئے ہیں بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ عربوں نے زمانہ قدیم میں بھی فن تعمیر میں بڑی ترقی کی تھی۔ ارم عربوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا جس نے ملک یمن میں بہت زمانہ تک سلطنت کی۔ اس قبیلہ کے ایک بادشاہ کا نام شداد تھا جس نے ایک عجیب و

غریب اور بے نظیر شہر آباد کر کے اس کا نام ارم رکھا تھا۔ اس شہر کی سب سے بڑی اور خوبصورت عمارت بہشت ارم یا بہشت شداد کے نام سے موسوم تھی جس کی تعریف سورۃ الفجر میں لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ موجود ہے مؤرخین عرب نے اس عمارت کی زیبائش اور خوبصورتی کی اس قدر مبالغہ آمیز تعریفیں کی ہیں کہ مشہور مؤرخ ابن خلدون کو اس کے وجود ہی سے انکار کرنا پڑا لیکن اگر خلاف عقل اور مبالغہ آمیز روایتیں دور کر دی جائیں تو کوئی تعجب آمیز اور خلاف عقل بات نہیں معلوم ہوتی۔ اس عمارت کا ذکر دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ یونانی میں اسے ہدورام کہتے ہیں جو عاد ارم کی تحریف ہے پہلوی میں اس کا نام ارم بن ہے موجودہ فارسی کا لفظ آرام اسی ارم سے ماخوذ ہے۔ سنسکرت میں یہ آرام بن گیا आराम वन کے نام سے موسوم ہے۔

اسلامی عہد کی اس وقت جس قدر قدیم عمارتیں موجود ہیں وہ سب جناب رسول اللہ صلعم کے بعد کی ہیں سب سے قدیم اسلامی عمارت حضرت فاروق اعظم سیدنا عمرؓ کی جامع مسجد واقع بیت المقدس ہے یہ نہ صرف ایک مقدس بلکہ سب سے قدیم اور اعلیٰ درجہ کی اسلامی عمارت ہے جس کی بنیاد حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے رکھی گئی تھی اس کو مختلف اوقات اور مختلف قرنوں میں خلفا اور سلاطین اسلام نے از سر نو تعمیر اور ترمیم کیا ہے۔ خلفائے بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک اموی کو فن تعمیر سے خاص دلچسپی اور مذاق تھا جس کی ایجاد پسند طبیعت نے وہ وہ جدتیں پیدا کیں کہ بالآخر فن تعمیر میں ایک خاص اسلامی طرز قائم ہو گیا۔ دمشق کی مسجد جامع الکبیر کے علاوہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی اور بہت سی عمارتیں اس نے تعمیر کرائی تھیں جو باستثنائے مساجد سب بنی عباس کے زمانہ میں منہدم کرا دی گئیں۔

اسلام کے عروج کے ساتھ فن عمارت کو بھی برابر ترقی ہوتی گئی۔ عربوں کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ جس سرزمین پر قدم رکھتے وہاں ساتھ ساتھ اپنا تمدن اور معاشرت لے جاتے اور اس خطہ کو عرب بنا لیتے تھے چنانچہ جہاں جہاں ان کا قدم جما اس کو شاندار

نادر الوجود عمارات سے آراستہ کر دیا مختلف ممالک میں انہوں نے اپنی جو یادگاریں چھوڑیں ہیں اُن کے طرز تعمیر میں فرق ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف مفتوح ملکوں اور قوموں کے طرز تعمیر کی آمیزش سے ہر ملک میں جُداگانہ طرز تعمیر قائم ہو گئے چنانچہ صرف مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں ہر قسم کے عربی طرز تعمیر کے نمونے موجود ہیں مسجد جامع عمرؓ سے لیکر جو مصر کی سب سے پہلی اسلامی عمارت ہے اور جس کے ابتدائی بنا کے کچھ نقش و نگار زمانہ کے دست بُرد سے اب تک محفوظ ہیں مسجد قاع یائی کے زمانہ تعمیر (۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء) تک جو مصری عربی طرز تعمیر کی آخری عمارت ہے ہر زمانہ کے نمونے موجود اور جُداگانہ نظر آتے ہیں۔

تعمیر طرز اسلامی ہندوستان

ہندوستان کے مسلمان فاتح عرب نہ تھے بلکہ ترک اور مغل تھے جنہوں نے اپنی مفتوح قوم عرب کا تمدن اختیار کر لیا تھا

اِن مسلمانوں نے ایران سے ہندوستان میں قدم رکھا اور اپنے ساتھ ایرانی عربی مخلوط طرز تعمیر ساتھ لائے۔ یہاں انھیں مفتوح قوم کے طرز تعمیر اور کاریگروں سے سابقہ پڑا اور اس جدید طرز کی آمیزش سے ایک جُداگانہ طرز تعمیر کی بنیاد پڑنا شروع ہوئی جو مختلف زمانوں میں مختلف رنگ اختیار کرتا گیا۔ ہندوستان میں سب سے قدیم اسلامی عمارات قطب صاحب کی مسجد اور سلطان علاؤالدین خلجی کا دروازہ اور سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ جو پُرانی دہلی میں واقع ہیں اِن عمارتوں میں عربی وضع غالب اور ایرانی طرز کم اور خاص ہندی نمونہ بہت ہی کم نظر آتا ہے اِن میں سلطان علاؤالدین خلجی کا دروازہ سب سے مستحکم خوبصورت اور ہندوستان کے مسلمانوں کی فنِ تعمیر کا بہترین بلکہ لاثانی نمونہ ہے ڈاکٹر گستاولی بان مشہور فرانسیسی محقق آثار قدیمہ (صاحب تمدن عرب) کا بیان ہے کہ آج عربوں کی یادگاروں میں اس عمارت سے عمدہ کوئی عمارت موجود نہیں ہے۔ یہ جس قدر عظیم الشان ہے اُتنا ہی مستحکم بھی بنا ہوا ہے جو اس کو بغور دیکھے گا وہ اس حیرت انگیز صنعت کی قدر کریگا۔ دروازہ کے

ستون ہندی وضع کے ہیں محرابوں کا طرز اور بہت بڑا حصّہ آرائشوں کا عربی ہے اور عمارت کی مجموعی صورت کسی قدر اُن دروازوں کو یاد دلاتی ہے جو ایران کی اِس قسم کی عمارتوں میں ہوا کرتے ہیں" زمانہ مابعد کی اسلامی عمارتوں میں رفتہ رفتہ عربی طرز کم اور ایرانی اور ہندی طرز تعمیر بڑھتا گیا جو ہندی ایرانی عربی یا مغلئی طرز تعمیر کے نام سے موسوم ہے۔

ہندوستان کے طول وطویل مُلک اور جُداگانہ طرز وتمدّن کے حصّوں میں مختلف مُسلمان خاندانوں نے حکومتیں کیں اور ہر ایک خاندان نے اپنے اپنے ملک کے طرز وتمدّن کی آمیزش سے جُداگانہ طرز کی عمارتیں تعمیر کرائیں بلکہ خود ایک ہی مُلک اور خاندان کے مختلف بادشاہوں کے طرز تعمیر میں نمایاں فرق نظر آتا ہے اِس لحاظ سے ہندوستان سے وسیع ملک میں بیسیوں جُداگانہ اسلامی طرز تعمیر موجود ہیں جن کے مختصر بیان کے واسطے ایک جُداگانہ کتاب کی ضرورت ہے چونکہ ہماری اس کتاب کو زیادہ تر مُغلیہ طرز تعمیر سے تعلق ہے لہذا کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

عمارات لودی

اکبر آباد یا آگرہ کو سُلطان سکندر لودی نے از سرِ نو آباد کیا اور یہاں عمدہ عمدہ عمارتیں تعمیر کرائیں مگر افسوس کہ سوائے ایک بارہ دری کے جس میں اب مریم الزمانی بیگم والدہ جہانگیر بادشاہ کا مقبرہ ہے کوئی اور یادگار سلاطین لودی کے زمانہ کی باقی نہیں رہی یہہ بارہ دری بھی اصلی حالت پر قائم نہیں رہی اور اُس میں بہت کچھ تغیّر تبدل ہوگیا ہے۔

عمارات عہد بابری

شہنشاہ بابر نے ہندوستان کو فتح کرکے آگرہ ہی میں دارالخلافت قائم رکھا اور جمنا پار اُس مقام پر جہاں اب آگرہ جمنا بیج ریلوے اسٹیشن اور مقبرہ اعتماد الدولہ واقع ہے شاہی محلات اور باغات تعمیر کرائے اور امرائے شاہی نے بھی عالی شان حویلیاں بنوائیں جن کا سلسلہ آگرہ سے موضع کھندولی تک چلا گیا تھا۔ اِس جدید آبادی کا نام جسے موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے اس زمانہ کی چھاؤنی یا صدر بازار کہنا چاہیئے۔ آگرہ والوں نے کابل رکھ دیا تھا۔

باوجود اس کے کہ بابر کا مختصر زمانہ بغاوتیں فرو کرنے اور امن و امان قائم کرنے میں ختم ہو گیا مگر اس پر بھی اس نے دھول پور۔ سیکری اور گوالیار کے علاوہ خاص آگرہ میں محلات کے علاوہ تین بے نظیر باغات تعمیر کرا کر ان کو چہار باغ۔ باغ زرافشاں اور باغ ہشت بہشت کے نام سے موسم کیا جن کی عمارات وغیرہ کا حال تزک بابری میں موجود ہے افسوس کہ اب سوائے چہار باغ کے آثار کے اور کسی باغ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا چہار باغ کی باقیماندہ عمارت ایک چوبرجی اور مسجد ایک معمولی عمارت ہے جس سے اس عہد کی تعمیر کے متعلق کوئی صحیح رائے تو قائم نہیں کی جا سکتی لیکن عمارت کی موجودہ شکل سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے کاریگروں نے اس عمارت کو سرسری طور سے تعمیر کیا ہے۔

تزک بابری اور تزک جہانگیری سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مغلیہ عہد کی یہ ابتدائی یادگار کچھ زیادہ اہتمام کے ساتھ تعمیر نہیں کی گئی اور خود بابر کو بھی مسجد کی عمارت پسند نہیں آئی تھی۔

عمارات عہد ہمایونی

ہمایوں کا عہد سلطنت زیادہ تر لڑائی جھگڑوں میں ختم ہوا اس عہد کی صرف ایک مٹی مٹائی یادگار جمنا پار۔ کچھ پورہ کی مسجد باقی ہے جو مسجد ہمایوں کے نام سے موسوم اور نہایت ویران و شکستہ حالت میں ہے۔

پٹھانی طرز کی عمارتیں

شیر شاہ سور اور سلیم شاہ سور نے دہلی کو دارالخلافت بنایا لہذا اس عہد کی کوئی خاص شاہی عمارت تو آگرہ میں موجود نہیں البتہ پٹھانی طرز تعمیر کی یہ چند یادگاریں باقی ہیں جو اس عہد یا ابتدائی اکبری عہد کی تعمیر شدہ ہیں۔ کالی مسجد۔ گنبد مزار شاہ علاء الدین مجذوب و مسجد درگاہ۔ گنبد مزار شیخ حسن شیرازیؒ واقع احاطہ کچہری دیوانی۔ گنبد درگاہ رفیع الدین صفوی محدث اکبر آبادیؒ بارہ دری سلیم گڑھ واقع قلعہ عمودی دیواریں اور پیچھے گنبد اس طرز تعمیر کی خصوصیات سے ہیں۔

مغلیہ طرز تعمیر

آگرہ میں اب جو شاہی عمارتیں باقی ہیں اور جن کی وجہ اس مٹی مٹائی حالت میں بھی آگرہ

مرجع عالم بنا ہوا ہے وہ اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کی ہیں۔ اس دور میں عربوں کے ملکی وجود کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اُن کے مقابلے میں ہندوؤں اور ایرانیوں کا اثر قائم ہو گیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عربی طرز تعمیر کی بجائے ہندی طرز تعمیر غالب ہو کر جدید مغلیہ طرز تعمیر کی بُنیاد پڑی۔ یہ جدید طرز تعمیر بھی تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ اول ابتدائی یا اکبری طرز تعمیر اس میں ہندی خصوصاً بودھ اور جینی طرز تعمیر غالب ہے۔ اکبر اعظم کو فنِ عمارت سے خاص دلچسپی تھی۔ فتحپور سیکری کے محلات کے علاوہ جو اس طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں اور جن میں بودھ اور جینی طرز تعمیر نہایت نمایاں اور پیش پیش ہے آگرہ کا قلعہ اور مسجد مخنّثان اور عیدگاہ اس دور کی یادگار ہیں۔

اکبری طرز تعمیر

دوسرا وسطی یا جہانگیری طرز تعمیر۔ اس میں ہندو اور بودھ طرز تعمیر کے ساتھ عربی اور ایرانی طرز بھی دور اول سے زیادہ نظر آتا ہے جہانگیر مناظرِ قدرت کی قدردانی میں شہرہ آفاق تھا اُس کی عمارتی دلچسپی کا اندازہ اُس کے روزنامچہ تزکِ جہانگیری سے بخوبی ہوتا ہے۔ جہاں جہاں اُس کا گذر ہوتا ہے وہاں کی قدیم عمارات کا حال شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کرتا جاتا ہے۔ جس عمارت کو وہ خوشنما اور عالی شان پاتا ہے اُس کے بانی کی عالی ہمتی کی تعریف کرتا ہے۔ آثارِ قدیمہ کی مرمت و درستی میں بھی وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتا ہے۔ آگرہ میں اُس کے عہد کی یادگاروں میں سکندرہ (روضہ اکبر بادشاہ) اعتمادالدولہ قلعہ کا جہانگیری محل۔ مقبرہ فیروز خاں۔ مسجد معتمد خاں اور رام باغ خاص طور سے ممتاز ہیں۔ جہانگیری دور کی عمارات کی آرائشوں میں صراحی اور پیالے کا عام طور سے استعمال کیا گیا ہے۔

جہانگیری طرز تعمیر

تیسرا آخری یا شاہجہانی طرز تعمیر۔ اس میں بہ نسبت ہندی طرز کے ایرانی اور عربی طرز زیادہ نمایاں ہے۔ شاہ جہاں بادشاہ کو نہ صرف عالی شان اور خوشنما عمارتوں کے بنوانے ہی کا شوق تھا بلکہ وہ خود بھی فنِ تعمیر کا بہت بڑا ماہر تھا۔ یورپین مورخوں اور سیاحوں نے اُسے پیلس بلڈر کا خطاب دیا ہے جس کے معنی عالیشان محل بنوانے والے

شاہ جہانی طرز تعمیر

کے ہیں۔ آگرہ کی سب سے زیادہ شہرت اور زینت اسی دور کی عمارات سے ہے۔ ان میں روضہ ممتاز محل۔ موتی مسجد۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ مثمن برج شیش محل۔ محل خاص۔ نگینہ مسجد۔ زنانی مسجد تو عجائبات دنیا میں شمار ہونے کے لایق ہیں جن میں عربی پچیکاری گلکاری اور کتبوں کی آرایش و زیبایش اور دیگر عمارتی تناسب کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ ان کے علاوہ شہر کی موجودہ رفیع الشان جامع مسجد۔ فتحپوری مسجد۔ چینی کا روضہ جو آگرہ میں واحد کاشی کاری یعنی چینی کے کام اور ایرانی طرز و آرایش کی عمارت ہے۔ اسی عہد کی صنّاعی کا نمونہ ہیں۔ مختلف پتھروں کی پچیکاری۔ آرایشی طاقچے یا آویزے بے نظیر کتبے۔ منبت کار گلکاریاں۔ علی العموم سنگ مرمر کا استعمال اس عہد کی خصوصیات سے ہیں۔ اکبری و جہانگیری عہد کی عمارتوں کی آرایشوں میں زیادہ تر اشکال ہندسی سے کام لیا گیا ہے اس کے بجائے شاہجہانی عمارتوں کو نفیس و بے نظیر پھول پتّوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

عالمگیری عہد کی یادگار

شہنشاہ عالمگیر کے عہد کی صرف ایک مسجد آگرہ میں واقع اور مسجد مبارک منزل کے نام سے موسوم تھی۔ جو اب رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب کے قبضہ میں اور منقلب حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی بیرونی فصیل اور شاہ جہاں کی قبر کے دونوں تعویذ بھی عہد عالمگیری کی یادگار ہیں مرہٹوں اور جاٹوں نے اپنی چند روزہ عہد حکومت کی کوئی خاص یادگار آگرہ میں نہیں چھوڑی صرف ایک چھوٹا سا مندر اور دلسا جاٹ کی حویلی قلعہ میں جاٹوں کے قبضہ کی معمولی یادگار ہے۔

انگریزی عہد کی عمارتیں

انگریزی عہد کی عمارتوں میں شفاخانہ کی عمارتیں سب سے زیادہ شاندار ہیں ان کے علاوہ سینٹ جونس کالج۔ ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ۔ سینٹ پیٹرس کالج و گرجا۔ آگرہ کالج۔ عمارات دیال باغ قابل الذکر ہیں۔

مقابر

سلاطین ہند خصوصاً مغلوں اور اُن کے اُمرا کا میلان فنِ عمارت میں زیادہ تر محلات یا مقابر بنانے میں رہا ہے جس اہتمام اور کثرت سے ہندوستان میں مقابر تعمیر کئے گئے اُس کی نظیر ملنا مشکل ہے چونکہ یہ مقبرے علی العموم اپنی زندگی میں تعمیر کرلئے جاتے تھے لہذا فطرتاً ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا مقابر کی تعمیر کا شوق اس درجہ پر تھا کہ انسان تو انسان گھوڑوں۔ کتوں۔ ہرنوں وغیرہ حیوانات کی یادگار میں بھی بڑی بڑی عمارتیں یا موتیں اس ملک میں تعمیر کی گئیں۔ چنانچہ خود اسی آگرہ میں اکبر بادشاہ کے ایک وفادار کتے کا عالی شان مقبرہ باہتمام دربارخاں تعمیر کیا گیا تھا اور دربارخاں بھی اپنی وصیت کے بموجب اسی مقبرے میں دفن ہوا اس کے علاوہ قلعہ آگرہ کی جنوبی دیوار کے نیچے اور سکندرہ کے راستہ میں دو سنگین گھوڑے اسی ذہنیت کی یادگار ہیں آگرہ جو مغلوں کی عہدِ سلطنت کے شباب میں سو برس سے زیادہ دارالخلافت رہا اس عہد کے نفیس و بے نظیر مقابر کا ایک اعلیٰ درجہ کا عجائب خانہ تھا جس میں نہایت کثرت سے ہر قسم اور طرز تعمیر کے مقبرے موجود تھے شہر کے چاروں طرف خصوصاً لب جمنا کوسوں تک باغات کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ مگر انقلاب زمانہ اور دو سو برس کی کس مپرسی اور اکثر متولیوں کی طمع نفسانی سے سیکڑوں کیا ہزاروں مقابر اور آثار قدیمہ کھد کھدا کر نیست و نابود ہو گئے چھوٹے مقابر یا گنبد تو کس شمار میں ہیں مقبرہ نواب اعظم خاں کوکلتاش عالمگیری۔ مقبرہ امیرالامرا نواب شایستہ خاں۔ مقبرہ لاڈلی بیگم و شیخ فیضی۔ مقبرہ جودھا بائی۔ مقبرہ عظمت خاں مقبرہ دیوانجی بیگم۔ مقبرہ نواب جعفر خاں وغیرہ سی نفیس و بے نظیر عمارتیں منہدم کرادی گئیں۔ اس پر بھی شہر کے قرب و جوار میں کوسوں تک مقابر کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہیں قبروں کے سنگین تعویذوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ باقیماندہ مقابر میں روضہ ممتاز محل۔ سکندرہ (روضہ اکبر بادشاہ) اعتماد الدولہ۔ مقبرہ فیروز خاں۔ مقبرہ مریم الزمانی بیگم۔ مقبرہ صادق خاں۔ چینی کا روضہ مشہور و قابل دید ہیں اسطرح بیسیوں شکستہ حال مسجدیں قدیم باغوں کے پختہ

چاہات شہر کے قرب و جوار میں موجود ہیں۔

مصارف عمارات شاہی پر بحث

شاہی عہد کی جن عمارات کا صرفہ کتبِ تواریخ میں یا کتبوں میں مندرج ہے اس زمانہ میں علی العموم اُس کو لغو اور بعید از عقل سمجھا جاتا ہے مثلاً روضہ ممتاز محل کی تعمیر کا خرچ سرکاری تاریخ بادشاہنامہ مُلّا عبدالحمید لاہوری میں پچاس لاکھ۔ اکبر کے روضہ کی تعمیر کا صرف تزک جہانگیری میں پندرہ لاکھ۔ جامع مسجد اور موتی مسجد آگرہ کی تعمیر کا خرچ کتبوں میں پانچ لاکھ اور تین لاکھ مندرج ہے۔ اسی بنا پر اکثر یورپین مؤرخوں اور سیاحوں نے لکھدیا ہے کہ زمانہ تعمیر روضہ ممتاز محل میں معماروں اور مزدوروں نے فاقہ کشی کی اور اُن کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوائے اعلیٰ درجہ کے صنّاعوں انجنیروں کے جو علی العموم منصب دار مقرر کر دئے جاتے تھے معمولی معماروں اور مزدوروں کی شرح اُجرت بوجہ غلہ کی ارزانی کے زمانہ حال کی مزدوری کی شرح سے بہت کم تھی چنانچہ اکبر عہد میں مزدوری کی شرح حسب ذیل تھی۔

شرح اُجرت معماران وغیرہ

معمار۔ درجہ اوّل ۷ دام (۲ر۹) دوم ۶ دام (۲ر۴) سوم ۵ دام (۲ر) چہارم ۴ دام (۱ر۷) یومیہ۔

سنگتراش۔ سادہ سنگتراشی یک گزی اُجرت ۵ دام (۲ر) اور منقش کی فی گز ۶ دام (۲ر۴) تھی

نجّار۔ درجہ اول ۷ دام (۲ر۹) دوم ۶ دام (۲ر۴) سوم ۴ دام (۱ر۷) چہارم ۳ دام (۱ر۲) یومیہ۔

بیلدار۔ درجہ اول ۳½ دام (۱ر۴) دوم ۳ دام (۱ر۲)

خشت تراشی۔ فی صدی آٹھ دام (۳ر۲)

آب کش۔ اول تین دام (۱ر۲) دوم ۲ دام (۹) یومیہ۔

آرہ کش۔ دو دام (۹) یومیہ یا فی گز مکسّر ۲½ دام (۱ر)

نرخ غلّہ

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس وقت گیہوں کا نرخ ۱۲ دام (۴ر۹) فی من (۲۶ سیر ۱۰ چھٹانک) انگریزی اور جو چنے کا ۸ دام (۳ر۲) فی من۔ اور سفید شکر کا ۱۲۰ دام (۴۳ سیر ۱۰ چھٹانک موجودہ)

فی من - اور گھی کا ۱۰۵ دام (عہد اکبر) فی من - اور روغن سیاہ کا ۸۰ دام (عہد اکبر) فی من تھا۔

نواب محمد خاں بنگش بانی فرخ آباد کے عہد کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ تک میں معمار کی مزدوری ۱ر اور ۱ر اور بیلدار کی ۱ر روپیہ تھی شروع انگریزی عہد تک معمار کو ۲ روپیہ بلکہ اس سے بھی کم اُجرت ملتی تھی جو اب گرانی غلہ کی وجہ سے ایک روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر بادشاہ کے عہد میں تعمیرات کا ایک مستقل عملہ رہتا تھا جس میں منتظمین عمارت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے صنّاع اور کاریگر بھی ہوتے تھے یہ لوگ اپنے اپنے منصب کے مطابق نہایت بیش قرار تنخواہیں پاتے تھے اور ہر ایک کو اپنی منصب کے مطابق باربرداری بھی رکھنا فرض تھا۔ پتھر شاہی کانوں سے نکلتے تھے لکڑی بھی بادشاہی جنگلوں سے آتی تھی بلور اور جواہرات خزانہ عامرہ سے دئے جاتے تھے۔ باربرداری عملہ مستقل کی موجود تھی۔ صرف معمولی معماروں اور مزدوروں اور مصالح کے غیر معمولی اخراجات کا حال تاریخوں یا کتبوں میں درج ہے مثلاً قاسم خاں۔ میر عبدالکریم۔ مکرمت خاں معمور خاں۔ خلیل اللہ خاں وغیرہ کے علاوہ جو مغلیہ عہد کے مختلف زمانوں اور عمارتوں میر عمارت یا انجنیر لیکن اُمرائے عالی شان سے تھے۔

روضہ ممتاز محل کے کتابہ نویس امانت خاں شیرازی کا نام پیش کیا جاتا ہے جو منصب ہزار و دو صدی پر سرفراز اور اسی منصب کی تنخواہ پاتا تھا۔ انگریزی عہد میں چونکہ کل عمارتیں ٹھیکہ میں تعمیر ہوتی ہیں لہذا کاریگروں اور صناعوں کا کوئی عملہ مستقل نہیں لیکن منتظمین اور مبصرین فن کا وسیع محکمہ موجود ہے جس کے مستقل اخراجات جداگانہ عمارتوں میں نہیں دکھائے جاتے ہیں پس بوجوہات مندرجہ بالا صحت کے ساتھ کسی شاہی عمارت کی تعمیر کے اخراجات کی تعداد اب نہیں معلوم ہو سکتی:۔

اس وقت تک اُردو زبان میں آگرہ سے جلیل القدر اور باعظمت شہر کی جہاں خاندان مغلیہ کے جاہ و جلال اور گلشن اسلام کے ایام بہار کی بیسیوں لاثانی یادگاریں مٹتے مٹاتے باقی رہ گئی ہیں کوئی مفصل یا مختصر تواریخ موجود نہیں تھی جب سے لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل ہند نے آثار قدیمہ

کے تحفظ کو قانون نافذ فرماکر ان قدیم و بے نظیر یادگاروں کو گورنمنٹ کے سحاب کرم سے سیراب اور مرمت و نگہداشت کے آب حیات سے دوبارہ زندگی بخشی ہے ہر شخص کی توجہ ان قدیم یادگاروں کی طرف ہوگئی ہے اور اکثر لوگ قدیم عمارات اور آثارات کے صحیح تاریخی حالات معلوم کرنے کے مشتاق نظر آتے ہیں۔ میرے مخدوم مولوی محمد معین الدین صاحب اکبرآبادی نے آگرہ کی ایک مستقل اور مبسوط تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور کئی سال کی لگاتار کوشش اور محنت سے اس کے متعلق کافی ذخیرہ بھی فراہم کرلیا تھا ۱۹۰۴ء میں اس کا ایک حصہ جو معین الآثار کے نام سے موسوم ہے اور اس میں روضہ ممتاز محل اور عمارات ملحقہ کا مفصل بیان ہے بطور نمونہ شائع بھی کیا گیا مگر افسوس کہ مولانا کے آگرہ سے تبدیل ہوجانے اور عدم الفرصتی کی وجہ سے مکمل تاریخ اب تک شائع نہ ہوسکی ۱۹۰۶ء میں راقم مرقع اکبرآباد نے فتحپور سیکری کی تاریخ موسومہ آثار اکبری قلمبند کرکے شائع کی اور اب گیارہ برس کے انتظار کے بعد مولانا موصوف کی تاریخ آگرہ سے ناامید ہوکر آگرہ کی یہ مختصر تاریخ مرقع اکبرآباد نہایت ادب سے ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے امید ہے کہ ناظرین کرام میری کم علمی اور محدود تاریخی واقفیت پر لحاظ فرماکر میری غلطیوں اور فروگذاشتوں سے درگذر فرماویں گے دعائے خیر سے یاد فرماویں گے کہ اصل میں یہ ہی امیدان اوراق پریشان کے ترتیب و اشاعت کا باعث ہے ؎

یکدوح الخط فی القرطاس دھراً ۔ وکاتبہ رمیم فی التراب

الحمد للہ اولاً و آخراً

مقام آگرہ ۔ کتب خانہ محمدیہ
۸ر جمادالثانی سنہ ۱۳۳۴ھ
مطابق
۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

عبد ذلیل ۔ فقیر حقیر سعید احمد مارہروی
مؤلف آثار اکبری ۔ آثار خیبر ۔ آمرائے ہنود
بوستان اخیار حیات خسرو وغیرہ

۷۸۶
۷۸۹

ہر کام کے سرانجام کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْہُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا کیسا سچا مقولہ ہے۔ تقریباً ۵ برس کے تخیلات و تحقیقات اور دماغ سوزی کے بعد ۱۹۱۲ء میں یہ کتاب تکمیل کو پہنچی تھی اور شائع ہونے کے واسطے ایک صاحب مطبع کے حوالہ کی گئی تھی کل کتابت ختم ہوگئی۔ کاپیوں کی دیدہ ریزی سے بھی فرصت پائی مگر صاحب مطبع کے لیت ولعل اور امروز فردا سے تمام کاپیاں بیکار اور ناقابل طبع ہوگئیں اور مسودہ کا اکثر حصّہ بھی ضائع ہوگیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اور کوشش کی گئی مگر اُس وقت بھی ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ باوجود محنت شاقّہ کتاب شائع نہ ہوسکی۔ اس کے بعد ملازمت کی پابندی اور سب سے زیادہ انجمن محمدیہ اور شعیب محمدیہ ہائی اسکول کے کثرت کاروبار اور مشغولیت کی وجہ سے اس قدر عدیم الفرصتی رہے کہ اس کا خیال ہی جاتا رہا اب ۱۳ برس کے بعد یکایک اس جانب پھر توجہ ہوئی مسودہ کے اوراق پریشان تلاش کئے گئے۔ تو بہت سے مضامین نہیں ملے۔ برسوں کے دیگر افکار اور انہماک نے دماغ سے تاریخی مضامین کو بھی محو کردیا تھا۔ بہرحال خدا کا نام لے کر اور اُس کے فضل وکرم پر بھروسہ کرکے پھر کام شروع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آج وہ تکمیل کو پہنچا اب اُسی کی بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ بطفیل حضور سرورِ عالم محبوبِ معظم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم اس کے طبع اور شائع ہونے کی نوبت آئے اور اس کو درجہ مقبولیت حاصل ہو اور بندۂ گنہگار راقم الحروف کا انجام بخیر ہو آمین۔

جملہ ناظرین کتاب سے دعا کا خواستگار ہوں۔

بماند سالہا این نظم و ترتیب
ز ما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقش ایست کز ما یادگار ماند
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحب دلِ روزے بہ رحمت
کند در حق ایں مسکیں دعائے

سعید احمد مارہروی

۱۲ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۷ ھجری
مطابق
۲۴ جنوری سنہ ۱۹۲۹ عیسوی
یوم پنجشنبہ

۷۸۶
۲۸۹

کمال ندامت و افسوس کے ساتھ اظہار کیا جاتا ہے کہ غیر معمولی تفکرات اور مجبوریوں کی وجہ سے مرقع اکبر آباد پھر دو برس تک خلعتِ طبع سے محروم رہی آج اللہ پاک کے نام سے اس کی کتابت شروع کرائی جاتی ہے۔ خدا کرے کہ اس مرتبہ کامیابی حاصل ہو۔

سعید احمد مارہروی

۱۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۹ ھ

مطابق

۶ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

تاریخ آگرہ

آگرہ ہندوستان کا ایک قدیم شہر اور ضلع آگرہ کا صدر مقام اور صوبہ متحدہ کا نام نہاد تاج ہے جو طول البلد مشرقی ۷۷ درجہ ۲۶ دقیقہ و ۷۸ درجہ ۳۲ دقیقہ و عرض البلد شمالی ۲۶ درجہ ۴۴ دقیقہ و ۲۷ درجہ ۲۵ دقیقہ کے درمیان میں واقع ہے اس ضلع کے شمال میں اضلاع متھرا و ایٹہ۔ جنوب میں دھول پور اور گوالیار کی ریاستیں۔ مشرق میں اضلاع مین پوری و اٹاوہ اور مغرب میں ریاست بھرت پور واقع ہے کل ضلع آگرہ کا رقبہ ۱۸۵۳ مربع میل ہے۔

آگرہ کی آب و ہوا گرم و خشک اور بلغمی مزاج کے موافق ہے۔ یہہ شہر تمام صوبہ متحدہ میں سب سے زیادہ گرم مشہور ہے۔ یہاں گرمی کا موسم زیادہ اور اپریل سے جون تک بہت سخت لوئیں چلتی ہیں حرارت کا سالانہ اوسط ۷۸٫۹ ہے۔ جنوری کا اوسط ۵۹٫۸ اور جون کا اوسط ۹۵٫۱ ہے۔ برسات ہمیشہ کم ہوتی ہے اور بارش کا اوسط ۲۶٫۵۳ انچہ ہے

علی العموم یہہ ضلع اور شہر صحت آور سمجھا جاتا ہے۔ اوسط فوتی ۳۱٫۵۱ فی ہزار اور پیدائش ۴۴٫۴۱ فی ہزار ہے۔

دریاؤں کی وجہ سے اس ضلع کے کئے حصّے ہو گئے ہیں دریائے جمن کے شمالی جانب کی دو زرخیز تحصیلیں اعتماد پور اور فیروز آباد دوآبہ یعنی گنگا اور جمنا کے درمیان میں واقع ہیں۔

آگرہ کی وجہ تسمیہ

آگرہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ سنسکرت کے لفظ اگر (अगार) سے نکلا ہے جس کے معنی پہلے کے ہیں۔ چونکہ یہ بزرگ راجن کے قرب وجوار کے اُن مقامات میں جہاں سری کرشن جی مع اپنی گوپیوں کے جایا کرتے تھے پہلا مقام یا اُن کی گایوں کا پہلا بن جنگل یا چراگاہ تھا لہذا اگر بن کے نام سے مشہور ہو کر اندار زمانہ سے آگرہ ہو گیا۔ کسی کا بیان ہے کہ یہاں کے شور پانی کی وجہ سے زمانہ قدیم میں نمک یہاں بہت بنتا تھا لہذا اگر یعنی کانِ نمک سے آگرہ بن گیا۔ کوئنٹس کرٹیس ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے بہ پارسی شاہزادہ اگرامس کے نام سے اخذ کیا گیا ہے۔ بعض اس کے نام کو اگروال بنیوں سے منسوب کرتے ہیں۔

قدیم تاریخ

شیخ عبداللہ صاحب تاریخ داؤدی لکھتے ہیں کہ متھرا کے مشہور راجہ کنس کے زمانہ میں آگرہ ایک مضبوط مقام تھا جہاں راجہ کے قیدی رہا کرتے تھے منشی سلیچند اپنی تاریخ آگرہ میں لکھتے ہیں کہ آگرہ قدیم زمانہ میں ایک بڑا شہر تھا جو ایک زبردست راجہ جراج کی راجدھانی اور اسی مناسبت سے جم پرست کے نام سے موسوم تھا۔ ہندوؤں کے زمانہ کی اب کوئی یادگار باقی نہیں البتہ شہر کے اندر ایک نالہ کنس کھار کے نام سے اب تک مشہور ہے اور بلکیشور مہادیو کے مندر کے قریب چند کھنڈر موجود ہیں جو

قلعہ راجہ بھوج

راجہ بھوج کے محل کے نام سے موسوم ہیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس راجہ بھوج کی یادگار ہیں آگرہ اور قرب و جوار خصوصاً اعتماد پور اور بٹ الیشور میں بودھوں اور جینیوں کے زمانہ کی قدیم مورتیں اکثر برآمد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں اس مقام پر کوئی بڑا شہر آباد تھا ۱۸۷۹ء میں محلہ موتی کٹرہ کی سڑک کھودتے وقت چند قدیم مورتیں نکلی تھیں جن میں سنگ موسلی کی ایک مورت پر کتبہ بھی تھا۔ یہ مورت ماگھ سدی تیرس سمت ۱۰۳۰ (۱۰۷۳ء) کی بنی ہوئی اور سُمرت چن کے نام سے موسوم تھی جسے بیبک ولد رشک اور اس کی زوجہ کلی نے بنوایا تھا۔

سلطان ابراہیم ابن مسعود غزنوی کے عہد (۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء لغایۃ ۴۹۲ھ/۱۰۹۸ء) میں آگرہ میں ایک مضبوط قلعہ

اسلامی عہد

موجود تھا جسے اُس کے بیٹے محمود نے فتح کیا اس کے نسبت مسعود سعد سلمان نامی مشہور شاعر اپنے ایک قصیدہ میں لکھتا ہے ؎

حصارِ آگرہ پیدا شد از میانہ گرد ۔۔۔ بسانِ کوہ بردبارہائے چوں کہسار
حصار دیدم و بے حد دلیک ہر یک را ۔۔۔ گشادہ دیدم واز لشکری خود صد بار
کنوں کہ یافتہ ام من حصارِ آگرہ را ۔۔۔ ازیں حصار برآرم بہ تیغ و تیر دمار

سلاطین غلام خلجی تغلق اور سیدوں کے عہد میں آگرہ زیادہ تر مسلمان گورنر بیانہ[1] اور کبھی کبھی چوہان راجپوتانِ چندواڑ کے قبضہ میں رہا تیمور کے حملہ کے بعد جب دہلی کی سلطنت کمزور ہوگئی تو بیانہ کے گورنر شمس خاں اوحدی نے خود مختاری اختیار کی سکندر لودی کے زمانہ تک اُس کے خاندان میں بیانہ اور آگرہ کی حکومت رہی۔ ۸۹۴ھ/۱۴۸۹ء میں سلطان شرف بیانوی کی طرف سے ہیبت خاں علوانی آگرہ کا حاکم اور قلعہ دار تھا۔ سکندر لودی نے اسی سال قلعہ بیانہ اور قلعہ آگرہ کا محاصرہ کرکے دونوں کو فتح کرلیا۔ اسی عرصہ میں بقول نعمت اللہ صاحب تاریخ خانجہانی لودی حکام شاہی اور زمینداران قرب وجوار کی تحریک سے بادشاہ نے لب دریائے جمن ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا اور اُمرا کی ایک جماعت کو شہر اور عمارت شاہی کے واسطے عمدہ موقع انتخاب کرنے کے واسطے متعین کیا۔ آخر کار یہ مقام جہاں اب لب دریا شہر آباد ہے انتخاب کیا گیا جسے بادشاہ نے بھی پسند فرمایا۔

بنیاد شہر آگرہ

اور ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء میں سنبھل سے صندر خاں نام ایک امیر کو جدید شہر اور عمارات شاہی کی بنیاد اور تعمیر کے واسطے روانہ کیا۔ جس نے قدیم قلعہ کو جو بادل گڈھ کے نام سے مشہور اور راجہ بدل سنگھ کا یا بادل سنگھ کا بنایا ہوا تھا منہدم کراکر از سر نو خشت وچونے سے تعمیر کرایا اور شہر کی آبادی میں ایسی کوشش کی کہ تھوڑی ہی مدت میں جمنا کے دونوں طرف عالیشان شہر آباد ہوگیا۔ ماہ رمضان ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء میں بادشاہ سنبھل سے آگرہ ہوتا ہوا دھولپور پہنچا اور قلعہ دھولپور کو فتح کرکے آگرہ واپس آیا اور اس جدید شہر کو

[1] اب یہ قصبہ ریاست بھرتپور میں واقع ہے۔

گوالیار و نروار اور راجپوتانہ کا دروازہ سمجھ کر اپنا دار الخلافت بنایا۔ ۳ر صفر ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء کو آگرہ میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ پہاڑ تک لرز گئے تمام عالی شان عمارتیں منہدم اور ہزاروں آدمی دب گئے۔ اس زلزلہ کی یہ تاریخ کسی شاعر نے لکھی ہے ؎

در نہصد و احدے عشر از زلزلہا — گردید سواد آگرہ چوں مرحلہا
با آنکہ نباشش بسے عالی بود — از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

بادشاہ نے اس کے بعد تمام عمارتوں کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۹۱۵ھ میں آگرہ سے دھولپور تک منزل بمنزل محلات اور باغات تعمیر کرائے۔ غرضکہ بادشاہ کی علم دوستی اور کمال پروری سے چند ہی مدت میں آگرہ علم و فضل کا مرکز اور اہل کمال کا مخزن ہو گیا اور اس کی شہرت ہندوستان سے لیکر عرب و ایران اور روم تک پہنچ گئی۔ میر رفیع الدین صفوی محدث اکبر آبادی شیخ ابو الفتح مکی شیخ عبد اللہ دانشمند شیخ علاؤ الدین مجذوب شیخ حسن انصاری۔ شیخ ابو الفتح مفتی شاہ میر وغیرہ سے اہل علم و اہل کمال اس بادشاہ کی قدر دانی سے دور دور سے آکر آگرہ میں جمع ہو گئے تھے جن کی وجہ سے آگرہ علم و فضل کے لحاظ سے بغداد و شیراز وغیرہ کا ہم پلہ ہو گیا تھا۔ اور دور دور سے طلبہ ان بزرگوں کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتے تھے۔

عہد سکندر لودی

سکندر لودی کے زمانہ میں جمنا شہر کے درمیان میں بہتی تھی اور دونوں کناروں پر شہر آباد تھا اگرچہ اس عہد کی اب کوئی عمارت باقی نہیں رہی مگر جمنا پار چند قبریں اب بھی موجود ہیں اور محلہ کچہری گھاٹ اور مال کے بازار کے پرانے قبالوں میں بازار و گذر میاں بہوہ لکھا ہوا چلا آتا ہے۔ یہ میاں بہوہ سلطان سکندر لودی کے نہایت منظور نظر وزیر تھے دہلی کی موٹھ مسجد انہی کی بنوائی ہوئی ہے مواضعات سکندر پور و سکندرہ بہشت آباد پرگنہ آگرہ اور سکندر پور پرگنہ اعتماد پور بھی اسی عہد کے یادگار ہیں جن قرب و جوار میں اس زمانہ کے کچھ خفیف آثار و کھنڈرات بھی نظر آتے ہیں۔

عہد سلطان بابر

۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں بابر نے ہندوستان کو فتح کر کے ۲۲ر رجب کو دار السلطنت آگرہ میں قدم رکھا سلطان ابراہیم لودی پسر سکندر لودی کی شکستہ دل ماں کا سات لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر

کرکے آگرہ سے کوس بھر کے فاصلے پر جمنا کے کنارے اُس کے واسطے مسکن تجویز کردیا اس کے بعد آگرہ کے قلعہ کا ملاحظہ کیا جس کا خزانہ دولت سے معمور تھا مال غنیمت میں ڈھائی تولہ وزن کا ایک الماس بھی تھا جس کا نام ہندوستان میں علاؤالدین خلجی کے زمانہ سے روشن ہورہا تھا۔ ۲۹ رجب کو بابر نے بخشش شروع کی اور لودیوں کے زمانہ کی بے شمار دولت کو چند ہی دن میں تقسیم کرکے اپنی شان قلندری کا اظہار کیا۔ اگرچہ بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن وامان قائم کرنے ہی گذر گیا اس پر بھی اُس نے کثرت سے باغ وحمام اور باولیاں بنوائیں اور آگرہ میں سرد ملک کے خربوزوں اور انگوروں کی کاشت کرائی۔ امرائے شاہی نے بھی لبِ جمنا پر فضا باغ لگائے۔ اہل آگرہ نے اس جدید مغلیہ آبادی کا نام کابل رکھ دیا بابر کے ہمراہ مولانا شہاب الدین متمنائی مولانا شیخ زین الدین خوافی۔ شیخ ابوالواجد وغیرہ علماء وفضلا کابل سے آئے تھے انہوں نے جدید مغلیہ آبادی میں علمی جلوے دکھائے اور مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرکر اہل آگرہ کو اپنے علم وفضل سے سیراب کیا۔ یہ مغلیہ آبادی جمنا پار یعنی مشرقی جانب واقع تھی۔ جس کی یادگار مسجد ہمایوں واقع موضع کچھ پورا اور چوبرجی مسجد واقع چہار باغ (کل افشاں یا بہشت بہشت) اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔

خاندان سور

بابر اور ہمایوں کے بعد سلیم شاہ اور محمد عدلی کے وقت میں بھی آگرہ دارالسلطنت رہا۔ محمد عدلی کے زمانہ یعنی ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں قلعہ باول گڈھ میں اتفاق سے بارود میں آگ لگ گئی اور آناً فاناً اُس کے شعلے آسمان تک پہنچے اُس کے صدمہ سے ایسا زلزلہ آیا کہ شہر والے سمجھے کہ قیامت آگئی قلعہ کی عمارتوں کے پتھر اور ستون کئی کئی کوس اُڑ اُڑ کر زمین پر گرے اور ہزارہا آدمی اس بلائے ناگہانی میں تلف ہوگئے۔ گنبد درگاہ شیخ علاؤالدین مجذوبؒ وگنبد مزار شیخ حسن شیرازیؒ واقع احاطہ دیوانی عہد شیر شاہی اور قلعہ کی موجودہ عمارت سلیم گڈھ سلیم شاہ سور کے عہد کی یادگار ہے۔

اکبر اعظم

ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان کو فتح کرکے دہلی کو پایۂ تخت بنایا لیکن شہنشاہ اکبر نے پھر آگرہ کو دارالخلافہ مقرر کیا[۱] اُس وقت سے اس کی رونق اور آبادی ایک سے ہزار ہوگئی۔ قلعہ کے

---

[۱] اکبر ۹۶۶ھ/۱۵۵۸ء میں اول مرتبہ آگرہ میں آیا اور اُس جگہ جہاں اب محلہ سلطان پورہ واقع ہے شاہی خیمے نصب ہوئے اس کے بعد قلعہ باول گڈھ میں سکونت اختیار کی۔

علاوہ بڑی بڑی عالی شان حویلیاں پُر فضا باغات اور نفیس مقابر تعمیر ہوئے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام اسلامی ممالک اور یورپ سے بڑے بڑے علما فضلا اور ہر قسم کے اہل کمال آکر اس شہر میں جمع ہو گئے اور یہاں کی صنعت و حرفت کا تمام دنیا میں شہرہ ہو گیا ؎

ہر طرف کا خہائے بوقلموں	ہمہ سو باغہائے گوناگوں
روضہ ہا رشک روضۂ رضوان	باغہا مشالا مار و نور افشاں
محفلش آفتاب تاب ایاغ	انجمن ماہتاب تاب چراغ
در ہمہ باغ قمری و بلبل	والہ مرد و طرۂ سنبل
ہمہ جا کاخہا وسیع و بقاع	منزل دل نشیں فسیح ضلاع
ہر طرف ہا دوکان دل داری	گرم بازاری خریداری
ساخت آباد یش ز فضل الہ	نور ذات الہ اکبر شاہ

سنہ ۹۷۲ھ / ۱۵۶۴ء میں اکبر نے آگرہ کے قریب موضع ککرالی میں جو آگرہ سے تین چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے ایک جدید شہر آباد کر کے نگر چینن اُس کا نام رکھا جس کا ترجمہ امن آباد ہو سکتا ہے۔ اکبر کو اس جگہ کی آب و ہوا بہت پسند تھی اور وہ شکار کے واسطے اکثر اُس جگہ جایا کرتا تھا۔ مالوہ سے واپس آکر جب حسب معمول اُس مقام پر شکار کے واسطے گیا تو شہر کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا اور فوراً اُمرا اور اعیان دولت کو اُس جگہ محلات تعمیر کرنے کا حکم دیا چند ہی دن میں بنا ہائے خوب اور منازل مرغوب تعمیر ہو کر عظیم الشان شہر ہو گیا۔ لیکن جس قدر جلد یہ شہر آباد ہوا اُسی طرح جلد ہی ایسا ویران ہوا کہ اکبر ہی کے عہد میں اُن عمارات کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ چند مدت پیشتر تک دو ایک قدیم آثار اس گاؤں میں موجود تھے لیکن اب کوئی آثار باقی نہیں ہے۔

سنہ ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں اکبر نے آگرہ میں دو عالی شان محل تعمیر کرائے جن میں ایک بنگالی محل کے نام سے مشہور تھا۔ قاسم ارسلان نے ان کی یہ تاریخ لکھی تھی ؎

چوں از پئے عشرت شہ زیبا منظر	فرمود بنائے خانۂ فیض اثر

تاریخ یکے زعشرت آمد بیروں نشد خانۂ بادشاہ تاریخ دگر

فتحپور سیکری

۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ ۱۵۷۹ء کو شیخ سلیم چشتی فتحپوری کی دعا سے شاہزادہ جہانگیر بمقام سیکری پیدا ہوا اور اکبر نے اس مقام کو متبرک اور قابل یادگار سمجھ کر ۹۷۹ھ ۱۵۷۱ء میں اس جگہ پہاڑی پر فتح پور آباد کرکے اپنا دارالخلافت مقرر کیا۔ چند ہی مدت میں ہزارہا سنگین عمارتیں اس جدید شہر میں تعمیر ہوگئیں۔ محل خاص کی تاریخ قاسم ارسلان نے یہ لکھی تھی ؎

تمام شد دو عمارت مثال خلد برین بدور دولت صاحبقران ہفت اقلیم
یکے بہ بلدۂ دارالخلافہ آگرہ دگر بخطۂ سیکری مقام شیخ سلیم
سپہر از پئے تاریخ ایں دو اعلی قصر رقم زدہ - دو بہشت بریں بکلک قدیم

محل و ہرن منارہ

۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء اکبر نے آگرہ سے اجمیر تک ہر منزل پر ایک محل اور ہر کوس پر ایک کنواں اور ایک منارہ تعمیر کرایا اس وقت تک جتنے ہرن شکار کئے تھے ان کے لاکھوں سینگ جمع تھے انھیں ہر منارہ پر لگاکر سراپا شاخ در شاخ کرادیا۔ میل شاخ اس کی تاریخ ہے۔

عہد اکبری میں آگرہ و فتحپور کی آبادی

جب اکبر نے فتحپور سیکری میں زیادہ رہنا شروع کیا تو رفتہ رفتہ آگرہ سے فتحپور سیکری تک بادشاہ اور امرا کی عمارتیں محلات۔ باغات اور مساجد تعمیر ہوگئیں اور آگرہ اور فتحپور کے درمیان میں برابر آبادی کا سلسلہ ہوگیا جس کے کچھ نشانات اب تک سڑک پختہ کے اطراف میں پائے جاتے ہیں اسی زمانہ میں

فیچ سیاح

فیچ نام ایک انگریز سوداگر ملکہ الزبتھ کے دربار سے سفارشی خطوط لیکر مع چند انگریزوں کے ہندوستان میں تجارت کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ اس نے ایک مختصر سفرنامہ لکھا ہے جس میں وہ آگرہ کے متعلق لکھا ہے "آگرہ بڑا آباد اور وسیع شہر ہے۔ مکان عموماً صاف ستھرے ہیں اور گلیاں بھی پاک و صاف اور وسیع ہیں۔ شہر کے درمیان میں ایک دریا بہتا ہے جو خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ یہاں ایک خوبصورت قلعہ ہے جس کے چاروں طرف گہری خندق کھدی ہوئی ہے۔ یہاں مسلمان بہت کثرت سے آباد ہیں اور بادشاہ کا نام جلال الدین اکبر ہے جس کو لوگ مغل اعظم بھی کہتے ہیں۔

یہاں سے ہم فتحپور سیکری میں پہنچے جہاں بادشاہ دربار کرتا ہے۔ یہ آگرہ سے بڑا ہے مگر گلیاں

اور مکانات ایسے خوبصورت و صاف نہیں ہیں۔ یہاں بھی کثرت سے مسلمان رہتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بادشاہ نے ایک ہزار ہاتھی، بتیس ہزار گھوڑے۔ بارہ سو ہرن پالے ہیں اور مرغوں۔ اور دوسری شکاری چڑیوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ حرم سرا میں آٹھ سو بیگمات ہیں۔ بادشاہ کا دربار بڑا رفیع الشان ہے اس کو دار خانہ کہتے ہیں۔ آگرہ اور فتح پور دونوں شہر لندن سے بہت بڑے ہیں ان دونوں شہروں کے درمیان میں بارہ میل (اب ۲۲-۲۳ میل) کا فاصلہ ہے۔ مگر یہ تمام درمیانی راستہ ماکولات اور دوسری اجناس کے بازاروں سے ایسا آباد ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہی کا سلسلہ ہے اور آدمیوں کی آمد رفت بھی اس کثرت سے ہے کہ گویا بازار ہے۔ یہاں رئیسوں کی سواری کی چھوٹی چھوٹی بہلیاں ہوتی ہیں جن پر سنہرے نقش و نگار بنے ہوتے ہیں ان میں دو بیل جوتے جاتے ہیں جو ایسے تیز ہوتے ہیں کہ گھوڑوں سے شرط باندھ کر دوڑتے ہیں۔ اس شہر میں فارس تبت اور سارے ہندوستان اور دیگر ممالک کے سوداگر ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور ریشم کپڑے قیمتی جواہرات مثل ہیرے۔ موتی۔ لعل وغیرہ کی خوب خرید فروخت ہوتی ہے۔"

علامی ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں "آگرہ کی آب و ہوا خوبیوں اور لطافت میں بے مثل ہے کاروزراعت پسندیدہ اور انواع و اقسام کے خوشبودار پھول اور میوے اور عمدہ روغن و پان یہاں ملتے ہیں۔ انگور[1] اور خربزہ۔ ایران و توران کے مانند یہاں پیدا ہوتا ہے آگرہ نہایت خوش ہوا اور بڑا شہر ہے دریائے جمن پانچ کوس تک شہر کے درمیان میں بہتا ہے جس کے دونوں جانب مکانات دلکشا اور باغات روح افزا واقع ہیں۔ یہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد ہیں ہفت اقلیم کے مال کا مجمع ہے۔ جہاں پناہ نے اس کو سنگ سرخ کے قلعہ اور عمارات عالیہ سے آراستہ کیا ہے نقاشان نادرہ کار اور مصوران نظر فریب نے ان عمارات میں طرح طرح کے کارنامے بنائے ہیں اور باختری دروازہ پر دو فیل سنگین مع فیلبانوں کے نہایت عمدہ تراشے ہیں۔ پتھر کے مکانات پانچ سو سے زیادہ بنگالہ اور گجرات کی طرز کے عجیب خوشنما بنے ہیں۔

---

[1] انگور تو اب پیدا نہیں ہوتا مگر خربوزہ یہاں کا اب تک مشہور ہے۔

عہد جہانگیری

جہانگیر بادشاہ نے توزکِ جہانگیری میں لکھا ہے۔ آگرہ ہندوستان کے قدیم بڑے شہروں میں ہے جو دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع ہے میرے باپ نے میری پیدائش سے پہلے پرانے قلعہ کو منہدم کرا کر اس کی جگہ سنگ سُرخ کا قلعہ بنوایا ہے..... اس شہر کی آبادی دریا کے دونوں طرف واقع ہے لیکن مغربی کنارہ پر زیادہ آبادی ہے جس کی لمبائی دو کوس اور چوڑائی ایک کوس اور دو رسات کوس ہے۔ مشرقی کنارہ پر کم آبادی ہے۔ اس کی لمبائی ایک کوس چوڑائی نصف کوس اور دو رسات ڈھائی کوس ہے۔ کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ مثل شہرہائے عراق و خراسان اور ماوراء النہر کے چند شہر آباد ہو سکتے ہیں۔ اکثر آدمیوں نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتیں بنوائی ہیں اور آدمیوں کی اس قدر کثرت ہے کہ کوچہ و بازار میں دشواری سے گذر ہوتا ہے..... آگرہ کی ہوا گرم و خشک ہے اور اطبا کی رائے میں ضعف پیدا کرتی ہے اور روح کو تحلیل کرتی اور اکثر طبائع کو ناسازگار ہے مگر بلغمی اور سودائی مزاج کے موافق ہے..... خربوزہ اور انبہ اور دیگر میوے آگرہ اور اطراف میں اچھے ہوتے ہیں۔ در ایام دولت عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) میں اکثر ولایتی میوے کہ جو ہندوستان میں نہ پیدا ہوتے تھے بہم پہنچنے لگے..... ساکنان آگرہ کسب ہنر طلب علم میں کوشش بلیغ کرتے ہیں اور ہر دین و مذہب کے لوگ اس شہر میں آباد ہیں۔"

حوض بے نظیر

جہانگیر کے زمانہ میں حکیم علی گیلانی نے آگرہ میں ایک بے نظیر اور عجیب و غریب حوض تعمیر کرایا تھا جس کا حال جہانگیر نے اس طرح لکھا ہے۔ آج (۱۶ ربیع الثانی ۱۰۱۶ھ) اتوار کے دن ۱۲ تاریخ کو حکیم علی کے گھر چند مصاحبوں کے ساتھ اس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا جیسا کہ اس نے حضرت عرش آشیانی کے وقت میں لاہور میں بنایا تھا۔ حوض مذکور ۶×۶ گز ہے۔ پہلو میں نہایت روشن حجرہ ہے جس کا راستہ حوض کے اندر سے ہی مگر لطف یہ ہے کہ اس راہ سے پانی اندر نہیں آسکتا۔ دس بارہ آدمی اس میں جلسہ جما کر بیٹھ سکتے ہیں..... اس کے ملاحظہ کے بعد حکیم علی کو میں نے دو ہزاری منصب پر سرفراز کیا۔" اس حوض کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے مگر یہ روایت اب تک مشہور چلی آتی ہے کہ جمنا کے کنارہ باغ کے اندر یہ حوض واقع تھا اور جہانگیر قلعہ سے کشتی میں سوار ہو کر اس کی سیر کو گیا تھا جس وقت کشتی قلعہ سے روانہ ہوئی حکیم علی نے اس کثرت سے نفیس کیوڑہ دریا میں ڈلوایا کہ تمام دریا خوشبو سے معطر ہو گیا اور یہ سلسلہ بادشاہ

کی واپسی تک برابر جاری رہا۔

جہانگیر کے زمانہ میں عمارات کے علاوہ نہایت کثرت سے آگرہ میں باغات تعمیر ہوئے اور خود نور جہاں بیگم نے کئی نفیس باغ نور افشاں (رام باغ) نور منزل (ڈیرہ باغ) نور پری وغیرہ بنوا کر آگرہ کو رونق بخشی اسی زمانہ میں آگرہ میں جدید طرز کی تین حویلیاں ایسی عمدہ تعمیر ہوئیں کہ اس وقت تک کوئی حویلی ایسی خوبصورت تعمیر نہ ہوئی تھی۔ ان میں ایک حویلی خواجہ جہاں کی دوسری خواجہ ولیسی دیوان شاہزادہ پرویز کی اور تیسری جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی اعتقاد خاں پسر اعتماد الدولہ کی تعمیر کردہ تھی[1]۔

انگریزوں کی کوٹھی

آگرہ میں پرتگیزوں۔ ڈچوں۔ اور ارمنی عیسائیوں کی آمد رفت اور تجارت تو اکبر کے زمانہ سے جاری تھی۔ کپتان ہوکنس اور سر طامس رو صاحب سفرائے دربار انگلشیہ نے دربار جہانگیری سے انگریزوں کی تجارت کے متعلق بھی مفید احکام صادر کرائے اور سب سے پہلے ۱۶۱۵ء میں بمقام سورت اور ۱۶۲۰ء میں آگرہ میں انگریزی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی۔

شاہجہانی عہد

شاہجہاں کی تخت نشینی کے وقت ملا عبدالحمید لاہوری نے پادشاہنامہ میں آگرہ کا حال اس طرح لکھا ہے کہ یہ شہر دریائے جمنا کے کنارہ پر آباد ہے جو زمین کی مانند فراخ اور آسمان کی طرح وسیع ہے یہ انواع و اقسام کے نفائس اور طرح طرح کے غرائب اور تمام دنیا کی نعمتوں کی موجودگی کی وجہ سے یادگار بہشت بریں ہے۔ ہر قسم کے لوگ وضیع و شریف یہاں آباد اور ہر قسم کے صناع اور باکمال موجود اور مرفہ الحال اور فارغ البال ہیں ؎

شہرے بینی چو فکر دانا — در وے ہمہ کائنات پیدا
چوں عارض دوست از نکوئی — در وے ہمہ آرزو کہ جوئی

اگرچہ اکبر بادشاہ نے اپنے عہد دولت میں اکثر اشیا کو جدید ناموں سے موسوم کیا تھا مگر آگرہ جو دارالخلافت تھا باوجود اس کے کہ اس کا نام حسن لفظ اور معنی سے عاری تھا اب تک اپنے قدیم نام سے

[1] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۱۸۲

موسوم رہا۔ حضرت صاحبقران ثانی (شاہجہاں) نے جلوس کے دن اسے اکبر آباد کے نام سے موسوم کیا۔ ... دارالسلام بغداد جو عراق و عرب کا سب سے بڑا شہر اور مدت تک خلفائے عباسیہ کا دارالخلافت رہا ہے دو فرسخ یعنی چھ کوس کے قریب دور میں آباد ہے لیکن دارالخلافت آگرہ کا دور دریائے جمن کے دونوں طرف دس کوس بادشاہی ہے جو ولایت کے پانچ فرسخ اور ہندوستان کے پندرہ کوس رسمی کے برابر ہے اس کثرت آبادی سے یہ بغداد پر فوقیت رکھتا ہے۔ قلعہ اور دولت خانہ والا اور بادشاہزادوں اور اُمرا کی حویلیاں زیادہ تر دریا کے مغربی جانب ہیں اس طرف کی آبادی کا دور آٹھ کوس۔ طول ڈھائی کوس اور عرض ایک کوس ہے۔ اور بہت سی منازلِ رُوح افزا و روح کُشا جو ایک لاکھ روپیہ کے خرچ سے لیکر پانچ لاکھ روپیہ تک کے صرف سے تعمیر ہوئی ہیں اس جانب واقع ہیں۔ اس سے کم قیمت عمارتوں کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ مشرقی جانب باغہائے دِل کُشا اور عمارات رفیعہ کثرت سے ہیں۔ اس طرف کی آبادی کی لمبائی ایک کوس چوڑائی نصف کوس اور دور ڈھائی کوس ہے۔

شاہجہاں کے عہد میں آگرہ کی رونق و آبادی معراج کا کمال پر پہنچی اور روضہ ممتاز محل موتی مسجد جامع مسجد دیوان خاص وغیرہ سی بے نظیر اور نفیس عمارتیں تعمیر ہوئیں جن کی وجہ سے آگرہ کو ہندوستان کے تمام شہروں پر فوقیت حاصل ہو گئی اور دُنیا کے عظیم الشان شہروں میں اُس کا شمار ہونے لگا ایک شاعر کہتا ہے ؎

سُبحان اللہ چہ اکبر آباد — چُوں مصر کنار نیل آباد
صبحے زنبار سش خُداداد — شامے زسواد لکھنؤ زاد
چوں روضہ ندیدہ ایم جائے — ایں گونہ مزار جانفزائے
دریائے جمن بہ اکبر آباد — چُوں دجلہ بزیر شہر بغداد

مشہور فرانسیسی سیّاح ڈاکٹر برنیر نے شاہجہاں آباد کے آباد ہونے کے بعد آگرہ

ڈاکٹر برنیر

؎ اکبر اور جہانگیر کے عہد کی تمام تاریخوں۔ تذکروں اور فرامین و رقعات میں شہر کا نام آگرہ ہی لکھا ہے شاہ جہاں کے زمانہ سے اکبر آباد لکھا جانے لگا۔

کو دیکھا تھا وہ لکھتا ہے کہ دہلی اور آگرہ کے درمیان میں راستہ[1] کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے ہیں اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کے واسطے پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے کے واسطے پختہ کنوئیں اور منزل منزل پر خوبصورت کاروانسرائیں بنی ہوئی ہیں میں نے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور دہلی کا قلعہ اور عمارتیں بھی جو جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اس وجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے بادشاہان ہندوستان وہیں رہتے چلے آتے ہیں اس کو وسعت اور کثرت عمارت میں جن کو امرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کاروانسرائیں بھی اس میں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کر سکتا ہے اور جن کا بیان میں آئندہ کروں گا۔ لیکن اس کی شہر پناہ نہیں اور بعض اور امور میں بھی یہ دہلی سے گھٹا ہوا ہے اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز کر کے نہیں بنایا گیا اس لئے دہلی کے سے متحد الوضع سیدھے اور وسیع بازار جن سے اس کا امتیاز حاصل ہے اس میں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور ان کی عمارت بھی اچھی ہے اور بیوپاری بھی زیادہ بیٹھتے ہیں ان کے سوائے سب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بے قاعدہ ہیں..... اگر آگرہ کو کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گاؤں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے اور اس کا منظر گاؤں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما ہے کیونکہ امرا کا معمول ہے کہ اپنے مکان کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور امرا اور راجہ اور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک دوسرے سے فصل کے لئے نہایت فرح بخش پھول پھلواری اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور ان میں ہندو مہاجنوں کی اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پرانی گڑھی..... آگرہ میں ایک گرجا[2] بھی ہے جس کو جیسوئیٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے

---

[1] یہ سڑک جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں اکبرآباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ اس کے بہت سے منارے جو جہانگیری میل کے نام سے مشہور ہیں اب تک موجود ہیں [2] اس گرجا کی تعمیر ۱۶۰۲ء سے شروع ہوئی تھی

جس کو وہ کالج کہتے ہیں ..... آگرہ میں ڈچ لوگوں کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے۔

دیگر یوروپین سیاح

فنچ و برنیر کے علاوہ اور بھی کئی یوروپین سیاح اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں آگرہ میں وارد ہوئے جنھوں نے اس شہر کی بے انتہا دولت و کثرت تجارت و آبادی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ ایڈورڈ ٹیری جو سر طامس رو سفیر انگلستیہ کے ساتھ آیا تھا لکھتا ہے کہ آگرہ بہت بڑا اور دولتمند شہر ہے جو شہنشاہ مغل کا دارالخلافت ہے یہ جمنا سے خوب سیراب ہو رہا ہے۔ طامس ہربرٹ جو جہانگیری عہد میں آیا لکھتا ہے کہ یہ شہر لندن کے ہم شکل ہے جس کے گلی کوچے تنگ اور لمبے ہیں مینڈس لو جو شاہجہاں کے عہد میں وارد ہوا لکھتا ہے کہ آگرہ اصفہان سے جو اس زمانہ میں نہایت رونق پر تھا دوگنا ہے اور نہ صرف شہروں بلکہ دور و دراز ملکوں میں بھی ہر طرف بہبودی کے نشان موجود ہیں۔

عہد عالمگیری

اگرچہ آگرہ کی آبادی کا تنزل شاہجہاں آباد کے آباد ہونے سے شاہجہاں کے اخیر عہد ہی میں شروع ہو گیا تھا مگر عالمگیر بادشاہ کے زمانہ تک یہ شہر بخوبی آباد اور رونق پر رہا چنانچہ عالمگیر کے اخیر عہد کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ آگرہ زمانہ سابق میں بیانہ کے متعلقات سے ایک گاؤں تھا۔ سلطان سکندر لودی نے اس مقام کو پرفضا دیکھ کر اپنا تخت گاہ مقرر کیا اور شہر نہایت خوب بسایا۔ اس کے بعد باول گڈھ (قلعہ) مشہور رہا۔ پھر شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اس کو ممالک محروسہ کے وسط میں سمجھ کر اپنا دارالخلافت بنایا اور ایک قلعہ نہایت مستحکم تعمیر کیا اور شہر بھی نہایت وسیع اور خوش اسلوب آباد کر کے اس کو خوشنما عمارتوں سے آراستہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی سیاح نے ایسا قلعہ اور ایسا وسیع شہر نہیں دیکھا۔ جمنا چار کوس تک شہر کے درمیان میں بہتی ہے۔ دونوں طرف عالیشان عمارتیں اور رنگ برنگ کے مکانات خدا کی قدرت کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کے باشندے اس شہر میں موجود ہیں اور ہفت اقلیم کی اجناس اور اشیا ہر وقت نہایت کثرت کے ساتھ بہم پہنچتی ہیں۔ طرح طرح کے میوے رنگ برنگ کے پھول ہر فصل و موسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ میووں میں خربوزہ نہایت شیریں خوشبو اور خوش ذائقہ ہوتا ہے پان[1] بھی یہاں کا نہایت نازک اور خوشبودار ہوتا ہے۔ انواع و اقسام کی چیزیں یہاں بنتی ہیں اور ہر قسم کے

[1] افسوس کہ اب پان کی کاشت یہاں نہیں ہوتی۔

کاریگر اور صنّاع موجود ہیں خصوصاً یہاں کا کارچوبی کام نہایت عمدہ ہوتا ہے اور دُور دُور کے ملکوں کو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ شہر مذکور نہایت آباد اور رونق پر ہے۔ علماء اور اولیاء اللہ کے اکثر مزارات بھی واقع ہیں اور شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بادشاہ کے مقابر نہایت عالی شان بنے ہیں[1]۔

عالمگیر کی وفات کے بعد روز بروز سلطنت مُغلیہ کو تنزل ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ہی آگرہ بھی ویران ہوتا رہا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں نیکو سیر پسر شاہزادہ اکبر ابن عالمگیر آگرہ کے قلعہ میں مُقیّد تھا جب فرخ سیر اور رفیع الدرجات کے بعد امیر الامرا سیّد حسین علی خاں اور قطب الملک عبداللہ خاں نے رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا تو ۱۱۳۱ھ میں آگرہ میں ہزاری متر سین نام ایک شخص نے قابو پا کر نیکو سیر کی بادشاہی کا اعلان کیا یہ حال سنکر امیر الامرا حسین علی خاں فوج لیکر آگرہ آیا اور تین ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا رہا آخر کار ہزاری متر سین سے سازش کر کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اُس وقت تک قلعہ کے کوٹھوں میں نُور جہاں بیگم اور ارجمند بانو بیگم اور (ممتاز محل) اور بادشاہوں کا عمدہ عمدہ سامان اور نفیس چیزیں مُقفّل تھیں امیر الامرا نے قلعہ فتح کر کے نیکو سیر کو قید کر لیا اور جملہ نفیس چیزیں اور شاہی ساز و سامان جسکی مالیت کا اندازہ تین کروڑ روپیہ کیا گیا ہے غصب کر لیا۔ اس سامان میں ایک چادر خالص اعلیٰ درجہ کے موتیوں کی تھی جسے شاہجہاں نے کئی لاکھ روپیہ کے صرف سے ممتاز محل کی قبر کے واسطے بنوایا تھا روز جمعہ اور عُرس کے دنوں میں یہ قبر پر ڈالی جاتی تھی۔ نور جہاں بیگم کے ہاتھ کی بنائی ہوئیں چقیں اور دیگر اشیا بھی اس سامان میں تھیں[2]۔

محمد شاہ کے عہد میں بھرت پور کے جاٹوں کا بہت زور ہو گیا اور چورامن اور بدن سنگھ نے آگرہ اور اُس کے قرب و جوار میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھا بدن سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا سورج مل گدّی پر بیٹھا اس نے صفدر جنگ وزیر احمد شاہ کی رفاقت اختیار کر کے ایسا عروج پیدا کیا کہ ۱۱۷۴ھ میں قاسم خاں قلعہ دار آگرہ کو دھوکا دیکر آگرہ کے قلعہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اور دیوان خاص و عام کی نقرئی چھت اور غالیچہ

[1] خلاصۃ التواریخ قلمی مولفہ سُبحان سنگھ)

[2] مُنتخب اللباب خافی خاں)

نادرہ اور سنگ یشم کے دو جوڑی کواڑ اور نو سو اسّی ضرب توپ اور قلعہ کا تمام شاہی سامان لوٹ کر بھرت پور لے گیا اور قلعہ اور شہر کی نفیس و بے نظیر عمارتوں کا بیش بہا پتھر جس قدر ہو سکا اکھڑوا کر ڈیگ میں ساون بھادوں بنوایا۔ اس نے سوہارام جاٹ کو جو نہایت ظالم تھا آگرہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے بہت سی نفیس و عالیشان عمارتوں کو خزانہ کی تلاش میں کھدوا ڈالا اور رعایا اور شہر کے ساہوکاروں پر اس قدر سختی اور ظلم کیا کہ ہزاروں آدمی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور محلّے کے محلے ویران ہو گئے[1] مشہور ہے کہ جاٹوں نے اپنی چند روزہ عہد حکومت میں سیکڑوں عمارتوں کو نیست و نابود اور ہزاروں عمارتوں کو ویران کر دیا یہاں تک کہ روضہ ممتاز محل میں بھس بھروا دیا تھا۔ راجہ سورج مل کے بعد راجہ جواہر سنگھ اور اس کے بعد راجہ رنجن سنگھ اور اس کے مارے جانے کے بعد راجہ نول سنگھ گدّی پر بیٹھا۔ اس کے عہد اور ۱۱۸۷ھ میں امیر الامرا نواب

امیر الامرا نجف خاں

نجف خاں نے قلعہ آگرہ کو فتح کر لیا مبارک فتح قلعہ اکبر آباد۔ اس فتح کی تاریخ ہے ۱۱۹۶ھ میں نجف خاں کا انتقال ہوا اس کے متبنّیٰ افراسیاب خاں کو شاہ عالم بادشاہ نے شرف الدولہ کا خطاب مرحمت فرما کر امیر الامرا مقرر کیا۔ چند روز کے بعد نجف خاں کے بھتیجے مرزا شفیع نے موقع پا کر افراسیاب خاں کو دہلی سے نکال دیا اور خود امیر الامرا بن بیٹھا اس کے بعد اسمٰعیل بیگ نام ایک شخص نے ۳ ذیقعدہ ۱۱۹۷ھ بمقام ڈیگ مرزا شفیع کو قتل کر ڈالا اور افراسیاب خاں دوبارہ امیر الامرا مقرر ہوا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۱۹۸ھ کو زین العابدین برادر مرزا شفیع نے بھائی کے قصاص میں افراسیاب خاں کو اس کے خیمہ میں قتل کرا دیا اور کسی شخص کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی

نجف خاں نہ ماند و نجف نمانیش — نہ افراسیاب و نہ ہمدانیش
نماند دریں دہر مرزا شفیع — شود حاکم نو ز فصل ربیع

مرہٹہ گردی

محمد بیگ ہمدانی نجف خاں کی طرف سے آگرہ کا قلعہ دار تھا۔ افراسیاب خاں اور محمد بیگ ہمدانی میں امیر الامرائی کے متعلق تنازعہ پیدا ہوا اور دونوں نے مادھوراؤ سندھیہ سے مدد چاہی چونکہ افراسیاب خاں کی درخواست شاہ عالم بادشاہ کے ذریعہ سے آئی تھی لہذا مادھوراؤ نے اس کا ساتھ دیا اور اکتوبر ۱۷۸۴ء میں بمقام آگرہ اس سے ملکر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۵۱۹ و تاریخ سیلچند فلمی

عرصہ میں افراسیاب خاں مارا گیا لیکن مادھوراؤ سندھیہ نے لڑائی جاری رکھی۔ آخر کار محمد بیگ ہمدانی نے مجبور ہو کر مارچ ۱۷۸۵ء میں قلعہ مادھوراؤ سندھیہ کے سپرد کر دیا۔ مادھوراؤ نے لکھمیا داد کو اپنی طرف سے آگرہ کا قلعہ دار مقرر کیا۔ اس کے بعد ۱۷۸۸ء میں اسمٰعیل بیگ اور غلام قادر خاں نے آگرہ کا محاصرہ کیا۔ اور اسمٰعیل بیگ نے ایام محاصرہ میں اہل شہر پر بے حد ظلم و ستم کیا۔ ۱۸ جون ۱۷۸۸ء کو مادھوراؤ کے ایک سپہ سالار رانی خاں نے فتحپور سیکری میں اسمٰعیل بیگ کو شکست فاش دی۔ ۱۷۸۵ء سے ۱۸۰۳ء تک آگرہ میں مرہٹوں کی عملداری رہی اور ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۳ء تک دولت راؤ سندھیہ کی طرف سے کرنیل جان ولیم ہیئنگ صاحب جو قوم کے ڈچ تھے یہاں کے حاکم رہے۔ یہہ زمانہ جاٹوں کے زمانہ سے کسی قدر اچھا رہا اور تھوڑا بہت انصاف ہوتا رہا ۴ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو لارڈ لیک نے قلعہ آگرہ کا محاصرہ کیا اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو قلعہ فتح کر لیا۔ تاریخ از صاحب مفتاح التواریخ

انگریزی عملداری

حصارِ آگرہ انگریز ساعتے کہ گرفت — دِلم زہاتفِ غیبی بجستہ کرد سوال
کہ چیست سال مسیحی دہم سنہ ہجرت — بگفت ہشتصد و یکہزار و سہ از سال

۳۰ دسمبر ۱۸۰۳ء کے عہدنامہ کی رُو سے جو دولت راؤ سندھیہ اور انگریزوں کے درمیان ہوا آگرہ کا کل ضلع جس میں اُسوقت پرگنات لوہامنڈی۔ پلیورہ۔ کراہرہ۔ کراولی۔ ناہر گنج فتحپور سیکری۔ شمس آباد۔ ارادت نگر۔ سرہندی۔ جگنیر۔ کھیرا گڈھ جمعی آٹھ لاکھ سرسٹھ ہزار چار سو باسٹھ روپیہ اور پرگنہ فرح و اچھنیرہ جمعی ایک لاکھ بیالیس ہزار چھ سو روپیہ شامل تھے سرکار کمپنی کے قبضہ میں آیا اور ۱۸۰۵ء میں مسٹر کنگھوم صاحب اس ضلع کا پہلا کلکٹر بورڈ آف کمشنر فرخ آباد کے ماتحت مقرر ہوا۔ ۱۸۰۸ء میں آگرہ کو صوبہ ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام بنانے کی تجویز پیش ہوئی۔ ۱۸۲۹ء تک جبکہ پہلی مرتبہ آگرہ پریسیڈنسی کی تجویز درپیش ہوئی یہہ معاملہ زیر غور رہا۔ ۱۸۳۳ء میں آگرہ پریسیڈنسی قائم ہو کر لارڈ میٹکاف صاحب آگرہ کا پہلا گورنر مقرر ہوا جس کے نام پر میٹکاف روڈ اور میٹکاف ہال اب تک مشہور چلا آتا ہے۔ آگرہ پریسیڈنسی کی تجویز کو کورٹ آف ڈایرکٹرس نے منظور نہیں کیا اور ۱۸۳۵ء میں آگرہ پریسیڈنسی توڑ کر ممالک مغربی و شمالی کی لفٹنٹ گورنری قائم ہوئی اور لارڈ میٹکاف

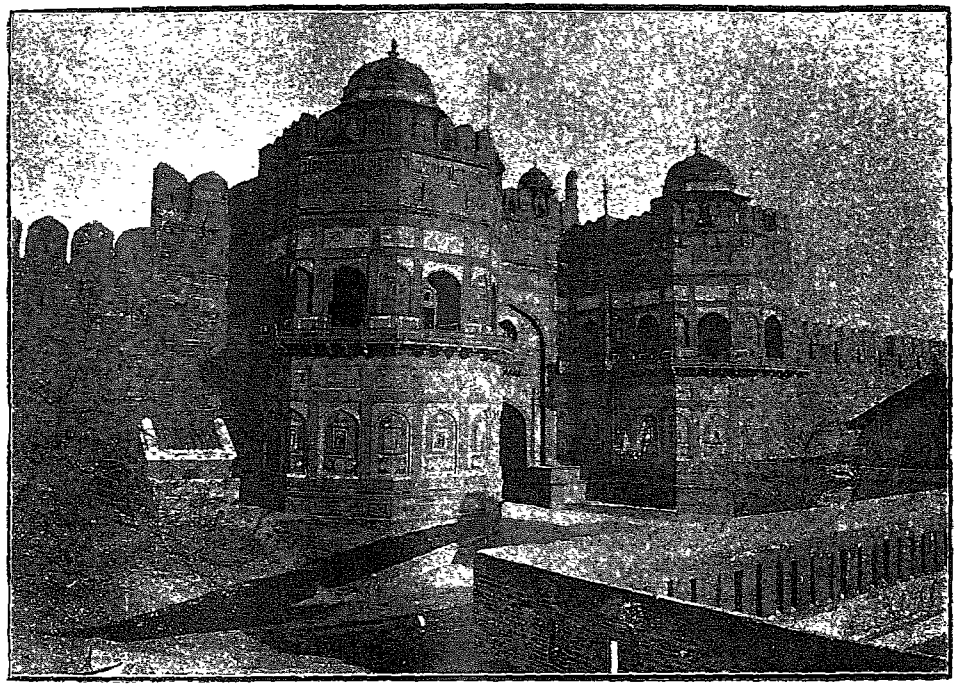

دهلی دروازہ قلعہ آگرہ

گورنری سے لفٹنٹ گورنر مقرر کردئے گئے لیکن صوبہ کا دارالسلطنت آگرہ ہی قرار پایا جنوری ۱۸۳۱ء میں لارڈ اکلینڈ اور ۱۸۴۲ء میں لارڈ ایلن برا گورنر جنرل نے اس صوبہ کا اہتمام خود اپنے ہاتھ میں رکھا ۱۸۴۳ء سر جی آر کلرک اس صوبہ کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ غرضکہ ۱۸۳۵ء سے فروری ۱۸۵۸ء تک آگرہ اس صوبہ کا دارالسلطنت اور سب سے بڑا شہر رہا[۱] فروری ۱۸۵۸ء میں لفٹنٹی کا صدر مقام الہ آباد کو منتقل ہوا اور ایک سال بعد صاحبان بورڈ کے دفاتر بھی الہ آباد کو منتقل ہوگئے۔ ہائیکورٹ کا دفتر جو اُس زمانہ میں صدر دیوانی کے نام سے موسوم تھا ۱۸۴۳ء میں الہ آباد سے آگرہ میں آیا اور پچیس چھبیس برس کے بعد ۱۸۶۸ء میں پھر الہ آباد کو منتقل کردیا گیا۔

غدر ۱۸۵۷ء

مئی ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا اور سب سے پہلے میرٹھ کے غدر کی خبر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو آگرہ میں پہنچی ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دو پلٹنیں جو رجمنٹ نمبر ۴۴ و ۷۶ سے تعلق رکھتی تھیں اور خزانہ کی محافظت کے واسطے متھرا کو روانہ کی گئی تھیں کھلم کھلا باغی ہوکر دہلی کو روانہ ہوگئیں۔ دوسری صبح کو حکام نے اُن کے ساتھیوں کو ہتیار داخل کردینے کا حکم دیا اسکی تعمیل خاموشی لیکن بیدلی کے ساتھ کی گئی اور بہت سے سپاہی چپ چاپ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

۱۵ جون ۱۸۵۷ء کو گوالیار میں غدر ہوا اور آگرہ میں گوالیار کنٹنجنٹ کی وفاداری پر شبہ ہوا جس نے آخرکار بغاوت اختیار کی۔

۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو مجبور ہوکر انگریزوں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ دو دن بعد نیمچ اور نصیر آباد کے باغی

---

[۱] ۱۸۵۱ء میں حسب ذیل اضلاع لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ کے متعلق تھے قسمت دہلی پانی پت[۱]۔ ہریانہ[۲]۔ دہلی[۳]۔ رہتک[۴]۔ گوڑگانواں[۵] قسمت میرٹھ سہارن پور۔ مظفر نگر[۶]۔ میرٹھ[۷]۔ بلند شہر[۸]۔ علیگڈھ[۹] قسمت روہیلکھنڈ بجنور[۱۰]۔ مراد آباد[۱۱]۔ بدایوں[۱۲]۔ بریلی[۱۳] بیلی بھیت[۱۴]۔ شاہجہاں پور[۱۵] قسمت آگرہ متھرا[۱۶]۔ آگرہ[۱۷]۔ فرخ آباد[۱۸]۔ مین پوری[۱۹]۔ اٹاوہ[۲۰] قسمت الہ آباد کانپور[۲۱]۔ فتح پور[۲۲]۔ ہمیر پور[۲۳] کالپی۔ بانده[۲۴]۔ الہ آباد قسمت بنارس گورکھپور[۲۵]۔ اعظم گڈھ[۲۶] جون پور[۲۷]۔ بنارس[۲۸]۔ غازی پور[۲۹]۔ میرزا پور[۳۰]۔ ان اضلاع میں ۳۳۰۷۹ دیہات اور ایک کروڑ ستاسی لاکھ بیالیس ہزار سات سو بیالیس نفر کی آبادی تھی۔ اس مردم شماری میں ستتیس لاکھ سینتیس ہزار مسلمان اور باقی ہندو وغیرہ دیگر قومیں تھیں عام طور سے فی میل مربع میں ۳۲۲ آدمی آباد تھے۔ خاص خاص شہروں کی مردم شماری حسب ذیل۔ دہلی ۱۳۷۶۹۶ سہارن پور ۳۴۲۰۴ میرٹھ ۱۲۹۰۱۴ مراد آباد ۴۹۸۸۰ شاہجہاں پور ۶۲۷۸۵ متھرا ۴۲۶۷۲ آگرہ ۱۶۷۰۳۸ فرخ آباد ۵۶۲۰۰ کان پور ۱۰۸۷۰۶ بنارس ۱۸۳۴۰۰ گورکھپور ۴۵۲۶۵

آگرہ کی قرب پہنچ گئے اور موضع سوچیتہ پر ایک مختصر انگریزی فوج کو پسپا کر کے شہر میں داخل ہوئے تمام بنگلوں اور دفاتر میں آگ لگادی اور جو یورپین یا عیسائی اُن کے ہاتھ لگا اُس کو قتل کر ڈالا اور تمام شہر کو لوٹ کر دہلی روانہ ہو گئے ۸ر جولائی ۱۸۵۷ء کو کسی قدر امن و اطمینان پیدا ہوا لیکن ماہ اگست تک بدامنی قائم رہی اور تین ہزار پانسو یورپین و یوروشین اور دو ہزار تین سو ۲۳ دیسی عیسائی قلعہ میں بند رہے انہی میں آگرہ کے لفٹنٹ گورنر جان کالون صاحب بہادر بھی شامل تھے جن کا انہی ایام میں ہیضہ سے انتقال ہو گیا اور قلعہ ہی کے اندر دیوان عام کے سامنے دفن کئے گئے۔

ماہ ستمبر میں دہلی فتح ہونے کے بعد بھاگے ہوئے باغی وسط ہند کے باغیوں سے ملکر ۱۰ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کو پھر آگرہ آئے چار دن کے بعد کرنیل گریٹ ہیڈ صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آگئے اور باغیوں کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ فتحپور سیکری اب تک باغیوں کے قبضہ میں تھا ایک لشکر نے وہاں جا کر باغیوں کو نکالا اور ۲۰ر نومبر ۱۸۵۷ء کو ضلع کا آخری موضع جو باغیوں کے قبضہ میں تھا توپوں سے جلا دیا گیا اور ۴ر فروری ۱۸۵۸ء کو آخری مسلح باغی ضلع سے باہر کر دیے گئے۔ شہر اور ضلع کی عام رعایا عام طور سے وفادار رہی صرف فتحپور سیکری کے میواتیوں نے بغاوت کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بالکل تباہ و برباد ہو گئے راجہ اودے نے شمالی جانب اور راجہ بھداور نے مشرقی جانب امن و امان قائم رکھا۔

لارڈ کیننگ

غدر ۱۸۵۷ء کے فرو ہونے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو کر برٹش گورنمنٹ کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی اور ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ پہلے وائسرائے نے آگرہ میں تشریف لا کر دربار منعقد کیا جس میں تمام راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا (وسط ہند) کے راجہ۔ مہاراجہ۔ نواب اور رئیس شریک ہوئے اور ایام غدر کی خیر خواہی کے صلہ میں جاگیریں۔ خلعت و انعام وغیرہ تقسیم کئے گئے۔

لارڈ ایلجن

۱۸۶۳ء میں لارڈ ایلجن دوسرے وائسرائے نے آگرہ میں ایک شاندار دربار منعقد کیا جس میں راجپوتانہ اور وسط ہند کے تمام والیان ملک اور رئیس شامل تھے۔

لارڈ لارنس

نومبر ۱۸۶۶ء میں جان لارنس تیسرے وائسرائے نے نہایت نہایت شان و شوکت سے آگرہ میں دربار

لہ سر جان لارنس جو بعد کو لارڈ لارنس ہو گئے نہایت رحم دل متصدق مزاج رعایا پرور حاکم تھے صرف یہی بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳ پر

منعقد کیا جو خاص تاریخی عظمت رکھتا ہے یہ دربار انگریزی عہد کے جملہ گذشتہ درباروں سے زیادہ شاندار تھا جس میں راجپوتانہ اور بندیلکھنڈ وغیرہ کے ۸۴ والیانِ ملک اور ۳۵۰ کے قریب رئیس شامل تھے ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اس دربار کے دیکھنے کے واسطے باہر سے آئے تھے ۱۸۶۷ء میں ایک عالی شان نمایش آگرہ میں ہوئی جو تاجی منڈی اور شاہگنج کے درمیان میں قائم اور مینا بازار کے نام سے موسوم تھی۔

نمایش آگرہ

ڈیوک آف ایڈنبرا وغیرہ کی آمد

۱۸۶۹ء میں ڈیوک آف ایڈنبرا ملکہ معظمہ قیصر ہند کے دوسرے بیٹے اور ۱۸۷۶ء میں شاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم جو اُس وقت پرنس آف ویلز تھے آگرہ میں تشریف لائے اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ اُن کا استقبال اور خاطر و مدارت ہوئی۔

لارڈ کرزن

۱۸۹۸ء میں لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہو کر ہندوستان میں تشریف لائے آپ کو آثار قدیمہ سے خاص دلچسپی تھی۔ اور آگرہ اور فتحپور کی عمارات سے تو آپ کو عشق تھا چنانچہ خود ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں ولایت کی سکونت ترک کر سکتا تو آگرہ ہی میں قیام کرتا اپنے ایام حکومت میں وہ کئی مرتبہ آگرہ میں رونق افروز ہوئے اور یہاں کے آثار قدیمہ میں ہمیشہ کے واسطے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ رخصت کے وقت بھی چلتے چلتے یہاں کی عمارات کی زیارت کرنے گئے۔ اور ولایت پہنچکر بھی آگرہ کو نہ بھولے اور ۳۵۰ (صد پچاس) پونڈ کے صرف سے ایک مرصع قندیل مصر میں تیار کرا کر ۱۹۰۹ء میں روضہ ممتاز محل کے واسطے روانہ فرمائی جسے ۱۶ فروری ۱۹۰۹ء کی شب کو ہز ایکسی لنسی سر جان ہیوٹ صاحب لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ نے روضہ میں آویزاں کیا۔

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ

مشہور ہے کہ لارڈ کرزن نے آگرہ پریسیڈنسی قائم کرنے کی تجویز کی تھی لیکن یہ تجویز نامنظور ہوئی مگر اس پر بھی وہ آگرہ کو صوبہ متحدہ کا بے تاج بادشاہ بنا ہی گئے یعنی صوبہ کا نام بجائے ممالک مغربی و شمالی داودھ کے ممالک متحدہ آگرہ و اودھ رکھ گئے۔

تشریف آوری سردار عنایت اللہ خاں

۱۲ جنوری ۱۹۰۵ء کو آگرہ میں سردار عنایت اللہ خاں ولی عہد افغانستان رونق افروز ہوئے اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ اُن کی خاطر و مہمانداری ہوئی ۱۴ جنوری ۱۹۰۵ء کو وہ آگرہ کی سیر سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے گئے۔

تشریف آوری امیر حبیب اللہ خاں مرحوم

۹ر جنوری ۱۹۰۷ء کو امیر حبیب اللہ خاں مرحوم والی افغانستان۔ آگرہ میں تشریف لائے اور اسی تاریخی شہر کو امیر موصوف اور لارڈ منٹو صاحب بہادر گورنر جنرل کے قران السعدین کا فخر حاصل ہوا۔ ۹ر لغایتہ ۱۵ر جنوری امیر صاحب کا یہاں قیام رہا اور دربار۔ فوجی ریویو وغیرہ کی وجہ اس ہفتہ میں آگرہ میں خوب رونق رہی اور شاہی عہد کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا

آگرہ میں طغیان

ستمبر ۱۹۲۴ء میں آگرہ میں دریائے جمن میں طغیانی آئی۔ تمام محلہ بیلن گنج کچہری گھاٹ واٹر ورکس وغیرہ تہ آب تھے پانی ریلوے کے آہنی پلوں سے صرف دو ڈیڑھ فٹ نیچا رہ گیا تھا واٹر ورکس کی خرابی کی وجہ سے تمام شہر کے نل بند اور پانی کا قحط تھا شہر کے ایک طرف تو پانی بلیوں اونچا بہ رہا تھا اور ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مال و اسباب بہائے لئے جا رہا تھا دوسری جانب پانی کا یہ قحط تھا کہ ایک ایک مشک پانی مہر کو بھی نہ ملتا تھا۔ تاجگنج اور شہر کی درمیانی سڑک کئی ہفتہ بند رہی طوفان کیا تھا طوفانِ نوح کا نمونہ تھا۔ سیکڑوں عمارتیں منہدم ہوگئیں اور اکثر جانیں بھی ضائع ہوگئیں اسی قسم کا ایک طوفان شاہجہاں کے زمانہ میں بایام تعمیر روضہ ممتاز محل آیا تھا جس میں اکثر شاہی عمارات خصوصاً مہتاب باغ کو بہت نقصان پہنچا تھا۔

باب دوم

عمارات متصل تاجگنج

روضۂ ممتاز محل یا تاج محل

آگرہ کی تمام عمارتوں کی جان و روحِ ہندوستان کی کل عمارتوں کا سرتاج اور مشرقی فنِ تعمیر کا سب سے اعلیٰ نمونہ روضۂ ممتاز محل ہے۔ جس کا چپہ چپہ دلکش اور ذرّے ذرّے میں شانِ دلربائی پائی جاتی ہے۔ اِس بے نظیر عمارت کی نفاست اور حسنِ نزاکت کی تعریف میں یورپ اور ایشیا کے نثاروں نے اپنے اپنے قلم توڑ دیے۔ شاعروں نے اپنے کمالات شاعری کو ختم کر دیا۔ نقاش اِس کی نورانی اشکال کی حیرت انگیز تصویر کھینچتے کھینچتے نقشِ دیوار بن گئے۔ صنّاع اِس کی صنّاعیوں کے نظّارہ سے محوِ حیرت رہ گئے بڑے بڑے یوروپین مہندس اور انجنیر اِس کے عمارتی تناسب کو دیکھ کر کمالاتِ ایشیا کے قائل ہو گئے۔ کوئی اِس کی پچّیکاری کا عاشق اور کوئی منبّت کاری کا شیدا ہے۔ ایک اُس کے نورانی کتبوں پر فریفتہ ہے تو دوسرا اُس کے گنبد پر جان و دل نثار کرنے کو تیار ہے۔ کوئی اِسے خوشنما موتی بتاتا ہے تو کوئی حسن کی دیوی تصور کر کے پرستش کے واسطے کھڑا ہے۔ کوئی مہ جبیں کا لقب عطا کرتا ہے تو کوئی فردوسِ بریں کا خطاب دیتا ہے۔ کوئی منکرینِ کمالاتِ ایشیا کی ہدایت و مشاہدے کے واسطے اسے ایشیائی معجزہ خیال کرتا ہے۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں جتنے قلم اُس قدر تعریفیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مذاق و لیاقت کے مطابق اِس کے راگ گاتا ہے مؤرخوں، سیاحوں اور شعرائے نازک خیال نے جس کثرت سے

اس روضہ کی تعریف کی ہے اُس کی دوسری نظیر ملنا مشکل ہے۔ اگر کل کلام کو جمع کیا جاوے تو ایک نہایت ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس جگہ ہم چند خاص سیاحوں اور مبصرین فنِ عمارت کی رائیں نہایت اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

ڈاکٹر برنیر

شاہجہاں کے عہد کا مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ اس کا ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں چنانچہ سب سے اخیر مقبرہ جو میں نے اُس کو دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیسی سوداگر بھی تھا اور میری طرح اُس کی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی کامل طور پر تعریف نہیں ہو سکتی مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے کی وجہ سے میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُس نے یہ کہا کہ تمام یورپ میں ایسی حیرت افزا اور عظیم الشان عمارت میں نے کوئی نہیں دیکھی تو میری تسلی ہو گئی ..... گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں تاج محل کی قبر ہے یہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ بڑے تکلفات سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اس کے تقدس کی وجہ سے کوئی عیسائی شخص اس کے اندر نہیں جانے پاتا اس لئے میں اُسے نہ دیکھ سکا لیکن سُنا ہے کہ اُس کی آرائش و زیبائش اور زیب و زینت بہت اعلیٰ قسم کی ہے ..... اس کے شمالی چبوترہ کے نیچے دریائے جمن بہتا ہے اور بے شمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں اور شہر کا ایک حصہ اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارے پر بنے ہوئے ہیں بخوبی نظر آتے ہیں اور جبکہ یہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اس کا تصفیہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہیں ہے ..... لیکن میں یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہ مقبرہ بہ نسبت اہرام مصر کے دُنیا کے عجائبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

ڈاکٹر گستاولی بان

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان اپنی شہرۂ آفاق کتاب تمدنِ عرب میں لکھتا ہے آگرہ میں بہت سی مثالیں ہندو ایران اور عرب کی مرکب طرزِ تعمیر کی موجود ہیں ان میں سب سے

زیادہ مشہور تاج بی بی کا روضہ ہے جس کے بیان کے لئے ایک جلد چاہیئے اس عمارت کو شاہجہاں نے ۱۶۳۱ء میں اس غرض سے شروع کیا تھا کہ یہ اُس کی چہیتی بی بی کا جس کے مرنے کا قلق کبھی اُس کے دل سے دور نہیں ہوا ایک ایسا بے نظیر مقبرہ اور لاثانی یادگار ہو کہ جس کا مثل دنیا میں نہ نکلے اِس نے مشرق (ایشیا) کے معماروں کو جمع کیا اور دُور دُور سے وہ نایاب اور بیش بہا پتھر منگائے جو اس عمارت میں لگے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا جس میں مزدوری کا حساب نہیں کیونکہ مزدور مفت کام کرتے تھے (مفت مزدوری یا بیگار کی روایت قطعی غلط اور بعض ادنیٰ درجہ کے سیاحوں کی من گڑھت ہے) بقول ٹیورنیر بائیس برس تک ہر روز بیس ہزار مزدور اس روضہ میں کام کرتے رہے..... کل سیاحوں کی رائے ہے کہ یہ عمارت منجملہ عجائبات روزگار کے ہے ایک شخص نے جس کا نام نہیں معلوم پیتورسک میگزین میں اس عمارت کا بیان لکھا ہے..... وہ لکھتا ہے کہ ساری عمارت سفید جلا کئے ہوئے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جس وقت اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو نظر نہیں ٹھیرتی اور آنکھوں میں چکاچوند آجاتی ہے۔ اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لئے کچھ چاندنی کی روشنی موزوں ہے۔ سنگ مرمر کی کٹہ کی ہوئی سلیں جن میں ایک بے نظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی پنکھڑیاں اور عربی گلکاریاں بنی ہوئی ہیں۔ پتلے پتلے ستون پُرتکلف چوکھٹے۔ غلام گردشیں جن میں روشنی کے واسطے جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ خالص سنگ مرمر کی باریک جالیاں۔ مختلف قیمتی پتھروں کی شوخ رنگ پچیکاری۔ سنگ موسیٰ کے کتبے۔ غرضکہ جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھا وہ افراط کے ساتھ یہاں جمع کر دیا گیا ہے اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں نہیں..... یہ عمارت فی الواقع اس درجہ کامل ہے کہ اس کے مانند انسان کے ہاتھوں نے کبھی نہیں بنایا۔

ریکسے صاحب

ڈبلیو۔ ریکسے صاحب اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں "تاج ایک موتی ہے جس میں نہایت خوبصورتی سے مرصع کاری کی گئی ہے مقبرہ اور اُس کے اندرونی و بیرونی اجزا پر ایسی قابل توصیف صنعت سے کام لیا گیا ہے کہ کل عمارات بہیئت مجموعی سراپا حسن نظر آتی ہے اور

طبقۂ روئے زمین پر یکتا و لاثانی کہی جا سکتی ہے۔

سیوارڈ صاحب

ڈبلیو۔ ایچ سیوارڈ صاحب اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں "فی الواقع تمام دنیا نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ مقبرہ روئے زمین کی کل عمارات سے نفیس ترین ہے۔

مسٹر ویلر صاحب

مسٹر ویلر صاحب اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں "یہ عمارت ایسی دلاویز و محبت انگیز ہے کہ حیطۂ بیان سے باہر ہے اس کو بادشاہ کی بیگم کا مزار کہنا ٹھیک نہیں بلکہ حسن کی دیبی تصور کر کے اس کی پوجا کرنا زیادہ مناسب ہے اس کے دیدار سے کامل خوبصورتی کا خیال آنکھوں میں پھر جاتا ہے.....

خواجہ حسن نظامی

اردو زبان کے یگانۂ روزگار اور شہرۂ آفاق ادیب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی عالم برزخ کی سیر کے عنوان سے مخزن نمبر ۶ جلد ۱ ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں لکھتے ہیں "روح کیا چیز ہے اور مرنے کے بعد کہاں چلی جاتی ہے۔ ایک مشکل سوال ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روح ایک اثر دار کیفیت کا نام ہے جسم میں اس کی تاثیریں محدود رہتی ہیں اور جسم سے جدا ہو کر اس کے اثر کی وسعت لامحدود ہو جاتی ہے۔ شاید یہ بیان صحیح ہو کیونکہ ہم مرنے والوں کے مقبروں اور رہنے کے مکانوں میں ایک ایسی کیفیت محسوس کرتے ہیں جن سے صاحب قبر اور صاحب مکان کی گذشتہ حالت کا اثر صاف طور سے نظر آتا ہے اور اوقات کی تبدیلی سے مختلف شکلوں میں جلوہ دکھاتا ہے جو کے اخیر عشرہ میں آگرہ کی مشہور عمارتیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ہر عمارت میں روحانیت کا مؤثر وجود دیکھا جاتا تھا..... شام کیوقت اس عمارت میں پہنچے جو تمام ایشیا کا فخر ہے جس کی صناعیوں نے آج کل یورپ کو بھی حیرت میں ڈال رکھا ہے جو دنیا کی لاثانی عمارتوں کا تاج ہے جس وقت نے دروازہ میں قدم رکھا اور سامنے نظر اٹھائی تو نورانی گنبد پر دھوپ کی زرد شعاعیں چمکتی دکھائی دیں۔ آگے بڑھے تو باغ کی سبز ٹہنیاں خوش رنگ پھولوں سے جھوم رہی تھیں..... میں تاج محل میں رہنے والی ملکہ ارجمند بانو کے پاس اندر پہنچا۔ نصیبہ والی ملکہ جڑاؤ چھپر کھٹ میں قرآنی حرفوں دودھ سا لاڈ سے لیٹی تھی۔ پہلو میں شاہجہاں تھا اور خاص محل کے پردہ میں راز و نیاز کی با

ہو رہی تھیں۔ نورانی مکان میں ظلمت کی باریک چادر بچھی ہوئی تھی ..... اس ایک موتی کے محل سے نکلکر باہر آیا تو خدائی کا جلوہ نظر آتا تھا۔ بیسیوں یورپین نقش حیرت بنے کھڑے تھے۔ سامنے جمنا تھی جو سردی کے سبب سکڑے ہوئے ریت کا لحاف اوڑھے ہوئے تاج کی ملکوتی شان دیکھ رہی تھی۔ غرضکہ ہر در و دیوار پر روحانی حوریں بناؤ سنگار کئے بیٹھی تھیں اور تاج محل کے نام پر درود پڑھ رہی تھیں ..... جی چاہتا تھا کہ صبح کا تاج۔ چاندنی کا تاج۔ تاریکی کا تاج۔ برسات کا تاج وقت ملے تو سب دیکھیں مگر افسوس کہ یہہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔"

سید علمدار حسین واسطی

سید علمدار حسین صاحب واسطی نبوڑی ماہ جون ۱۹۱۰ء کے رسالہ مخزن میں لکھتے ہیں "روضہ تاج گنج کہنے کو تو ایک عمارت ہے۔ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ "کیسی عمارت ہے" تو ہم صرف اتنا بتا سکتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک انسانی عالم ایجاد ہے۔ یا الہٰی فوق العادت فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ جو منکرین کمال اہلِ ایشیا کے مشاہدے کے لئے معجزے کی صورت میں ظاہر کر دکھایا ہے۔ اس کا چپہ چپہ جگر گیر واقع ہوا ہے اور ذرے ذرے میں دل نوازی کی شان پائی جاتی ہے۔"

تاج آگرہ

(انتخاب از سید علمدار حسین صاحب نبوڑی)

تاج گنجِ آگرہ! اے انتخابِ روزگار
دیدۂ دل تجھ پہ قربان چشمِ جاں تجھ پر نثار

تیری صورت، تیری صنعت، تیری ندرت دیکھ کر
گلشنِ اسلام کی یاد آگئی مجھ کو بہار

خوبیاں مدت سے سنتے تھے تری اے تاج گنج
آج تجھے دیکھا تو پائیں وہ ہزار اندر ہزار

واقعی پایا تجھے دنیا میں آپ اپنی مثال
تو ہے یکتائے زماں اے تاج بی بی کے مزار

گویا گلدستہ رکھا ہے میز پر بلور کی
تخت پر یار کھ گیا ہے تاج کوئی شہریار

یا حریرِ راحت پہلوئے بیگم میں ہیں شاہِ جہاں
اور یہہ گنبد ہے گویا شہ کا تاجِ نور بار

باغ خوشی سے کھل گیا ہے گل کا جمنا کے کنول
دیکھ کر پہلو میں اپنے شاہ و بیگم کا مزار

اے دلِ دلہائے عالم جنّتِ ہندوستان
حسنِ فطرت کا مرقع ہیں ترے لیل و نہار

گر جہاں آرا نہیں ہندوستاں آرا ہے تو
تیری صنعت کی قسم اے قبۂ گردوں وقار

آہ اے اسلام کے اقبال تیرا وہ کمال
خوب آیا تجھ پہ صادق ہر کمالے را زوال

روضۂ ممتاز بیگم لائقِ رحمت ہے تو
سرزمینِ آگرہ کا باعثِ زینت ہے تو

فرد و بے ہمتا و نادر لاجواب و بے نظیر
گویا ایک محسوس و مری معنیٔ ندرت ہے تو

محوِ نظارہ نہ ہو کیوں خوبیٔ تعمیر پر
ہر دلِ حسن آشنا کو موہنی مورت ہے تو

مایۂ نازش ہے اہلِ ایشیا کے واسطے
اہلِ یورپ دیکھ کر حیراں ہیں وہ صنعت ہے تو

تجھ کو کیا دیکھا کہ دنیا ہیچ محض آئی نظر
عالمِ فانی سے گویا موجبِ نفرت ہے تو

ایک جہانِ حسن تجھ میں محوِ صد آرام ہے
آہ عشق۔ آغاز تیرا درد۔ درد انجام ہے

آئے ہیں وقتِ خزاں ہم رنگِ بستاں دیکھ کر
بلبلوں کو فصلِ گل کا مرثیہ خواں دیکھ کر

زخمِ دل میں خارِ حسرت سے خلش پیدا ہوئی
باغباں بے حال اور ویراں گلستاں دیکھ کر

دیدۂ عبرت نظر سے اشکِ خوں جاری ہوئے
حال دربانوں کا مانندِ گدایاں دیکھ کر

دل تڑپ اٹھتا تھا پہلو میں دمِ نورِ دروس
اہلِ دل کو صحنِ گلشن میں پریشاں دیکھ کر

شوکتِ اسلام کا آنکھوں میں نقشہ کھنچ گیا

تربت و محراب پر آیاتِ قرآں دیکھ کر
گویا کرتا تھا بیاں۔ حال انقلابِ دھر کا
مقبرہ اہلِ نظر سے فاتحہ خواں دیکھ کر
اُس کے نظارہ کی پھر ہے دیدۂ دل کو ہوس
تاج گنج آئے ہیں یا بزمِ حسیناں دیکھ کر

اشتیاقِ سیرِ تاجِ آگرہ پھر دل میں ہے
آتشِ حسرت کی سوزش اپنے آب و گل میں ہے

حیاتِ ممتاز محل

ممتاز محل کا اصلی نام ارجمند بانو بیگم اور خطاب ممتاز محل تھا جو کثرتِ استعمال سے اب تاج محل ہوگیا ہے یہ اعتماد الدولہ میرزا غیاث بیگ وزیرِ جہانگیر بادشاہ کی پوتی یمین الدولہ آصف خاں شاہجہانی کی بیٹی اور نور جہاں بیگم کی بھانجی تھیں۔ جہانگیر و شاہجہاں کے زمانہ میں اس خاندان کو خاص عروج حاصل تھا یہ ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء میں دیوانجی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئیں چونکہ کل خاندان زیورِ علم و فضل سے آراستہ تھا لہٰذا سنِ تمیز پر پہنچ کر اعلیٰ تعلیم پائی جہانگیر بادشاہ نے ان کے حسن و جمال اور لیاقت کی تعریف سُنکر، محرم ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء کو اپنے بیٹے شاہزادہ خورّم (شاہجہاں) کے ساتھ منسوب کر دیا۔ اور شبِ جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء کو نہایت دھوم دھام سے شادی کر دی اور ممتاز محل خطاب دیا اگرچہ اس سے پہلے شاہزادہ مذکور کی شادی میرزا مظفر حسین صفوی کی دختر سے جو قندھاری بیگم کے خطاب سے موصوف تھیں ہو چکی تھی مگر شاہزادہ کے دل میں ممتاز محل کی محبت کا ایسا اثر ہوا کہ عشق کے درجہ کو پہنچ گیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کسی دوسری بیگم کا رنگ نہ جم سکا۔ شاہجہاں کو ان کے ساتھ ایسا دلی لگاؤ تھا کہ کبھی اُس نے مفارقت گوارا نہیں کی یہاں تک کہ سفر اور لڑائیوں میں بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ جب نور جہاں بیگم کے جوڑ توڑ سے شاہجہاں اور جہانگیر کی باہمی رنجش نے طول کھینچا اور شاہجہاں کو مجبوراً باپ سے باغی ہونا پڑا اور صحرا نوردی کی نوبت پہنچی تو ممتاز محل بھی شوہر کی رفاقت میں ساتھ تھیں۔

۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر دو لاکھ اشرفیاں اور چھ لاکھ روپیہ نقد اور دس لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر ممتاز محل کو مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد جشن نوروز پر پچاس لاکھ روپیہ کے زیورات مرحمت کئے۔ ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء میں دو لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ میں اضافہ کیا اور مہرداری کی سب سے زیادہ معزز خدمت سپرد کی۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء کو بمقام برہان پور میں (خاندیس) بوقت وضع حمل ممتاز محل نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تاریخ وفات از بے بدل خاں۔

زیں جہاں رفت چو ممتاز محل — در جنت بر بہ بخش جور کشاد

بہر تاریخ ملائک گفتند — جائے ممتاز محل جنت باد

ممتاز محل نہایت رحم دل اور فیاض خاتون تھیں وہ ارکان مذہبی کو کمال سرگرمی سے انجام دیتی تھیں۔ روزانہ سیکڑوں بیوائیں اور ہزاروں غربا و مساکین ان کی سرکار سے فیض پاتے تھے۔ شاہجہاں کی کل اولاد باستثنائے سب سے بڑی لڑکی پرہیز بانو بیگم کے انھیں کے بطن سے تھی کل چودہ اولادیں پیدا ہوئیں جن میں جہاں آرا بیگم۔ دارا شکوہ۔ شجاع۔ روشن آرا بیگم۔ اورنگ زیب مراد بخش۔ گوہر آرا بیگم سات اولادیں سن تمیز کو پہنچیں۔ شاہجہاں کو بیگم کے انتقال سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ ہفتوں اس نے امورات سلطنت کی طرف توجہ نہیں کی اور دو سال تک تمام رقص و سرود اور خوشی کے جلسے اس ماتم میں بند رہے۔

مدفن اوّل

ممتاز محل کی نعش اوّل برہان پور کے قریب باغ زین آباد میں بطور امانت دفن کی گئی اور چھ مہینے کے بعد ۱۷ جمادی الاوّل ۱۰۴۱ھ/۱۶۳۱ء کو اکبر آباد روانہ کی گئی جہاں ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۴۱ھ/۱۶۳۱ء کو پہنچکر صحن باغ میں دوبارہ بطور امانت سپرد کی گئی بعدہ جب روضہ تعمیر ہو گیا تو اصل مقام پر منتقل کی گئی۔ جس آراضی پر روضہ واقع ہے یہ میرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ والی آنبیر (جیپور) کی ملکیت تھی جب روضہ کی تعمیر کے واسطے یہ مقام پسند کیا گیا تو راجہ مذکور نے بلا معاوضہ اس زمین کو نذر کرنا چاہا مگر بادشاہ نے اس امر کو منظور نہیں کیا اور اس کے معاوضہ میں خالصہ سے ایک وسیع قطعہ راجہ کو مرحمت فرمایا۔

تعمیر روضہ

عام طور سے مشہور ہے کہ ممتاز محل نے مرتے وقت بادشاہ سے وصیت کی تھی کہ میری قبر پر ایسی عالیشان عمارت تعمیر کی جاوے جو تمام دنیا میں بے نظیر ہو لیکن اس وصیت کا حال نہ شاہی تاریخ بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری میں ہے نہ کسی اور قدیم و مستند تاریخ میں نظر سے گذرا جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے یہ خیال میں آتا ہے کہ شاہجہاں کو فطرتاً عمدہ عمدہ تعمیرات کرانے کا دلی شوق تھا اس نے اپنی پیاری بیگم سے اپنی محبت کا اظہار اس بے نظیر عمارت کے ذریعہ سے کیا ہے۔ اس روضہ کی تعمیر کے واسطے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا سے بڑے بڑے باکمال صناع اور کاریگر بیش قرار تنخواہوں پر بلائے گئے تھے۔ عمارت کے مہتمم یا انجنیر میر عبدالکریم اور مکرمت خاں نامی امیر تھے جن کے اہتمام میں بعد کو شاہجہاں آباد اور شاہجہاں کے عہد کی متعدد عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ محمد عیسیٰ[۵۱] افندی نقشہ نویس روم سے اور محمد شریف نقشہ نویس سمرقند سے ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار پر طلب کئے گئے تھے۔ غرضکہ تمام ایشیا کے باکمال کاریگروں نے بارہ برس کے عرصہ میں اس عمارت کو تعمیر کیا لیکن پوری تکمیل سولہ برس کے عرصہ میں ہوئی۔ کتبوں پر جو سنہ کندہ ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء میں تعمیر شروع ہو کر ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء میں ختم ہوئی[۵۲]۔

شاہی تاریخ بادشاہنامہ میں تحریر ہے کہ کل عمارت پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر ہوئی

---

۵۱ ان کا خاندان اب تک آگرہ میں باقی ہے اور خاندان نقشہ نویسان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں اعلیٰ درجہ کے نقشہ نویس بفضلہ تعالیٰ اب تک موجود ہیں۔

۵۲ جس زمانہ میں یہ روضہ تعمیر ہو رہا تھا جمنا میں ایسی ہی سخت طغیانی آئی تھی جیسی چار پانچ سال ہوئے جب آئی تھی اس میں اکثر شاہی عمارات خصوصاً مہتاب باغ کو بہت نقصان پہنچا تھا اور روضہ کی اکثر تو تعمیر عمارات کو از سر نو بنانا پڑا تھا اس کا ذکر شاہزادہ اورنگ زیب نے اپنے ایک فرمان میں جو شاہجہاں کے نام آگرہ سے روانہ کیا تھا کیا ہے اسمیں روضہ کی عمارت کی نسبت یہ عبارت درج ہے "روز جمعہ غرہ شوال روضہ منورہ رفتہ برکات زیارت سراسر طاعت اندوختہ۔ عمارت اس خطۂ قدسی اساس جہان دستور کہ در حضور پر نور..... استوار است۔ مگر گنبد بر قدر اطراف کہ از جانب شمالی در برنشکال آمدہ جا بجا تراوش می کند دہ چہ میں چہار بیش طاق و اکثر شہ نشینہاں مرتبہ دگنبد خورد و چہار صفہ شمالی و تہ خانہائے کہ سی..... دریم کشیدہ۔ گنبد کلاں در فصل از دو سہ جا چکیدہ بود و مرمت..... در برنشکال آیندہ تا پدر آمدہ بہ۔ گنبد ہائے مسجد و جماعت خانہ نیز در موسم..... می چکیدہ مرمت کردہ از بنایان..... کہ اگر فرش پشت بام مرتبہ دوم و اکردہ ریختہ سازند و بالائے ریختہ نیم گز تہ کاری شود شاید بیش طاق و شاہ نشین و گنبد ہائے خورد بہ اصلاح بیانید و در تدبیر گنبد کلاں بعجز معترف اند پیر دستگیر سلامت ایں قسم عمارت عالی بنا را طرفہ چشم زخمے رسید اگر پرتو التفات اقدس بر علاج و دفع ایں آفت بجا خواہد بود۔

چونکہ اس عمارت کو دیکھ کر یہ رقم نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے لہذا بعض مؤرخین نے اس پر طرح طرح کے حاشیہ چڑھائے ہیں کسی نے لکھا کہ مزدور بیگار میں کام کرتے تھے کسی نے غیر مستند حوالوں سے اس کا صرفہ کروروں تک پہنچا دیا ہے لیکن اصلیت یہ ہے کہ یہ پچاس لاکھ روپیہ محض مزدوروں معماروں وغیرہ کی اُجرت ہے۔ منصب داران شاہی اور مستقل عملہ عمارات اپنے اپنے منصب کی تنخواہ علیحدہ پاتے تھے پتھر اور پچیکاری کے بیش بہا جواہر خزانہ عامرہ اور خالصہ شریفہ سے دئے گئے جن کی قیمت اس پچاس لاکھ میں شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اُس زمانہ میں مزدوری کی شرح بہت کم تھی جس کی تفصیل دیباچہ میں دی گئی ہے۔

یہ دل کش روضہ آگرہ میں ہر بلند جگہ سے نظر آتا ہے اور قلعہ سے جانب مشرق دریائے جمن پر ایک میل سے کچھ زائد فاصلہ پر واقع ہے۔ مگڈانل پارک سے گذر کر سب سے پہلے فیچوری مسجد اور سہیلیوں کا مقبرہ آمنے سامنے دکھائی دیتا ہے درمیان میں پختہ سڑک ہے۔ جو روضہ کے جلوخانہ (چوک) میں ہوتی ہوئی فتح آباد گئی ہے۔ جلوخانہ یا چوک کا طول ۲۰۴ گز (شاہجہانی فی گز ۲½ فیٹ) اور عرض ۱۵۰ گز ہے۔ اس کے چاروں اضلاع میں ۱۲۸ حجرے یا دوکانیں واقع تھیں جن میں کچھ حجرے قدیم باقی رہ گئے تھے اور کچھ قدیم نمونہ پر از سر نو بنائے گئے ہیں شمالی جانب وسط میں روضہ کا صدر پھاٹک یا دروازہ ہے جس کے محاذ اور جنوبی ضلع میں ممتاز آباد یا محلہ تاجگنج کا پھاٹک ہے۔ اسی طرح ایک ایک پھاٹک مشرقی و مغربی ضلع میں واقع ہے۔ جلوخانہ کے جنوب و مغربی گوشہ میں ستی النساء خانم اور جنوب و مشرقی گوشہ میں سرہندی بیگم کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جنوبی دروازہ کے باہر چوپڑ کا بازار اور سرائیں بنی ہوئی تھیں جن میں اب آبادی ہوگئی ہے اور سوائے ایک پھاٹک کے اور کوئی عمارت اصلی حالت پر قائم نہیں رہی البتہ نشانات موجود ہیں۔ روضہ کے عالیشان دروازہ کے سامنے ۲۱۱ فیٹ لمبا اور ۸۶ فیٹ چوڑا سنگین چبوترہ ہے جلوخانہ میں چبوترہ کے نیچے چھ سنگین منقش گول ستون لالٹینوں کے واسطے نصب ہیں جو طرز سے کسی پرانی بودھ عمارت کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پایوں پر مورتیں بنی ہیں بعض پر کسی قدیم ہندی زبان میں کتبے بھی کندہ معلوم

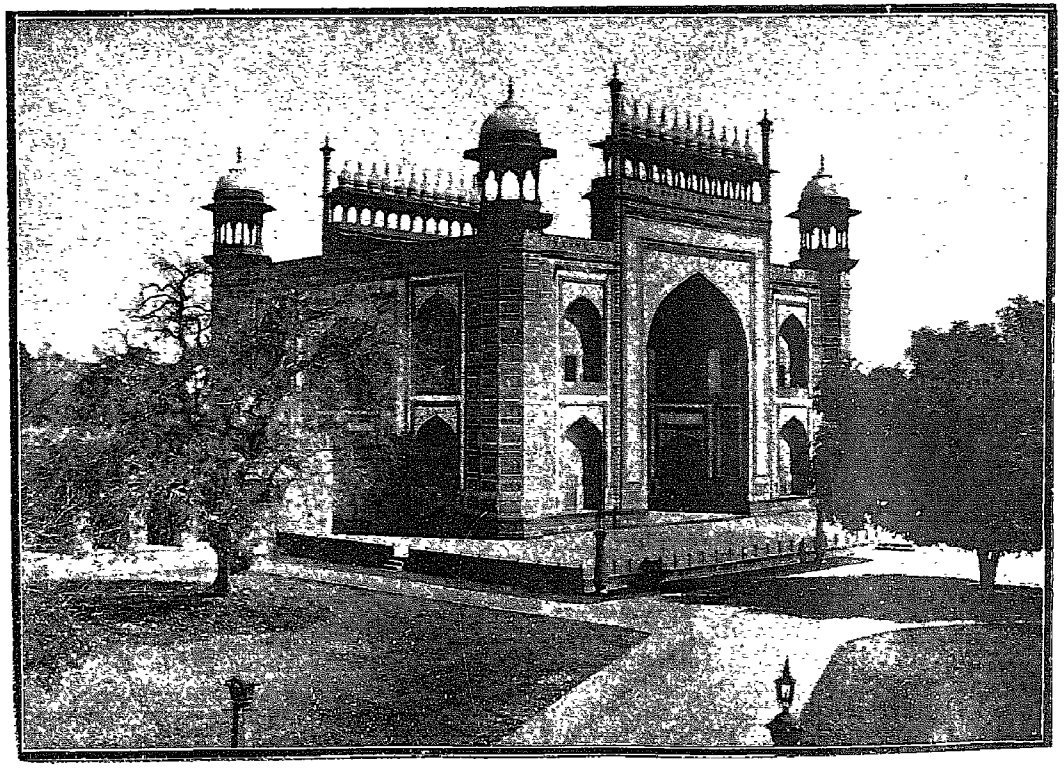

صدر دروازہ روضہ ممتازمحل

ہوتے ہیں۔

روضہ کی سنگین فصیل میں جو جگہ محصور ہے وہ شمالاً جنوباً ۱۰۶۰ فیٹ لمبی اور شرقاً غرباً ۱۰۰۰ فیٹ چوڑی ہے صدر دروازہ نہایت عالی شان و خوشنما ہے جس کی بلندی ستو فیٹ ہے۔ بیرونی پیشانی اور اطراف میں سورۃ الفجر نہایت جلی قلم سے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کندہ ہے اس کتبہ میں خاص صنعت یہ ہے کہ جتنا بڑا حرف نیچے سے معلوم ہوتا ہے۔ اتنا ہی بڑا اور میان میں اور اتنا ہی ۸۰ فیٹ یعنی آخری بلندی تک نظر آتا ہے روضہ کے جملہ نورانی کتبے عبدالحق شیرازی الملقب بہ امانت خاں کی جادو نگاری کی یادگار ہیں جو علامی افضل خاں وزیر شاہجہاں بادشاہ کا بھائی تھا اور خط نسخ و نستعلیق کا بے نظیر استاد تھا۔

دروازہ کا اندرونی قطر ۱۴۱ ½ فیٹ ہے اس کے چار چھوٹے ضلعوں میں اوپر چڑھنے کے واسطے زینے اور دو بڑے ضلعوں میں دو کٹہرے دار شہ نشین معہ کمروں کے بنی ہیں۔ آمنے سامنے دو ضلعوں میں دروازے ہیں۔ چھت لداؤ کی گنبد نما ہے جس کی سرخ زمین پر سفید تحریروں کا خوشنما جال ہے۔ زیوں میں مشرقی مذاق کے مطابق پھول بھلیاں بنی ہیں اور خوشنمائی کے واسطے متعدد شہ نشین بنا دی گئی ہیں۔ تیسری منزل پر چھت ہے جس کے چاروں گوشوں پر ۸۔ ۸ در کے چار برج ہیں جن پر سنگ مرمر کے گنبد اور پیتل کے کلس چڑھے ہیں۔ درمیان میں ۱۲ پہل کا چبوترہ بنا ہے اور شمالی اور جنوبی دروازوں کے اوپر دو دو گلدستوں کے درمیان میں گیارہ گیارہ سنگ مرمر کی خوشنما برجیاں بہار دکھا رہی ہیں۔ دروازہ کی اندرونی محراب کے دائیں بازو پر سورہ والضحیٰ الخ اور پیشانی پر سورہ الم نشرح الخ اور بائیں بازو پر سورہ والتین والزیتون الخ اور اخیر پر تمت بعونہ تعالیٰ ۱۰۵۷ھ کندہ ہے۔ اس دروازہ میں ایک عجائب خانہ بھی کھولا گیا ہے جس میں مختلف نقشے اور کچھ دیگر نمائشی سامان موجود ہے۔ قلعہ اور روضہ کے کئی دستی نقشے قدیم زمانہ کے نہایت نفیس و بے نظیر ہیں جن میں جملہ عمارتیں دکھائی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ روضہ کے مختلف ایام کے بہت سے فوٹو بھی موجود ہیں۔

صدر دروازہ کے مشرق و مغرب میں ۲۹ - ۲۹ در کے سنگ سرخ کے دالان در دالان بنے ہیں اور دالانوں کے اختتام یعنی فصیل کے دونوں گوشوں پر سہ منزلہ برج واقع ہیں۔ دروازہ کے آگے چبوترہ ہے جس سے نیچے اتر کر باغ میں پہنچ جاتے ہیں۔

باغ کے وسط میں خالص و شفاف سنگ مرمر کا مربع حوض بنا ہوا ہے۔ حوض کے چبوترہ کا ہر ضلع ۷۴ ½ فٹ اور حوض کا ہر ضلع ۴۳ ¼ فیٹ ہے۔ اس خوشنما اور نورانی چبوترہ کے چاروں طرف ۱۶۰ ¼ فیٹ چھڑی نہر جاری ہے۔ جو نہر دروازہ اور روضہ کے درمیان میں ہے اس میں اب تک فوارے جاری ہیں لیکن دوسری نہریں جو شرقاً غرباً بہتی ہے اب فوارے باقی نہیں رہے۔ نہروں کے کناروں سنگین روشیں اور خیاباں بنی ہوئی ہیں۔ اتوار کے دن شام کے وقت یہ فوارے چھوڑے جاتے ہیں اس وقت اس دلکش مقام کی بہار دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ حوض اور اس کا چبوترہ مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع ۴۳ ¼ فیٹ اور ۷۴ ½ فیٹ ہے۔ حوض کے گرد چبوترہ پر سنگ مرمر کی بنچیں رکھی رہتی ہیں۔

حوض کے مقابل مشرقی اور مغربی فصیل سے ملی ہوئیں آمنے سامنے دو سہ منزلہ خوشنما عمارتیں واقع ہیں جن پر خوبصورت سنگ سرخ کے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مغربی فصیل اور مسجد کی بادلی کے قریب ۱۹ × ۶ ½ فیٹ احاطہ پتھر کا بنا ہوا ہے چونکہ ممتاز محل کی نعش برہان پور سے آکر اول اسی جگہ سپرد زمین کی گئی تھی لہذا اس قطعہ کو بطور یادگار محصور کر دیا گیا ہے اسی کے سامنے مشرقی فصیل کی طرف اس باغ کا سب سے قدیم درخت سیمل واقع ہے جس کی عمر روضہ کی عمر سے دو چند بتائی جاتی ہے قدامت کی وجہ سے اس درخت کو یہ عظمت حاصل ہے کہ ایکمرتبہ اس کے ایک گدے گرنے کی خبر پانیر سے معزز انگریزی اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ شاہی زمانہ میں یہ باغ مشرقی طرز پر آراستہ تھا اور مشرقی مذاق کے مطابق اس میں ہر قسم کے میوے کے درخت اور طرح طرح کے خوشبودار پھول پودے موجود تھے۔ اب سوائے چند مولسری کے درختوں کے اور کوئی درخت باقی نہیں رہا اب انگریزی مذاق کے ہر قسم کے خوشنما درخت اور پھلواری سے یہ باغ آراستہ و پیراستہ رہتا ہے ایک انگریز مہتمم کے

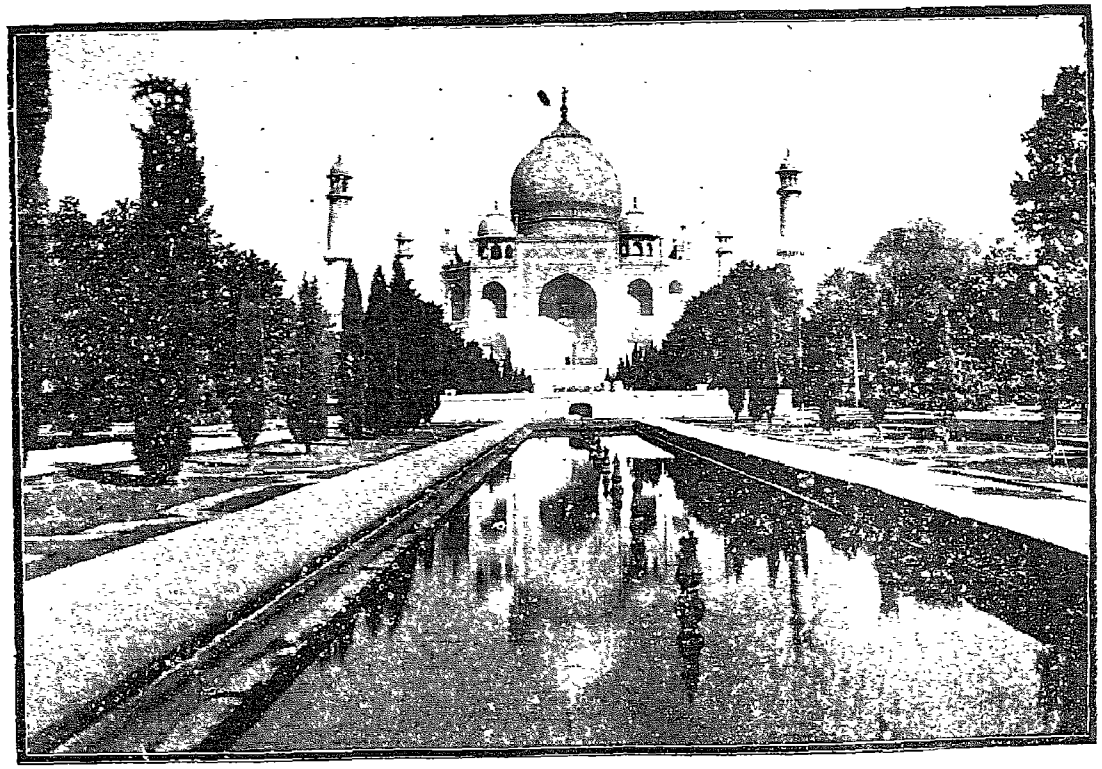

روضہ ممتاز محل

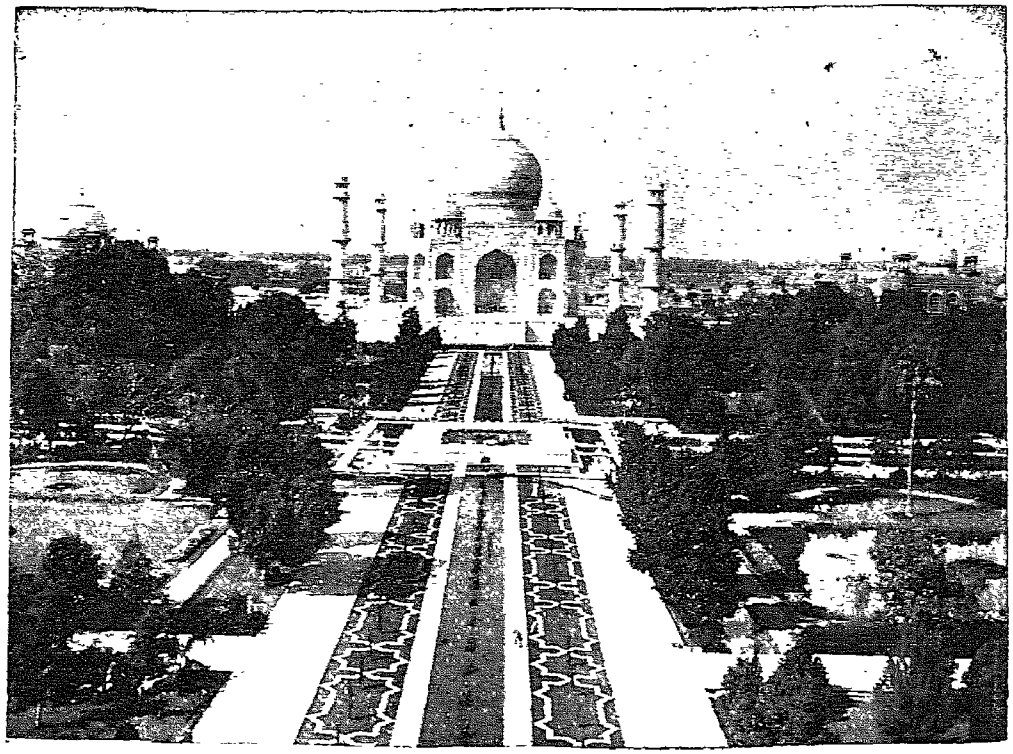

روضہ ممتاز محل

علاوہ جو بیش قرار مشاہرہ پاتا ہے بہت سے ہندوستانی مالی اور بیلدار باغ کی آراستگی اور زیب و زینت کے واسطے ملازم ہیں۔

روضہ کا چبوترہ

روضہ کا سنگ سُرخ کا چبوترہ لبِ دریا واقع ہے جس کا طول شرقاً غرباً دونوں سنگین فصیلوں کے درمیان ہیں ۹۷۰ فیٹ ۷ انچہ اور عرض سطح باغ سے جمنا کی سمت آخری کٹہرہ تک ۳۶۴ فیٹ اور بلندی سطح باغ سے ۴ فیٹ ہے۔ اور جمنا کے کنارہ سے ۲۸ ½ فیٹ ہے۔ اس چبوترہ کے درمیان ہیں ۲۰ فیٹ بلند سنگ مرمر کا چبوترہ ہے جس کے وسط میں روضہ کی عمارت واقع ہے۔ اس کا ہر ضلع ۳۴۸ فیٹ۔ ۱۲ انچہ ہے جنوبی جانب اوپر چڑھنے کے واسطے دو زینے آمنے سامنے بنے ہیں۔ چبوترہ کے چاروں طرف سنگ مرمر کے خوشنما محرابیں اور مشرقی اور شمالی اور مغربی ضلع کے وسط میں تین تین کمرے بنے ہوئے ہیں اور آس پاس چبوترہ پر بجائے سنگ سُرخ کے چوپڑ کا خوشنما فرش ہے شمالی جانب یعنی دریا کی طرف تہ خانہ بنا ہوا ہے جس میں اُترنے کے واسطے دو زینے ہیں۔ تہ خانہ میں ۱۴ کمروں کی قطار ہے اور استرکاری پر رنگین کام کیا ہوا ہے۔

مینار

سنگ مرمر کے چبوترہ کے چاروں کے چاروں گوشوں پر سنگ مرمر کے چار سہ منزلہ مینار ہیں۔ جن کی بلندی صحن باغ سے کلس کی چوٹی تک ۱۶۲ ½ فیٹ اور سنگ مرمر کے چبوترہ سے کلس کی بلندی تک ۱۰۲ فیٹ ۹ انچہ پر ہے۔ یہ مینار اپنی وضع اور خوشنمائی میں مشہور ہیں اور بیرونی جانب جا بجا سنگ موسیٰ کی دھاریاں دی ہوئی ہیں جن سے ان کی خوبصورتی بھی دوبالا ہو گئی ہے۔

روضہ

سنگ مرمر کے چبوترہ کے وسط میں ۲ ½ فیٹ بلند چبوترہ پر خاص روضہ کی ہشت پہل عمارت ہے اس کے چاروں سمت میں چار بڑے ضلع اور گوشوں میں چار چار چھوٹے ضلع ہیں ہر بڑا ضلع ۱۳۹ ½ اور چھوٹا ضلع ۳۳ ½ فیٹ ہے۔ ہر بڑا ضلع ایک بڑے در اور اُس کے اندر ایک چھوٹے در سے جو بطور پیش طاق بنا ہوا ہے مُزیّن ہے۔ ان محرابوں کی پیشانی اور اطراف میں پوری سورۂ یٰسین سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بخط جلی کمال صنعت و خوشخطی کے ساتھ کندہ ہے۔ جنوبی پیش طاق پر سورۂ التکویر یعنی اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ الخ۔ غربی پیش طاق پر سورۂ انفطار یعنی اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ

الخ اور اخیر میں سنہ ۱۰۴۶ھ۔ شمالی پیش طاق پر سورۃ الانشقاق یعنی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ اور مشرقی پیش طاق پر لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" تمام وکمال مندرج ہے۔

غلام گردش

اندر چھوٹے اضلاع میں چار مثمن کمرے ۲۶ فیٹ ۸ انچہ قطر کے اور بڑے اضلاع میں چار مربع کمرے جن کا ہر ضلع ۱۵ فیٹ ۱۱ انچہ ہے بنے ہیں ان کمروں کے درمیان میں برآمدہ ہے۔ یہہ آٹھوں کمرے اور برآمدے مل کر روضہ کے گرد غلام گردش بن گئے ہیں۔ یہہ سب خالص سنگ مرمر کے ہیں اور ان پر نہایت نفیس و بے نظیر مشجر گلدستے پھول پتے۔ غنچہ۔ شگوفہ بنے ہوئے ہیں اور بہت عمدہ جلا کی گئی ہے۔ کمروں کے فرش میں سنگ مرمر کے مثمن ٹکڑے نہایت خوشنمائی سے لگائے ہیں۔ اس غلام گردش میں دو دروازے شمال و جنوب میں واقع ہیں جن میں شمالی دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔

خاص کمرہ

ان کمروں اور برآمدوں کے وسط میں وہ خاص کمرہ ہے جس میں ممتاز محل اور شاہجہاں بادشاہ کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ یہہ ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۲۴ فیٹ ۲ انچہ۔ قطر ۵۸ فیٹ اور بلندی اندر سے ۸۰ فیٹ ہے۔ اس کے دروں میں آئینوں کی خوش نما جالیاں لگی ہوئی ہیں اردگرد دو حلقوں میں امانت خاں شیرازی کی جادو نگاری بہار دکھا رہی ہے یعنی نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں سورۃ الملک یعنی تَبٰرَکَ الَّذِیْ اور سورۃ الفتح یعنی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا اور سورۃ الدہر یعنی ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ اور آخر میں پارہ ۲۴ کے پانچویں رکوع کی آیہ کریمہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے لَا تَنْصُرُوْنَ تک پھر کتبہ فقیر الحقیر امانت خاں شیرازی فی سنہ ۱۰۴۸ھ ۳۸ ۱۶ ہزار و چہل و ہشت ہجری سنہ دوازدہم جلوس مبارک" تحریر ہے۔

در و دیوار پر عجیب و غریب صنعتوں کے ساتھ ایسی منبت کاری کی ہوئی ہے کہ جس کا بیان ہونا ناممکن ہے صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے ایسے عمدہ بیل بوٹے اور گلدستے بنائے ہیں کہ جن کے نظارہ سے کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔

مشجر

اس کمرہ کے درمیان میں سنگ مرمر کی خوش قطع اور بے نظیر جالیوں کا وہ مشجر ہے جو اس کل عمارت کی روح ہے اور جس پر حقیقی طور سے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

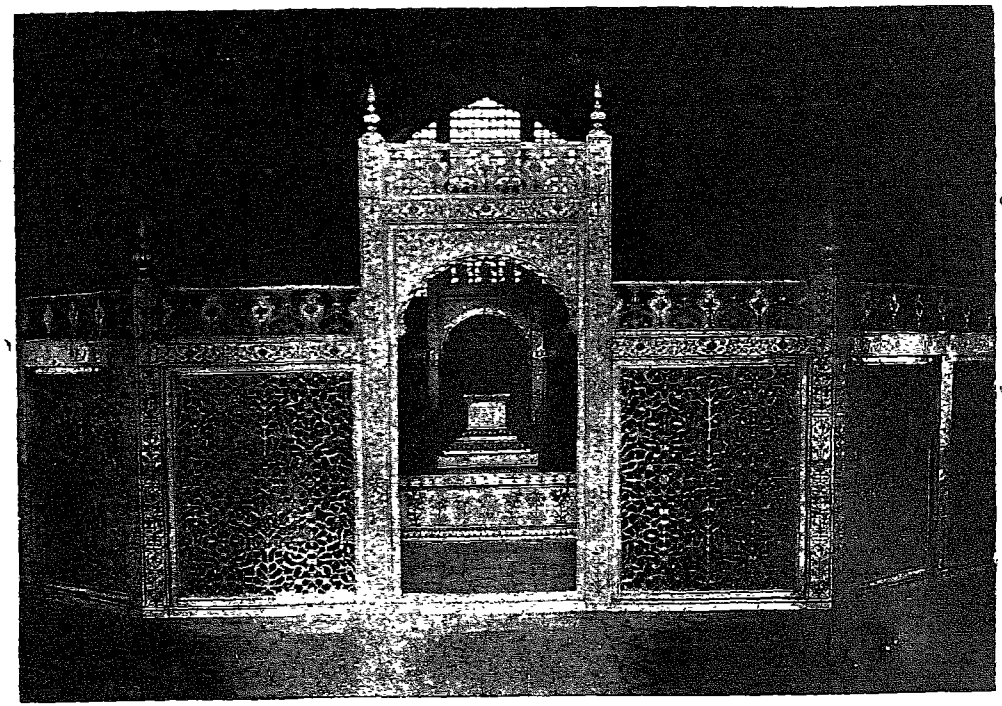

مقبرہ روضہ ممتاز محل

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

یہ مُجّر ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۲ فیٹ ۲ انچہ اور بلندی ۶ فیٹ ۲ انچہ ہے۔ ہر ضلع میں تین تین نفیس جالیاں لگی ہیں صرف شمالی ضلع میں ایک جالی اور جنوبی ضلع میں اندر جانے کے واسطے دروازہ ہے۔ مُجّر کا سنگ مرمر نہایت بیش بہا ہے اور جالیوں کے اوپر نہایت نازک بیل آر پار کٹی ہوئی ہے شمالی و جنوبی دروں کی پیشانیوں پر سنگ طلار کی بہت باریک بیل بنی ہے۔ اِس مُجّر پر ایسی اعلیٰ مُنبت کاری اور بے نظیر پچیکاری کی گئی ہے جس کی تعریف تحریر و تقریر سے باہر ہے اس کے پھول پتّے بیسیوں مختلف رنگوں کے بیش قیمت جواہرات سے مُرکّب اور ایسی صفائی سے بنائے گئے ہیں کہ کہیں جوڑ کا نشان تک نظر نہیں آتا اور اُن کو دیکھ صانع حقیقی کی قدرت کاملہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اِس مُجّر میں سنگ بشب کا دروازہ لگا ہوا تھا جو جاٹوں کے زمانہ میں اُتار لیا گیا۔

اس مُجّر کی جگہ ابتدا میں ایک سونے کا مینا کار مُجّر لگایا گیا تھا جس کا وزن چالیس ہزار تولہ تھا اور چھ لاکھ روپیہ کے صرف سے بنایا گیا تھا ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء مصلحتاً اس مُجّر کو اُٹھا لیا گیا اور اُس کی جگہ یہ مُجّر تعمیر کیا گیا۔

تعویذ ممتاز محل

مُجّر کے وسط میں چبوترہ پر ممتاز محل کی قبر کا خوشنما تعویذ ہے جس پر بخط نسخ سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے آیات قرآنی نہایت خوشخط کندہ ہیں اور پائین تعویذ پر "مرقد منوّر ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت فی ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء ہجری" مرقوم ہے۔

تعویذ شاہجہاں

ممتاز محل کے تعویذ سے ملا ہوا مغربی جانب شاہجہاں کی قبر کا تعویذ ہے جس کے موقع کی بدنمائی صاف بتا رہی ہے کہ روضہ کی تعمیر کے وقت اُس کا ارادہ اس جگہ دفن ہونے کا نہ تھا ورنہ یا تو مُجّر کچھ وسیع بنوایا یا ممتاز محل کی قبر بجائے وسط میں ہونے کے مشرقی جانب کو ہوتی شاہجہاں کی قبر کے تعویذ پر قلمدان بنا ہوا ہے اور پائین کی طرف "مرقد مطہر اعلیحضرت فردوس آشیانی صاحبقران ثانی بادشاہ طاب ثراہ ۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۵ء بخط نستعلیق کندہ ہے۔ دونوں تعویذ اور اُن کے چبوترے نہایت خوبصورت اور نفیس منبت کاری اور قابل دید پچیکاری سے مُزیّن و مُرصع ہیں

خصوصاً شاہجہاں کے تعویذ پر جو آگرہ میں عالمگیری عہد کی نادر و واحد یادگار ہے ایسے عمدہ پھول و پتے اور گلدستے بنائے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ممتاز محل اور شاہجہاں کی اصلی قبریں تہ خانہ میں ہیں جس کا زینہ روضہ کے دروازہ کے سامنے غلام گردش میں ہے۔ اس تہ خانہ کے دروازہ میں چاندی کے کواڑ لگے تھے جو جاٹوں کے زمانہ میں اتار لئے گئے۔ تہ خانہ کی لمبائی ۲۲ ½ فیٹ اور چوڑائی ۲۲ ½ فیٹ ہے اوپر کی طرح یہاں بھی وسط میں ممتاز محل کا اور مغرب کی طرف شاہجہاں کا مزار ہے۔ ممتاز محل کی قبر پر سنگ موسیٰ سے ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ ہُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ کے بعد اسمائے حسنیٰ یعنی نود و نہ نام بکمال خوبی کندہ ہیں لوح مزار پر پارہ ۴ سورہ آل عمران کی آیہ کریمہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ (لغایۃ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ) اور پائیں مزار پر "مرقد منور ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل تولفیت سنہ ۱۰۴۰ ہجری" تحریر ہے ممتاز محل کی قبر سے ۶ - انچ کے فاصلہ پر مغربی جانب شاہجہاں کی قبر ہے جس کے تعویذ کے سینہ پر بخط نستعلیق سنگ موسیٰ کے حروف میں یہہ عبارت کندہ ہے "در مرقد منور و مضجع مطہر بادشاہ رضوان دستگاہ فلک آرامگاہ اعلیٰ حضرت علیین مکانی فردوس آشیانی صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ در شب بست و ششم شہر رجب سنہ یک ہزار و ہفتاد و شش ہجری از جہان فانی بہ نزہتگاہ جاودانی انتقال کردند"

ان اصلی قبروں کے تعویذوں پر نہایت قیمتی جواہرات کی پچیکاری کی گئی تھی خصوصاً شاہجہاں کے تعویذ کے اوپر ایک بیش قیمت ہیرا جڑا ہوا تھا جو کسی زمانہ میں اکھاڑ لیا گیا اب انگریزی زمانہ میں مرمت کی گئی ہے یہہ تہ خانہ بھی خالص سنگ مرمر کا ہے۔

درمیانی عمارت

چھت پر چڑھنے کے واسطے غلام گردش میں دو زینے بنے ہیں جن کی ۴۶ سیڑھیاں طے کر کے درمیانی عمارت میں پہنچتے ہیں اس درجہ میں بجنسہٖ غلام گردش کی طرح مثمن و مربع کمرے جو نہ کاری سے بنے ہوئے ہیں جن پر ایسی نفیس جلا کی گئی ہے کہ در و دیوار مثل آئینہ کی چمکتی ہیں۔

چھتری گنبد

سب سے اوپر چھت کے چاروں گوشوں پر ۸ - ۸ در کے چار گنبد اور چاروں طرف ۴۷ - ۴۷

فیٹ ملیے ۹-۹ دروں کے چار پتلے برآمدے اور آٹھ رفیع الشان گلدستے سنگ مرمر کے مزین ہیں۔ درمیان میں عظیم الشان سنگ مرمر کا گنبد ہے جو نفیس منبت کاری سے آراستہ ہے۔ یہہ رفیع الشان گنبد چھت سے ۱۳۹½ فیٹ اور سطح باغ سے ۲۴۵½ فیٹ اور سطح دریا سے ۲۷۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کے کلس کی بلندی ۳۰½ فیٹ ہے۔ اب اس کلس پر تانبے کا پترچڑھا ہوا ہے پہلے اس پر سونے کا پتر تھا جو نکال لیا گیا۔ کلس کے ہلال پر کلمہ طیبہ کندہ ہے۔

مسجد

مغربی فصیل سے ملی ہوئی سنگ سرخ کے چبوترہ پر مسجد ہے۔ یہہ ۱۸۶ فیٹ لمبی اور ۷۹ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین محرابدار در ہیں جن میں درمیانی در یعنی پیش طاق زیادہ چوڑا ہے اور اس کی بلندی ۷۸ فیٹ ۱۵ انچ ہے۔ مسجد کا فرش نہایت نفیس چمکدار پتھر کا ہے جو سرخ رنگ کا ہے اس پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے ۵۳۹ خوشنما مصلے بنے ہیں۔ اندرونی درمیان محراب میں سورۃ الشمس مرقوم ہے اور محراب کے درمیان میں سنگ مرمر کا ایک ایسا مجلی پتھر نصب ہے جس میں روضہ کا عکس نظر آتا ہے۔ دائیں جانب دو کٹہریدار حجرے ہیں اور سورۃ اخلاص بشکل طغریٰ اور یاکانی۔ اللہ اور کلمہ طیبہ متعدد مقامات پر مرقوم ہے۔ چھت کے چاروں گوشوں پر مثمن برج اور درمیان میں تین خوشنما گنبد سنگ مرمر کے واقع ہیں۔ پیش طاق کے اندر درمیانی محراب کے اوپر ایک گلدستے کے اندر روضہ کے دو نقشے بنے ہوئے ہیں۔ آگے ۱۸۶ فیٹ لمبا اور ۵۱ فیٹ چوڑا صحن ہے صحن کے چبوترہ کے نیچے بھی سنگین فرش ہے جس کے درمیان میں مربع حوض بنا ہے جس کا ہر ضلع ۱۶ فیٹ ہے۔ جنوبی جانب قریب ہی ایک باولی بنی ہے جس کے اوپر لبی برج کے جواب میں ایک دالان اور برج بھی بنا ہوا ہے۔

نسبیح خانہ

چونکہ روضہ کی کل عمارت کا کوئی جزو تناسب اور مقابلہ سے خالی نہیں ہے لہذا مسجد کے مقابل میں مشرقی فصیل سے ملی ہوئی بجنسہ مسجد کی شکل کی ایک عمارت بنادی ہے جو اب نسبیح خانہ کے نام سے موسوم ہے اور شاہی عہد میں جماعت خانہ کہلاتی تھی اس کی پیمائش وغیرہ بھی مسجد کے مطابق ہے۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ نسبیح خانہ میں مثل مسجد کے کتبے۔ مصلے اور ممبر نہیں ہے اور چبوترہ پر شمالی جانب روضہ کے گنبد کے کلس کا نقشہ بجنسہ کندہ ہے جو مسجد کے چبوترہ پر نہیں ہے۔

دریا کی جانب دونوں گوشوں میں دو عالی شان سنگ سُرخ کے برج بنے ہیں جن میں شمال و مغربی گوشے کا برج جو مسجد سے ملحق ہے لبسی برج کے نام سے مشہور ہے۔ ان برجوں میں دریا میں اترنے کے واسطے زینے بنے ہوئے ہیں۔ روضہ میں جس قدر برج ہیں سب کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں

لبسی برج

شاہجہاں کے وقت میں ممتاز محل کا عرس بہت دھوم دھام سے ہوتا تھا بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ پہلے عرس میں صرف کیا اور آئندہ کے واسطے یہہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب عرس کے ایام میں بادشاہ دارالخلافت میں موجود ہوں تو پچاس ہزار روپیہ خیرات کیا جاوے ورنہ بارہ ہزار روپیہ کافی ہے۔ اس کے علاوہ ممتاز آباد (تاجگنج) کی دو کانیں اور سرائیں جن کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سال تھی اور نیز مواضعات جن کی مالگذاری اُس وقت چالیس لاکھ دام (۴۰ دام = ایک روپیہ) تھی روضہ کے اخراجات کے واسطے وقف کئے اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ اگر کبھی ضرورت واقع ہو تو اس وقف کی آمدنی سے بقدر ضرورت روضہ کی مرمت میں صرف کیا جاوے اور باقی مصارف مقررہ میں جن کو سالانہ اور ماہانہ ملتا ہے اور طعام پختہ جو روضہ کے قرآن خوانوں اور خادموں اور محتاجوں اور تنگدستوں کے واسطے مقرر ہے صرف ہوتا رہے۔ ان مقررہ اخراجات کے بعد اگر کچھ روپیہ فاضل رہے تو بادشاہ وقت کو کہ جس کے متعلق اس روضہ کی تولیت کی جاتی ہے اختیار ہے کہ جہاں مناسب سمجھے صرف میں لاوے[۵]۔

عرس اوقات

افسوس کہ اب یہہ وقف باقی نہیں رہا اب نہ سرکاری طور سے عرس ہوتا ہے نہ لنگر خانہ جاری ہے نہ مزار پر قرآن خوانی کے واسطے حافظ قرآن مقرر ہیں۔ باغ اور روضہ کی مرمت و نگہداشت کا تمام بار گورنمنٹ عالیہ پر ہے اور سرکاری خزانہ سے سپرنٹنڈنٹ تاج اور عملہ کی پیش قرار تنخواہ کے ساتھ مسجد کے خطیب اور روضہ کے خدام کو جو شاہی عہد سے نسلاً بعد نسلاً چلے آتے ہیں تنخواہیں ملتی ہیں اور مصالح ہے ہر جو خزانہ تاج سے چند مزارات اور مندر وغیرہ کی روشنی کے واسطے مقرر تھے اب تک حسب ذیل اشخاص کو ملتے ہیں۔ حسین علی[۱] - علی حسین[۲] - عاشق علی[۳] - گنگا دت[۴] - فتح علی[۵] شاہ خدام

[۵] ان مواضعات کی تفصیل اور وقف کے حالات بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری جلد دوم صفحہ ۳۳۰/۳۳۱ میں جو شاہجہانی عہد کی سرکاری تاریخ ہے اور منشقی مولانا محمد معین الدین صاحب اکبرآبادی کی مفصل اور بے نظیر تاریخ تاج موسومہ معین الانشا کے ضمیمہ صفحہ ۱۲۹ الغایۃ ۱۳۲ میں مفصل مرقوم ہیں۔

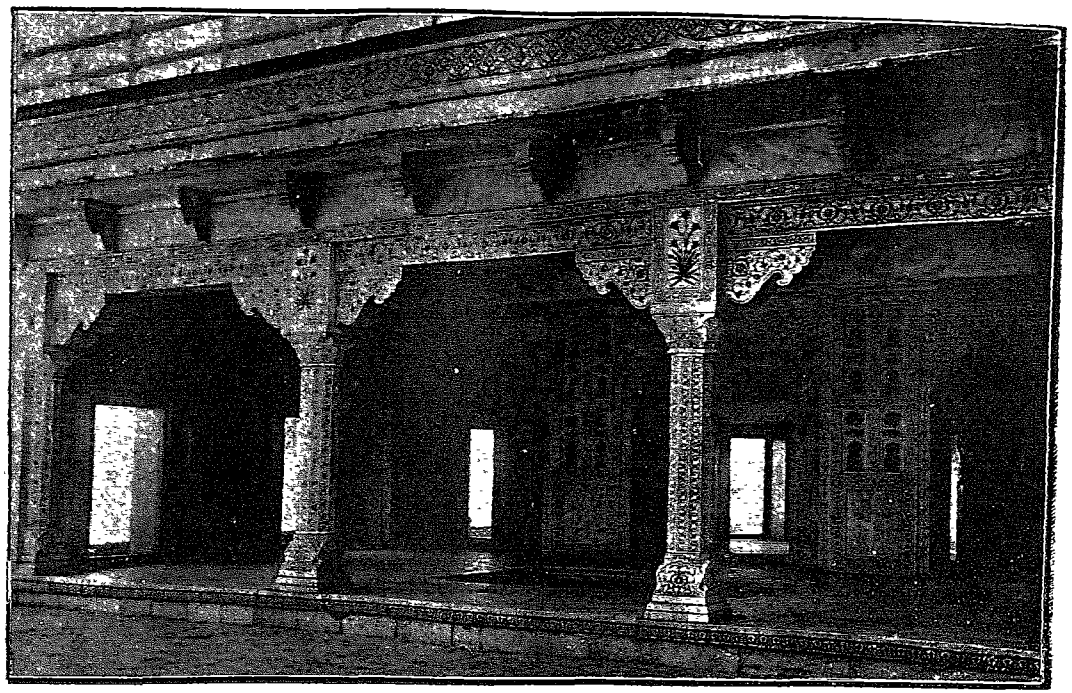

کمرہ مشمن برج

روضہ تین تین روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ شاہی زمانہ میں ان خدام کے مورثان کی جو قدر و منزلت تھی اس کی عشر عشیر بھی اب قدر باقی نہیں رہی شاہی عہد میں ادنیٰ و اعلیٰ یہاں تک کہ بادشاہ وقت بھی جب روضہ پر آتا خدام کو انعام دیتا تھا جو اس زمانہ میں نذرانہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا چنانچہ عالمگیر نامہ میں بذکر واقعات سنہ ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء تحریر ہے "ہفتدہم ایں ماہ بزیارت مرقد مقدس حضرت فردوس آشیانی و مغفور استار رحمت ممتاز الزمانی سعادت اندوختند و بگذرانیدن چہل و پنج ہزار روپیہ نذر از طرف خود دہر دو بادشاہزادہ عمدۂ آں مکان معلی را فرحناک ساختند" اب یہ مثل معمولی ملازم کے ہیں مگر گورنمنٹ عالیہ کی عنایت و مہربانی سے استحقاق ملازمت موروثی انہیں حاصل ہے۔

مقبرہ سہیلیان

مسجد فتحپوری کے مقابل شمالی جانب یہہ مقبرہ واقع اور سہیلیوں کا مقبرہ یا برج کہلاتا ہے یہہ ایک بلند سنگین چبوترہ کے وسط میں واقع ہے جس کے نیچے جنوب و مشرقی سمت میں دالان اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔ یہہ مقبرہ بہت ہی شکستہ حال ہوگیا تھا چونکہ روضہ کے قریب اس کی اور مسجد فتحپوری کی بوسیدہ حالت بہت بدنما معلوم ہوتی تھی لہذا گورنمنٹ عالیہ نے بصرف کثیر اس کی ایسی مرمت کرادی ہے کہ گویا نئی عمارت تعمیر ہوگئی ہے۔ چبوترہ کا ہر ضلع ۱۵۲ فیٹ ہے جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک برج بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کا کمرہ ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۹ فیٹ ۸ انچہ ہے۔ وسط میں سنگ مرمر کی دو قبریں ہیں جو ممتاز محل کی خواصوں یا سہیلیوں کی بتائی جاتی ہے چھت پر شلغمی طرز کا سنگ سرخ کا گنبد بنا ہے۔

مقبرہ و مسجد متصل روضہ

روضہ ممتاز محل کے چوک کے مشرقی دروازہ کے باہر تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک خوبصورت مقبرہ اور مسجد واقع ہے جس کے نسبت یہہ پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے لیکن اس کا طرز مقابر

ستی النساء خانم اور سرہندی بیگم سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ شاہجہانی عہد کی تعمیر اور اس کی کسی بیگم کا مقبرہ ہے۔ درمیانی حجرہ مثمن ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۹ فیٹ ۱۱ انچ ہے۔ ہر ضلع میں خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ وسط حجرہ میں سنگ مرمر کا تعویذ ہے جو بہت ہی حسین و خوبصورت ہے اس کی پچیکاری کی قیمتی پتھر کسی زمانہ میں اکھاڑ لئے گئے۔ چھت پر سنگ مرمر کا نفیس گنبد اور درمیانی حجرہ کے آس پاس ۲۴ دروں کی غلام گردش بنی ہے اور مغربی جانب تین گنبد کی ایک مسجد بھی موجود ہے۔

مسجد آگاہ خاں خواجہ سرا

آگاہ خاں خواجہ سرا شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پر سرفراز اور دار الخلافت اکبر آباد کے نواح کا فوجدار تھا اس کی بنائی یہ مسجد روضہ کے چوک کے مشرقی پھاٹک سے چار فرلانگ کے فاصلہ پر متصل بکری منڈی واقع ہے۔ یہ تین محراب کی عالیشان مسجد ہے جس کے نیچے تہ خانے بنے ہوئے تھے۔ چھت پر درمیان میں ایک رفیع الشان گنبد موجود ہے۔ اب یہ مسجد بہت شکستہ حال ہے جس کا جنوبی جانب کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا ہے۔

مقبرہ صدر النساء ستی النساء خانم

ستی النساء خانم مالک الشعرا طالب آملی کی بہن اور حکیم نصیرا کی زوجہ تھیں یہ نہایت سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ممتاز محل کی خدمت میں ممتاز دار و مہر داری کی خدمت پر مامور ہوئی۔ پھر جہاں آرا بیگم کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی۔ ممتاز محل کے انتقال بعد بادشاہ نے صدارت محل کی خدمت سپرد کی۔ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء کو لاہور میں انتقال کیا وہاں سے حسب الحکم بادشاہی نعش منتقل ہو کر چوک روضہ ممتاز محل کے گوشے جنوب و مغرب میں دفن کی گئی اور تیس ہزار روپیہ کے صرف سے یہ مقبرہ تعمیر ہوا اور مصارف عرس اور مرمت مقبرہ کے واسطے تیس ہزار روپ

محاصل کا ایک موضع وقف کیا گیا۔ یہ مقبرہ نہایت خوبصورت ہے اس کا درمیانی کمرہ ثمن ہے جس کا ہر ضلع ۱۱ ½ فیٹ ہے۔ سات در خوشنما جالیوں سے بند ہیں۔ اندر کا فرش اور اجارہ تک دیواریں سنگ مرمر کی ہیں۔ لداؤ میں سنگ سُرخ کی استرکاری ہے وسط میں سنگ مرمر کا تعویذ ہے جس پر اعلیٰ درجہ کی منبت کاری ہے چھت پر سنگ مرمر کا خوبصورت گنبد اور اُس کے پاس ۲۴ گلدستے مُزیّن ہیں درمیانی کمرہ کے ارد گرد غلام گردش مثمن شکل کی ہے جس کا ہر ضلع ۲۲ ½ فیٹ ہے اس میں ۲۴ در ہیں۔ وسط صحن میں مُربع حوض ہے۔ اور مقبرہ کی غربی دیوار میں مسجد فتحپوری کی طرف ۹ خوبصورت جالیاں لگی ہیں۔ اس کے علاوہ دو حُجرے اور ایک دالان اور بنا ہے جس میں دالان شکستہ ہو گیا ہے۔

مقبرہ سرہندی بیگم

سرہندی بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا خطاب تھا جنہوں نے آگرہ میں ایک باغ اور دہلی میں ایک مسجد لاہوری دروازہ کے باہر اور ایک باغ سبزی منڈی کے پاس بنوایا تھا ستی النساء خانم کے مقبرہ کے سامنے یعنی چوک روضہ ممتاز محل کے گوشے جنوب و مشرق میں بجنسہٖ ستی النساء خانم کے مقبرہ کے مثل ان کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ پیمائش وغیرہ میں بھی کوئی فرق نہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ سرہندی بیگم کی قبر کا تعویذ بہت خوبصورت اور نفیس پچیکاری سے مُزیّن ہے جس کی پچیکاری کی قیمتی پتھر لوگ اکھاڑ کر لے گئے۔

مسجد فتحپوری

فتحپوری بیگم شاہجہاں کی ایک نیک نیت اور دیندار بیگم کا خطاب تھا جنہوں نے آگرہ اور دہلی میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب تک دونوں جگہ موجود ہیں یہ سب سنگ سُرخ کی مسجد روضہ ممتاز محل کے چوک کے پھاٹک کے قریب واقع اور ایک مرتفع چبوترہ پر جس کے نیچے دالان اور حُجرے بنے ہیں۔ قائم ہے گورنمنٹ نے تیس چونتیس ہزار روپیہ کے صرف سے اس کی مرمت ایسی کرادی ہے کہ گویا وہ اپنی اصلی حالت میں نظر آتی ہے مسجد کا طول و عرض ۱۰۳ × ۳۸ فیٹ ہے آگے

۵۵ فیٹ چوڑا صحن ہے شمال و جنوب میں تین تین در محرابدار دالان اور درمیان میں پیش طاق ہے اسی طرح کل مسجد میں علاوہ درمیانی پیش طاق کے بارہ در اور خاص مسجد میں ۱۷۶ مصلوں کا فرش ہے چھت پر درمیان میں ایک بڑا گنبد اور چاروں گوشوں پر چار برجیاں ہیں۔ مسجد اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار اور رنگ آمیزی سے مزین تھی۔ اس کے مداخلوں کی صنعت و سنگتراشی قابل دید ہے مسجد کے قریب شمالی جانب ایک سنگین حوض بھی تھا جو اب از سر نو بنایا گیا ہے۔ دو برج مشرقی جانب دونوں گوشوں پر واقع ہیں۔

حویلی خاندوراں خاں نصرت جنگ

خاندوراں خاں کا اصلی نام خواجہ صابر تھا یہ جہانگیر کے عہد سے شاہی ملازمت میں داخل تھا ۱۰۴۲ھ جلوس شاہجہانی میں منصب سہ ہزاری اور خطاب نصیری خاں سے مفتخر ہوا ۱۰۴۶ھ جلوس میں قلعہ دولت آباد کے مفتوح ہونے کی خوشی میں منصب پنجہزاری اور خطاب خاندوراں خاں عطا ہوا، ۲۵ جمادی الاول ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء کو ایک کشمیری برہمن کے لڑکے کے ہاتھ سے جو اس کے خادموں میں تھا زخم کھا کر انتقال کیا[1] گوالیار میں ایک مسجد اور سرائے کا دروازہ اس کی یادگار سے موجود ہے آگرہ میں روضۂ ممتاز محل کے مشرقی جانب سید احمد بخاریؒ کے مقبرہ کے قریب اس کی عالیشان حویلی اور باغ واقع تھا۔ یہ حویلی دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع اور آگرہ کی بہترین منازل سے تھی جو متغیر حالت میں اب تک موجود ہے۔ اس کا پھاٹک بھی شکستہ حالت میں باقی ہے۔ چونکہ مدت تک اس حویلی میں جوتوں کی فیکٹری رہی لہذا اکثر حصوں میں ترمیم کر لی گئی صرف شمال و مغربی جانب کا سہ منزلہ سنگین برج اصلی حالت پر قائم ہے جو لب دریا واقع اور نہایت دلکش منظر رکھتا ہے۔

درگاہ سید احمد بخاری

سید احمد بخاریؒ شاہجہانی عہد کے مشائخین نامدار سے تھے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں آپ سید جلال بخاریؒ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کی درگاہ حویلی خاندوراں خاں کے قریب واقع ہے

[1] مدفن گوالیار ہے۔

جس سے اہل شہر کو خاص عقیدت ہے۔ مزار نہایت بلند و پُر فضا مقام پر ہے جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ احاطہ درگاہ میں ایک دالان اور سیکڑوں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اِس درگاہ کے متعلق کچھ معافی بھی ہے جس کا انتظام کمیٹی لوکل ایجنٹی اسلام آگرہ کے سپرد ہے۔

بارہ دری متصل سڑک فتح آباد

مسجد آگاہ خاں کے سامنے فتح آباد کی پختہ سڑک سے جنوبی جانب یہ سنگ سُرخ کی بارہ دری واقع ہے جس میں چاروں طرف ۳-۳ در اور ستونوں پر گچکاری کا گنبد قائم ہے۔ اس کے اندر کئی سنگین تعویذ ہیں مگر کسی پر کتبہ نہیں ہے معلوم نہیں کہ یہ کس کے مزار ہیں۔

مسجد و مقبرہ دیوانجی بیگم

دیوانجی بیگم خواجہ غیاث الدین قزوینی کی بیٹی خانخاناں آصف خاں کی زوجہ اور ممتاز محل کی ماں تھیں۔ موضع بسئی کے رقبہ میں محلہ بلوچپورہ کے قریب اُن کی بنائی ہوئی مسجد اور مقبرہ کا شکستہ گنبد واقع ہے۔ یہ سنگ سُرخ کی مسجد ۴ فیٹ ۱۰ انچہ بلند کرسی پر بنی ہے۔ اس کا طول و عرض ۶۴×۳۵ فیٹ ہے۔ اِس میں کل پندرہ در اور تین گنبد ہیں اندرونی درمیانی محراب میں آیت الکرسی اور اُس کے نیچے ۱۰۸۸ھ کندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر بعد میں نصب کیا گیا ہے صحن کی چوڑائی ۵۵ فیٹ ہے جس میں ایک حوض بنا ہوا ہے۔ مسجد کے نیچے جنوبی جانب نو دوکانیں بنی ہیں۔ یہ مسجد و مقبرہ لوکل ایجنٹی اہل اسلام آگرہ کے زیر اہتمام ہے۔

مقبرہ پچاس بیگہ اراضی میں واقع اور نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اب صرف اس کا مثمن بُرج بلا گنبد باقی رہ گیا ہے جس کا قطر ۲۰ فیٹ ہے۔ قبر کا تعویذ تک ندارد ہو گیا۔ عجیب حسرت و یاس کا عالم ہے ؎

یہ سرائے دہر مسافر بخدا کسی کا مکاں نہیں ۔۔۔ جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج اُن کا نشاں نہیں

یہہ ہر ایک قبر سے بے کسی ہے زبان حال ہی کہ رہی　　تمہیں آنکھ چاہیئے غافلو مجھے احتیاج بیان نہیں

اصلی قبرستان خانے میں تھی جس میں اب کوڑا بھرا ہوا ہے۔

مسجد عہد اورنگ زیب

محلہ تاجگنج میں شفاخانہ کے قریب اورنگ زیب کے زمانہ کی ایک قدیم مسجد واقع ہے۔ جو محض قدامت اور اپنے کتبہ کی وجہ سے قابل بیان ہے ورنہ اس کی عمارت معمولی ہے۔ اس کے دروازہ کی پیشانی پر یہہ کتبہ کندہ ہے۔ افسوس کہ بانی کا نام مٹ گیا اور پڑھنے میں نہیں آتا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم لمسجد اسس علی التقوی وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بنی مسجد اللہ لہ بیتا فی الجنۃ چوں موافق حکم باری تعالیٰ فرمودۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم در عہد بادشاہ دین پناہ اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی احقر العباد شیخ ..... سنہ ۱۰۹۲ھ (مطابق سنہ ۱۶۸۲ء) یہہ تین در کی سنگین مسجد ہے۔

مسجد پھلیل کٹرہ

محلہ پھلیل کٹرہ منجملات تاجگنج میں۔ یہہ مسجد واقع ہے جسے سنہ ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء میں مزار شریف نام ایک سوداگر نے تعمیر کیا تھا اس کے بعد سنہ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں بدھو خاں صوبہ دار نے اس کے آگے برآمدہ بنوایا اس مسجد کی عمارت معمولی ہے مگر اس کے اندر جنوبی جانب ایک حجرہ بنا ہوا ہے۔ اس کی مغربی دیوار میں سنگ مرمر کا ایک مجلی ٹکڑہ نصب ہے جس پر ایک پنجہ کا نقش بنا ہوا ہے۔ پانچوں انگلیوں پر چھنگلی کی طرف سے سلسلہ وار۔ بسم۔ اللہ۔ الرحمن۔ الرحیم۔ یا اللہ اور درمیان میں بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بحق خواجہ معین الدین چشتی ہر کہ ایں دست بہ بیند ہر حاجت کہ باشد برآید سنہ ۱۰۷۳ھ (مطابق سنہ ۱۶۶۲ء) کندہ ہے باوجود تحقیقات اس کا پتہ نہ چلا کہ یہہ کس کا پنجہ ہے اور کب اور کس نے اس حجرہ میں نصب کیا۔

مزار میاں نظیر اکبرآبادی

میاں نظیر جن کا کلام آگرہ میں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ ملکوں کی گلی منجملات تاجگنج میں رہا کرتے تھے اور مرنے کے بعد اپنی حویلی کے قریب ہی دفن کئے گئے۔ مولوی سیّد محمد عبد الغفور صاحب شہباز مرحوم نے جو اورنگ آباد کالج میں پروفیسر تھے اُنکی مفصّل سوانح عمری لکھی ہے اور باوجود اس کے کہ اُن کے کئے کلیات شائع ہو چکے ہیں اب بھی اُن کا بہت سا فارسی اور اُردو کلام غیر مطبوعہ ہی میاں نظیر کے کمالات شاعری سے تو ایک زمانہ واقف ہے لیکن عام طور یہہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ کمالات شاعری سے زیادہ وہ اخلاق حمیدہ اور کمالات معنوی سے موصوف تھے وہ ایسی سادہ طور سے زندگی بسر کرتے تھے کہ آج اُن کے حالات سُن سُن کر تعجب و حیرت ہوتی ہے اگر یورپ میں اس پایہ کا کوئی شاعر ہوتا تو اُس کی صدہا یادگاریں مُلک میں قائم ہوتیں مگر ہماری جہالت و بدمذاقی کا یہہ حال ہے کہ اور کوئی یادگار قائم ہونا تو کیا معنی میاں نظیر کی قبر تک خراب حالت میں ہے نہ وہاں کوئی عمارت ہے نہ چبوترہ۔ نہ لوح مزار ہے نہ کتبہ۔ کہا جاتا ہے کہ مشاہیر پرستی میں کچھ نہ کچھ ملک ترقی کر رہا ہے مگر یہاں اُلٹی گنگا بہتی ہے۔ یعنی میاں نظیر کے انتقال کے بعد برسوں تک یہہ سلسلہ جاری رہا کہ ہولی۔ دوالی۔ دسہرہ۔ عید۔ بقرعید کے تہواروں پر ہندو مسلمان مزار پر جمع ہو کر شاعروں کے جلسے کیا کرتے تھے اب مدت سے یہہ سلسلہ بھی متروک ہو گیا۔ حوادث روزگار سے میاں نظیر کے مکان کا تو نشان بھی باقی نہیں رہا قبرستان موجود ہے مگر نہایت خراب حالت میں ہے جس میں ۹ یا ۱۰ قبریں باقی ہیں۔ راقم الحروف نے ۱۲ جولائی ۱۹۰۴ء کے اخبار مفید عام آگرہ ایک پُر زور اپیل شائع کر کے اہل مُلک سے التجا کی تھی کہ کم از کم میاں نظیر کی قبر پر ایک سنگین چبوترہ ہی تعمیر کرا کر اُس پر کتبہ کندہ کرا دیا جاوے۔ اس پر جناب نواب حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب مرحوم رئیس دتاولی و آنریری مجسٹریٹ آگرہ نے پچاس روپیہ سے تنور روپیہ تک چندہ دینے کا ارشاد فرمایا تھا مگر اور کسی طرف سے کوئی صدا نہ اُٹھی اور یہہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔

اس قبرستان میں میاں نظیر کی قبر کے علاوہ اُن کے بیٹے میاں گلزار علی اسیر اور پوتے میاں پذیر کی بھی قبریں ہیں یہ دونوں بھی بڑے شاعر تھے۔ میاں اسیر کے لوح مزار پر یہ کتبہ بھی کندہ ہے ؎

ہُوَالغفّار۔ از نتائج طبع منشی محمد خاں رہا

اوستادم میر گلزار علی	چوں لسوئے خلد شد رونق فزا
بسکہ در روحانیاں شورے فتاد	روح سحباں چوں شنید ایں ماجرا
آہ را بیروں کشیدہ بہر سال	گفت۔ اسیر دام ہستی شد رہا

۱۲۹۵ھ = ۶ - ۱۳۰۱ / ۱۸۷۷ء

مزار سیّد جلال بخاری

سیّد جلال بخاریؒ۔ ابن سید محمد بخاری حضرت شاہ عالم بخاری کی اولاد سے چھٹی پشت میں ہیں جن کا مزار رسول آباد متصل احمد آباد گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ ۱۵ جمادی الثانی ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء کو پیدا ہوئے وارث رسول۔ ولادت کی تاریخ ہے۔ سن تمیز پر پہنچکر اپنے والد بزرگوار اور ملّا محمد صوفی ماژندرانی سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی موصوف تھے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں آگرہ میں تشریف لائے۔ اور بادشاہ کو آپ سے خاص عقیدت پیدا ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۷ شعبان ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو منصب چہار ہزاری پر سرفراز اور صدارت کل کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ چند ہی دنوں میں شش ہزاری منصب پر ترقی پائی۔ یکم جمادی الاول ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ جانشین حیدر گرار وفات کی تاریخ ہے آپ کا مزار لب دریائے جمن تاجگنج کی قدیم سڑک کے قریب مُردہ گھٹے کے پاس واقع ہے جو نہایت بلند چبوترہ پر بنا ہے۔ اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد بھی موجود ہے۔

یہ مقام بوجہ لب دریا اور مرتفع ہونے کے نہایت دل کش ہے۔ اس کے قرب و جوار میں وسیع قبرستان ہے اور چبوترہ کے نیچے ایک بزرگ مولانا سید ضیاء الدین ملتجیؒ کا مزار واقع ہے

باغ خان عالم

خان عالم کا اصلی نام میرزا برخوردار تھا۔ اکبر کے عہد میں منصب دو صدی پر سرفراز تھا جہانگیر نے جلوس کے چوتھے سال خان عالم کے خطاب سے مفتخر کیا اور ۶ سنہ جلوس میں شاہ عباس ثانی والی ایران کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا اور ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں اس سفارت کے صلہ میں منصب پنجہزاری پر سرفراز کیا شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر منصب شش ہزاری سے ممتاز کر کے صوبہ بہار کا صوبہ دار مقرر کیا اور ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء بوجہ ضعیفی ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی پینشن مقرر کر دی چند مدت بعد اس نے لاولد انتقال کیا اور اپنے باغ میں دفن ہوا۔

سید جلال بخاری اور روضہ ممتاز محل کے درمیانی میں یہ باغ واقع ہے جو ایک بلند پختہ چار دیواری سے محصور ہے۔ جس کے مغربی ضلع میں پھاٹک بنا ہوا ہے۔ وسط باغ میں ایک بلند چبوترہ پر جس کا سنگین فرش فروخت کر دیا گیا ایک چراغدان موجود ہے جہاں پر خان عالم کی قبر خیال کی جاتی ہے لیکن اب کوئی تعویذ موجود نہیں ہے۔ شمالی جانب ایک اور چبوترہ ہے جس پر سات سنگین قبریں بنی ہیں مگر کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اسی طرف ایک شاندار عمارت تھی جو کھد گئی۔ دریا کی طرف باغ کے نیچے ایک وسیع تہ خانہ اب تک موجود ہے۔ یہ باغ علی گڈھ کے ایک رئیس کے قبضہ میں تھا جنہوں نے ۱۸۹۸ء میں نظیر جان طوائف آگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طوائف نے اس کو کھدوانا شروع کیا اور بہت سا ملبہ فروخت کر ڈالا آخر کار جب مسٹر اے روز صاحب کمشنر آگرہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے گورنمنٹ کی طرف سے اس باغ کو مشتری سے واپس لیکر اپنے قبضہ میں کیا اب یہ روضہ ممتاز محل کے متعلق ہے۔

میگزین پارک

شاہی زمانہ میں قلعہ سے تاجگنج تک امرا کی عالیشان حویلیاں اور باغات واقع تھے امتداد

زمانہ سے یہہ سب عمارتیں منہدم ہوتی گئیں اور ۱۸۳۸ء کے قحط میں ان کے درمیان میں ایک پختہ سڑک تعمیر کی گئی مگر غدر تک اکثر عمارتوں کے آثار موجود تھے۔

نوحملہ امر سنگھ شیش محل

چنانچہ قلعہ کے جنوبی دروازہ (امر سنگھ دروازہ) کے قریب راجہ امر سنگھ راٹھور کا نو محلہ اس سے بڑھکر شیش محل یا ڈیوڑھی صاحب جی کی واقع تھی۔ اس کے بعد مہابت خاں کی حویلی۔ اس سے بڑھکر راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کی حویلیوں کے کھنڈرات تک واقع تھے۔

حویلی رومی خاں

قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر سنگار اگھاٹ کے قریب رومی خاں کی مشہور حویلی تھی جو آگرہ کی بہترین منازل میں شمار کی جاتی تھی اسے شاہجہاں کے عہد کے مشہور امیر رستم خاں فیروز جنگ بانی شہر مراد آباد نے بصرف کثیر تعمیر کرایا تھا۔ عالمگیر نے یہہ حویلی حسین پاشا اسلام خاں رومی کو مرحمت فرمائی تھی جب سے اس کا نام رومی خاں کی حویلی مشہور ہو گیا۔ غدر ۱۸۵۷ء تک اس کے اکثر حصے قائم تھے۔ کارلائل نے ۱۸۷۱ء میں لکھا ہے کہ اب یہہ عمارتیں سراپا بربادی اور شکستہ حالت میں ہے۔ البتہ چند برجیاں اور دیواروں کے آثارات اب بھی قائم ہیں بہرحال اس وقت نواح آگرہ میں یہہ کھنڈر بلحاظ مرتفع بہت شاندار اور سب سے بڑا قابل دید ہے" چند عرصہ کے بعد یہہ نشان بھی مٹ گئے اور مدت تک اس کے کھنڈرات ٹیلوں کی صورت میں نظر آتے اور رومی خاں کے ٹیلے کے نام سے مشہور رہے۔

قحط کے موقعوں پر وقتاً فوقتاً گورنمنٹ نے ان قدیم ٹیلوں کو صاف کرانا شروع کیا اور بارہا ان ٹیلوں سے پرانے سکے برآمد ہوئے جب لارڈ کرزن بہادر کے عہد میں شاہی عمارات کی طرف خاص توجہ ہوئی تو تاج و قلعہ کے قرب وجوار میں عمارتوں کے ٹیلوں کو بدنمائی کا باعث خیال کر کے بصرف کثیر ان کو صاف و ہموار کرایا گیا اور اُن کی جگہ میگڈانل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ نے ایک پارک کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ یہہ پارک تیار ہوا اور میونسپل بورڈ آگرہ کی تحریک سے میگڈانل پارک اس کا نام تجویز کیا گیا۔ جب سے اب تک اس کی آراستگی اور توسیع کا سلسلہ جاری اور قلعہ اور تاجگنج کے درمیانی وسیع قطعہ میں جہاں سوائے بدنما

ٹیلوں یا خاردار ببولوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ اب سوائے چند قبروں۔ دو ایک بُرجوں۔ باغ خان عالم اور مزار سیّد جلال بُخاری کے اور کوئی قدیم آثار باقی نہیں رہا۔ اسی پارک کے سلسلہ میں محلہ تاجگنج کے قریب جنوب و مغربی گوشہ میں گورنمنٹ ہوس تعمیر کیا گیا ہے۔ اور مغربی جانب سڑک کے کنارہ پر ملکہ معظمہ کا بُت نصب ہے۔ تمام پارک کے اندر پختہ سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ کئی تالاب بھی موجود ہیں اور نہر سے پانی آتا ہے غرضکہ ٹیلوں کی جگہ فردوس بریں کا نمونہ بن گیا ہے۔

باغ مہابت خاں

خانخاناں مہابت خاں کا اصلی نام سیّد زمانہ بیگ تھا یہ جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کا نہایت مشہور و معروف امیر تھا جس نے سنہ ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء میں وفات پائی۔ زمانہ آرام گرفت اور بیہ سالار رفت وفات کی تاریخیں ہیں۔ مہابت خاں کا عالیشان باغ موضع راجپور میں واقع اور زمینداران دیہہ کے قبضہ میں ہے۔ اس کے اندر مہابت خاں کی دختر کا مقبرہ بھی بنا ہوا ہے اور ایک مسجد بھی موجود ہے۔

اب گورنمنٹ اسے بھی عمارت آثار قدیمہ کی فہرست میں شامل کرنا چاہتی جس کی کارروائی جاری ہے۔

باب سوم

عمارات قلعہ اکبر آباد

زمانہ قدیم سے اس مقام پر قلعہ یا گڈھی موجود تھی اوّل راجہ باول سنگھ نے ۱۴۷۵ء میں اسی مقام پر از سر نو قلعہ بنا کر باول گڈھ نام رکھا جب سلطان سکندر لودی نے آگرہ کو اپنا دار السلطنت مقرر کیا تو اس قلعہ کو اینٹ پتھر چونے سے از سر نو تعمیر کرایا۔ ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء میں اکبر نے حکم دیا کہ اس قلعہ کہنہ کو منہدم کرا کر از سر نو سنگ سرخ سے تعمیر کیا جاوے۔ چنانچہ اسی سال قاسم خاں میر بحر نام ایک امیر کے اہتمام میں اس کی بنیاد رکھی گئی تین ہزار معمار۔ سنگ تراش اور مزدور روزانہ کام کرتے تھے اس طرح پانچ یا آٹھ برس کی مدت اور سات کروڑ تنکہ کے صرف سے جو پینتیس لاکھ روپیہ کی برابر ہوئے یہ قلعہ تعمیر ہوا۔ شیخ فیضی نے اس کے پہلے دروازہ کی تعمیر کی تاریخ بنائے درِ بہشت اور ملّا شیری نے دوسرے دروازہ ہتیا پول کی تاریخ یہ موزوں کی ہے

کلک شیری پئے تاریخ نوشت — بے مثال آمدہ دروازہ فیل ۹۷۶

جب تمام سلطنت کا خزانہ اس قلعہ میں رہنے لگا تو ملّا عبد القادر بدایونی نے شد بنائے قلعہ بر سے تاریخ نکالی اس قلعہ کا دور تین ہزار گز بادشاہی اور فصیل کی چوڑائی ۳۰ گز اور بلندی کنگوروں تک ۶۰ گز ہے۔ اس میں بیس برج چار دروازے اور دو کھڑکیاں رکھی گئی تھیں جن میں اب صرف دو دروازے (دہلی دروازہ۔ امر سنگھ دروازہ) کھلے ہوئے ہیں ہتیا پول (دروازہ) کے دونوں طرف آمنے سامنے دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے جن کی سونڈیں ملا کر محراب بنائی گئی تھی۔ اس کے آگے

لہ منتخب التواریخ میں مدت تعمیر ۸ سال اور اکبر نامہ میں ۸ برس لکھی ہے صاحب منتخب اللباب کا بیان ہے کہ ۹۷۳ھ میں تعمیر کی ابتدا ہوئی اور ۹۸۰ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ ۳ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اکبر نے اس قلعہ کے ساتھ شاہ مدار کی ایک مسجد بھی بنوائی تھی جس کا اب کوئی وجود باقی نہیں (منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۱۶۵)

نقار خانہ تھا اب نہ ہاتھی رہے نہ نقار خانہ باقی ہے۔ اکبر کے عہد میں قلعہ کے اندر چھوٹی بڑی پانسو عمارتیں تھیں جن میں سے اب صرف تین چار باقی ہیں باقی کل عمارت شاہجہاں کے زمانہ کی ہے

شیر عاجی

بیرونی فصیل جو شیر عاجی کے نام سے مشہور تھی عالمگیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے جس کی بنیاد جلوس کے دوسرے سال ۱۵ ذیقعدہ کو رکھی گئی اور تین سال میں بن کر تیار ہوئی اس کی بلندی دریا کی طرف بارہ گز اور چوڑائی پانچ گز اور دوسری طرف سات گز اور چوڑائی چار گز ہے اور دونوں فصیلوں کا درمیانی فاصلہ ۱۰ گز ہے۔ اس بیرونی فصیل میں تین دروازے روبرو ہتیا پول خضری دروازہ اکبری دروازہ اور چوتھا دروازہ روبرو شاہ برج دروازہ اور پانچواں دروازہ جانب دریا روبرو دروازہ خورد رکھا گیا تھا۔ اب تین دروازے بند کر دئے گئے صرف دو دروازہ دہلی دروازہ اور امر سنگھ دروازہ کھلا ہوا ہے جب اس قلعہ پر مرہٹوں کا قبضہ ہوا تو مادھو راؤ سندھیہ کے حکم سے قلعہ کے گرد ایک اور حصار کھینچا گیا جو مادھو گڈھ کے نام سے موسوم تھا لیکن اب اس حصار کا کوئی آثار و نشان باقی نہیں رہا۔

مادھو گڈھ

یہ قلعہ بلحاظ خوشنمائی بعض لحاظ سے تمام ہندوستان میں اوّل نمبر اور بعض لحاظ سے قلعہ شاہجہاں آباد کے بعد دوسرے نمبر سمجھا جاتا ہے خالص سنگ سرخ کا ہے جس کے رفیع الشان دروازے پر نہایت خوشنما منبت کاری اور پچی کاری کی ہوئی ہے اور فصیل پر خوبصورت کنگورے اور برج برجیاں بنی ہیں۔ اس کے اندر کئی سنگ مرمر کی نفیس و بے نظیر عمارتیں اب بھی باقی ہیں۔

جن کا بیان مختصر طور سے ذیل میں کیا جاویگا۔ جاٹوں کی چند روزہ حکومت کی یادگار میں ایک مندر اور دلسا جاٹ کی حویلی موجود ہے۔

مندر و حویلی دلسا جاٹ

دہلی دروازہ میں داخل ہو کر دائیں ہاتھ پر ایک دالان بنا ہے جس کی دیوار پر یہ کتبہ بخط نستعلیق اکبری عہد کے مشہور کتبہ نویس میر معصوم کے ہاتھ کا کندہ ہے "در عصر شہنشاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فی سنہ ۱۰۰۷ھ (۱۵۹۹ء)

دہلی دروازہ

شاہِ جہاں چوں گرفت جائے بہ تختِ شرف تخت زر و دست نہاد بر سرِ چرخ پا

دستِ دعا برکشاد پیرِ فلک از نشاط — گفت کہ باد اُمدام حکم تو فرماں روا
خواست نہانے کند سالِ جلوسش رقم — بود دراندم لبش پُر ز دعا و ثناء
میل دو چشم عدو کردہ ز آتش بگفت — باد جہاں بادشاہ شاہِ جہانگیر باد

قائلہ راقمہ محمد معصوم المکہری

اس کے محاذ میں اندرونی فصیل میں جو دروازہ ہے یہ ہی ہتیا پول کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے جس پر کئی بُرج برجیاں بنی ہیں۔ اسی دروازہ کی چھت پر سرکاری جھنڈا لہرا رہا ہے۔ دوسرا دروازہ جنوبی جانب ہے اس کی عمارت بھی خوبصورت ہے یہ امر سنگھ دروازہ کے نام سے مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہے کہ اس کے سامنے راجہ امر سنگھ راٹھور کی مشہور عمارت نو محلہ امر سنگھ واقع تھی۔ تمام زائرین پہلے دہلی دروازہ میں ہو کر قلعہ کی سیر کو جاتے تھے اب امر سنگھ دروازہ میں ہو کر داخل ہوتے ہیں۔ امر سنگھ دروازہ

موتی مسجد

قلعہ کی سب سے زیادہ دلفریب اور نادر الوجود عمارت جو نہ صرف ہندوستان بلکہ طبقۂ روئے زمین پر اپنا نظیر و مثال نہیں رکھتی موتی مسجد ہے یہ عبادت گاہ نورانی عربی طرز عمارت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہے جسے ڈاکٹر نہٹر اپنی کتاب انڈین امپائر میں بجا طور سے دنیا بھر کی عبادتگاہوں سے افضل و برتر قرار دیتے ہیں۔ سیاحانِ یورپ اور مبصرین فنِ عمارت نے اس کی خوبصورتی اور طرز تعمیر کی بہت تعریف کی ہے اُن کا بیان ہے کہ یہ عمارت نہایت مکمل اور خالص عربی طرز کی ہے جس کی سادگی یورپ کے مشہور طرز عمارت ڈارک DORIC ART کے مطابق ہے۔ اس سادگی کے علاوہ اس کی عمارت کا تناسب اور اس کا اعلیٰ نقشہ بھی نہایت تعریف و توصیف کا مستحق ہے مبصرین فنِ عمارت۔ سیاحانِ عالم۔ اور معمولی سیر کرنے والوں غرضکہ ہر مذاق کے ناظرین کو یہ مجدانگانہ خوبصورتی اور بہار دکھاتی ہے اور ہر شخص کو اپنے اپنے مذاق کے موافق اس کے

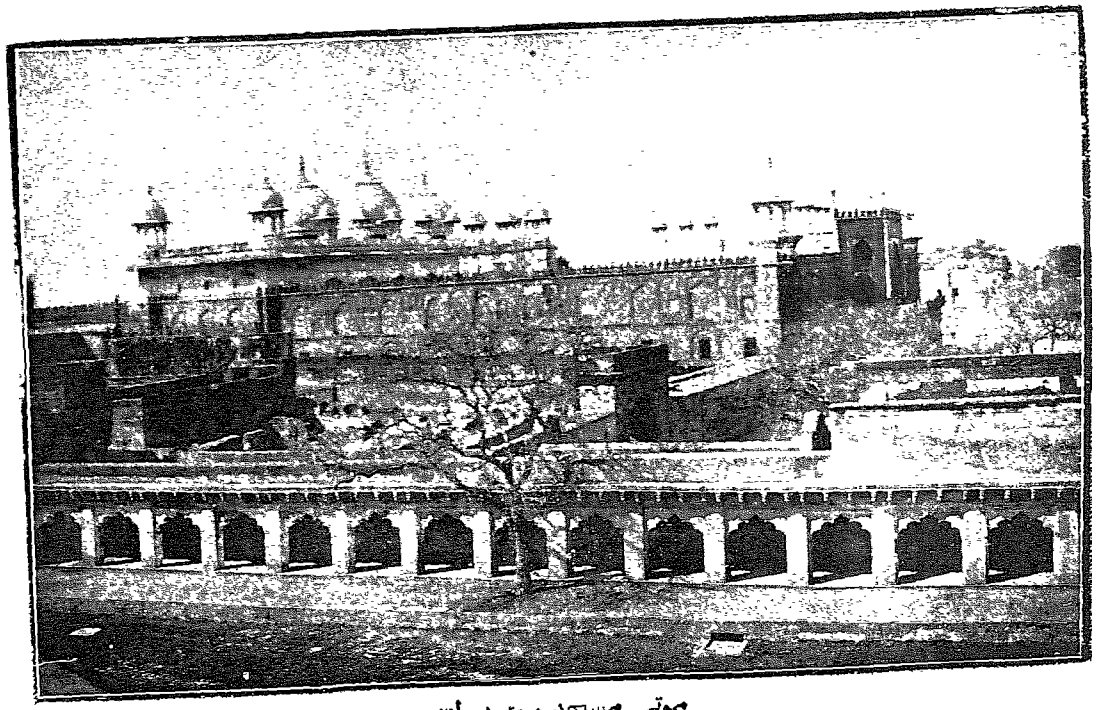

موتی مسجد معہ دروازہ

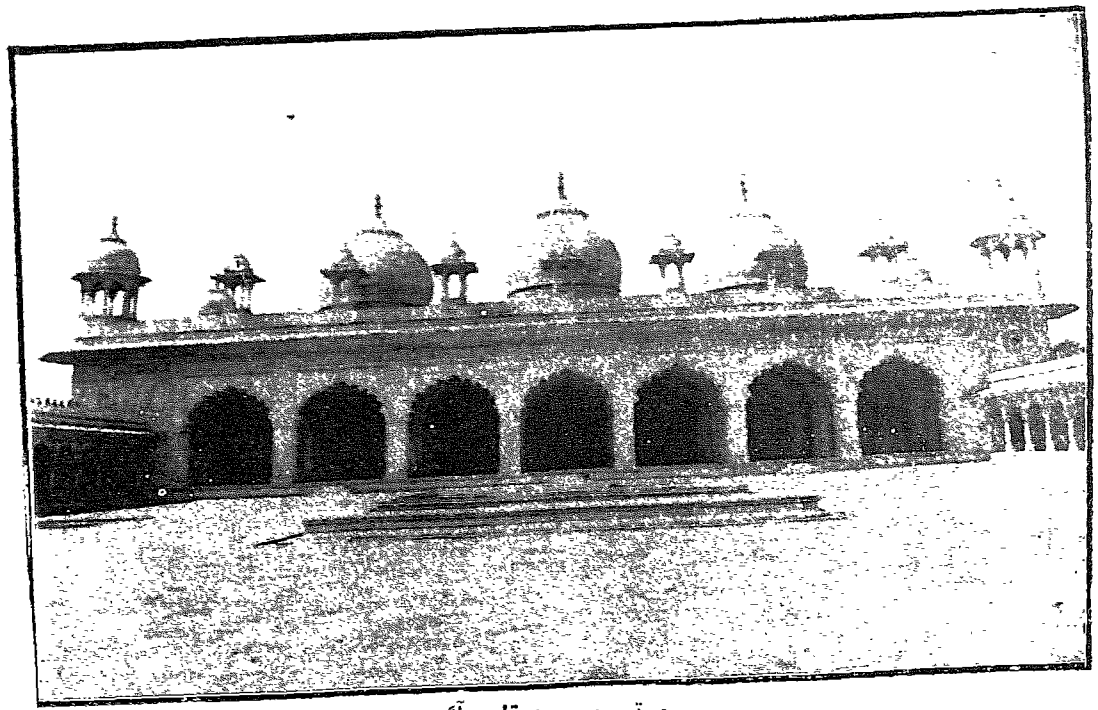

موتی مسجد قلعہ آگرہ

نظارہ سے لطف و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ فنِ عمارت کا مشہور مبصر فرگسن لکھتا ہے کہ اس کی خوبصورتی اس کے صحن میں محدود ہے جو کہ خالص سنگ مرمر کا ہے" دوسرا مؤرخ مسٹر ٹیلر کہتا ہے کہ قلعہ کے دور دراز نظاروں میں اس کے تین گنبد چاندی کے سے سیماب نظر آتے ہیں جو ایک لحظہ کے واسطے قلعہ کی دیواروں پر ٹھیرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور دوسری بادِ نسیم کے چلتے ہی نگاہ سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جس طرح خلوص دل کی عبادت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے اسی طرح یہ عبادت خانہ ایسا خالص اور بے داغ ہے کہ اس کے نظارہ نے میرے دل پر ایسا اثر پیدا کیا کہ باوجود عیسائی ہونے کے میں بھی جھک گیا اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارے شریف مذہب (عیسائی) نے اپنے ماہرین فنِ عمارت کے دل میں کبھی یہ بات نہیں ڈالی کہ کوئی ایسا عبادت خانہ بنائیں جو خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس عبادت خانہ پر فوقیت لیجائے"۔

ایک مصنف لکھتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کے واسطے یہ ایک پاک جگہ ہے۔ سر رچرڈ ٹیمپل کی رائے ہے کہ اس نے داغ مسجد سے بڑھکر کوئی دوسری جگہ گہرے مذہبی خیالات میں ڈوبنے کے واسطے مناسب نہیں ہو سکتی۔ ایک مؤرخ دہلی کی جامع مسجد اور اس کا مقابلہ کر کے لکھتا ہے کہ جامع مسجد دہلی تانیث اور موتی مسجد آگرہ تذکیر کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

یہ مسجد سطح زمین سے پندرہ گز کی بلندی پر تعمیر کی گئی ہے جس کے نیچے دو منزلہ حجرے اور دالان بنے ہیں۔ باہر کی طرف سنگ سرخ اور اندرونی جانب خالص سنگ مرمر لگا ہے شہر کے اکثر حصوں سے اس کے خوشنما اور عالی شان گنبد نظر آتے ہیں۔

اصل مسجد کا طول و عرض ۸۰ فیٹ × ۱۱ فیٹ ۸ انچہ ہے۔ جس میں سات محرابوں کے تین درجے اور شمال و جنوب میں ۳-۳ دروں کے زنانہ درجے ہیں جن میں درمیانی در کھلا ہوا اور باقی دروں میں سنگ مرمر کی نہایت نفیس و باریک جالیاں لگی ہیں۔ ستون اور محرابیں بہت خوبصورت اور خالص عربی طرز کا نمونہ ہیں۔ فرش میں سنگ موسیٰ وغیرہ کی پچیکاری سے خوشنما مصلوں کی نو قطاریں بنی ہیں۔ صحن شرقاً غرباً ۱۵۸ فیٹ ۵ انچہ اور شمالاً جنوباً ۱۶۶ فیٹ ۱۴ انچہ ہے۔ اس میں بھی سنگ مرمر کا

فرش ہے۔ شمال و جنوب اور مشرق میں ۱۱-۱۱ فیٹ چوڑے دالان اور درمیان میں خوشنما حوض بنا ہوا ہے۔ شمال و جنوب میں ۱۶-۱۶ اور مشرق میں ۸ دالانوں کی محرابیں ہیں۔ صحن میں ایک جگہ دھوپ گھڑی بھی بنی ہے چھت پر تین گنبد اور چاروں گوشوں پر ایک ایک مثمن برج اور صحن کی طرف سات برجیاں بنی ہیں۔ مشرقی دیوار کے گوشوں پر بھی دو مثمن برج موجود ہیں۔ تینوں جانب ایک ایک دروازہ ہے جن کے اوپر تین تین برجیاں بنی ہیں۔ گنبدوں اور جملہ برج برجیوں پر سنہرے کلس جگمگاتے ہیں جن کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ شمالی اور جنوبی دروازوں کا زینہ مستقف ہے شمالی اور مشرقی دروازہ اب عام طور سے بند رہتا ہے مشرقی دروازہ کے آگے سنگ سرخ کا چبوترہ ہے جس کے نیچے دو منزلہ دالان بنا ہے۔ شمال و جنوب میں ۴۹-۴۹ سیڑھیاں بنی ہیں۔ مسجد کی پیشانی پر خط نستعلیق میں سنگ موسیٰ کی پچکاری سے کتبہ کندہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کے حکم سے سات برس کے عرصہ اور تین لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۲ء میں یہ مسجد تیار ہوئی یہ شاہجہاں کے عہد کی سب سے اخیر عمارت ہے۔

دیوان عام

شاہجہاں کے زمانہ سے پیشتر دیوان عام کے واسطے کوئی عمارت موجود نہ تھی جھروکہ (نشین شاہی) کے آگے اکثر سائبان تان دیا جاتا تھا لیکن دھوپ اور بارش میں لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر حکم دیا کہ آگرہ اور لاہور اور برہان پور کے قلعوں میں دیوان عام کے واسطے ۴۸-۴۸ ستونوں کی عمارت تعمیر کی جائے چنانچہ چالیس ۴۰ دن کے عرصہ میں ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء میں یہ عمارت تکمیل کو پہنچی۔ طالب کلیم نے اس کی تعریف میں یہ رباعی موزوں کر کے پیش کی

رباعی
این تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست — رفعت حرفے ز رتبت پایہ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبز ش سرو بلند — کاسایش خاص و عام در سایہ اوست

دیوان عام کا طول و عرض ۱۹۲ فیٹ × ۶۴ فیٹ ہے اس کے ستون نہایت بلند اور سنگ سرخ

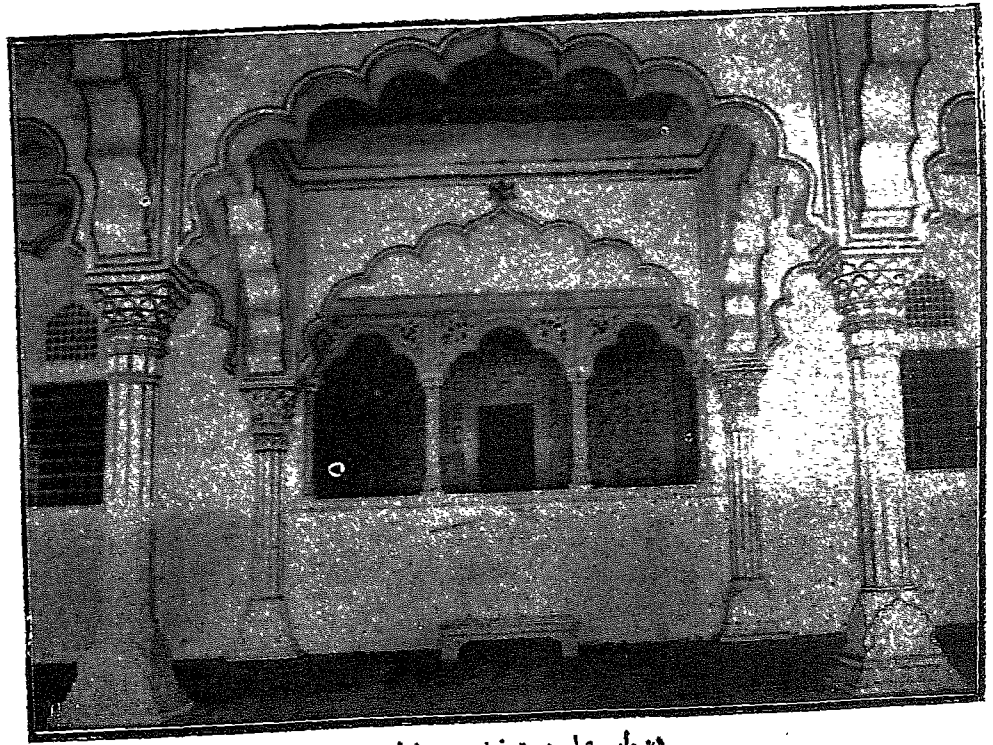

دیوان عام معہ نشیمن شاہی

کے ہیں جنہیں چونہ پٹیالی سے جو سنگ مرمری چونہ سے بھی اچھا ہوتا تھا سنگ مرمر کے ستونوں سے زیادہ خوبصورت بنا دیا ہے ان ستونوں پر سنہرا کام کیا ہوا ہے اور محرابیں بھی بہت خوبصورت ہیں بادشاہی زمانہ یعنی عہد شاہجہانی میں اس کے تینوں طرف چاندی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا[1] مغرب میں تو اور شمال و جنوب میں تین تین محرابیں ہیں۔ چونکہ مغربی جانب دوہرے اور گوشوں پر چوہرے ستون نصب ہیں اس وجہ سے کل ستون ساٹھ ہیں۔ جو اس ترتیب سے نصب ہیں کہ کل عمارت کے تین درجے ہو گئے ہیں۔

سفرنامہ نواب غوث محمد خاں والئی جاورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر سے قبل (۱۲۶۳ھ) اس عمارت میں سرکاری میگزین تھا جس میں علاوہ جدید ہتھیاروں کے قدیم زمانہ کے اسلحہ اور آلات حرب اور جھنڈیاں اور نشانات جو فتوحات میں سرکار کے قبضہ میں آئے تھے نہایت ترتیب اور آراستگی سے رکھے ہوئے تھے اور ہر ایک کا نام انگریزی۔ فارسی اور ہندی میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ دیوان عام کے مغرب میں بہت وسیع چوک ہے جس کے کناروں پر دالان اور متعدد دروازے بنے ہیں اور درمیان میں ایک باولی واقع ہے۔

نشیمن ظل الٰہی یا جھروکہ

دیوان عام کی مشرقی دیوار میں جھروکہ کی عمارت ہے جو نشیمن ظلِ الٰہی یا جھروکہ دولتخانۂ خاص و عام کے نام سے موسوم تھی تین در کی سنگ مرمر کی عمارت ہے جس کے در و دیوار میں بیش قیمت پتھروں کی نفیس پچیکاری اور چھت میں بھی پچیکاری اور طلائی گلکاری کی ہوئی ہے۔ اسی میں تخت طاؤس کے اوپر بیٹھکر بادشاہ اجلاس فرمایا کرتے تھے نیچے یعنی دربار عام میں اُمرا اور منصب دار بدست بستہ کھڑے رہتے تھے اور رعایا کا ہر ایک متنفس عرض حال کے لئے بلا کسی روک ٹوک کے اس جگہ باریاب ہو سکتا تھا۔ اس کے نیچے یعنی دربار عام میں سنگ مرمر کا ایک معمولی تخت اب تک بچھا ہوا ہے۔

تخت طاؤس کے اردگرد چاندی کا کٹہرہ نصب تھا اور چار طلائی مرصع ستونوں پر ایک

---

[1] بادشاہنامہ مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ ۲۲۲

لاکھ روپیہ قیمت کا خوبصورت شامیانہ جس میں سچے موتیوں کی جھالر لٹکتی تھی لگایا جاتا تھا۔
جھروکہ مذکور کا ایک دروازہ مشرق میں یعنی محلات کی طرف ہے۔ اُس کے قریب میں کئے دالان اور کوٹھریاں بنی ہیں۔
دیوان عام کے صحن میں مسٹر جان کالون صاحب لفٹننٹ گورنر کی قبر ہے جن کا انتقال ایام غدر میں ہوا تھا۔

دیوان خاص

اکبر کے عہد میں اس جگہ ایک عمارت تھی جس میں بادشاہ غسل کیا کرتے تھے اور خاص خاص امیر وزیر بخشی وغیرہ بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے۔ شاہجہاں نے از سر نو اس عمارت کو تعمیر کرا کر اس کا نام دولتخانۂ خاص رکھا لیکن عوام اُس کو غسل خانہ ہی کہتے رہے اب یہ دیوان خاص کے نام سے مشہور اور سنگ مرمر کی نہایت خوبصورت عمارت ہے۔

دیوان خاص میں دو دالان ہیں اندرونی دالان ۱۵×۹ گز ہے اس کے شمال میں تین در اور مشرق و مغرب میں ایک ایک سنیچی نما محراب بنی ہے۔ اس کے آگے دوسرا دالان ۲۶×۱۱ گز ہے اس میں شمالی جانب پانچ اور مشرق و مغرب میں تین تین در ہیں۔ درمیانی محرابوں کے اوپر تین کھڑکیاں ہیں جو سنگ مرمر کی نہایت نفیس و بے نظیر گلدستہ نما جالیوں سے بند ہیں۔ دونوں دالان فن تعمیر کے کمال کا نمونہ اور نہایت اعلیٰ درجہ کے منبت کار نقش و نگار سے مزین اور قیمتی پتھروں کی بے نظیر اور دل لبھانے والی باریک پچیکاری سے مرصع ہیں ان کے بارہ پھول کے ستون اور محرابیں بہت خوبصورت اور عربی صناعی کا نمونہ ہیں۔ چھت بہت خوبصورت سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے مربع ٹکڑوں سے جن کو نہایت صناعی سے باہم وصل کیا ہے پٹی ہے۔

ملا عبدالحمید لاہوری اس عمارت کی شان میں فرماتے ہیں ؎

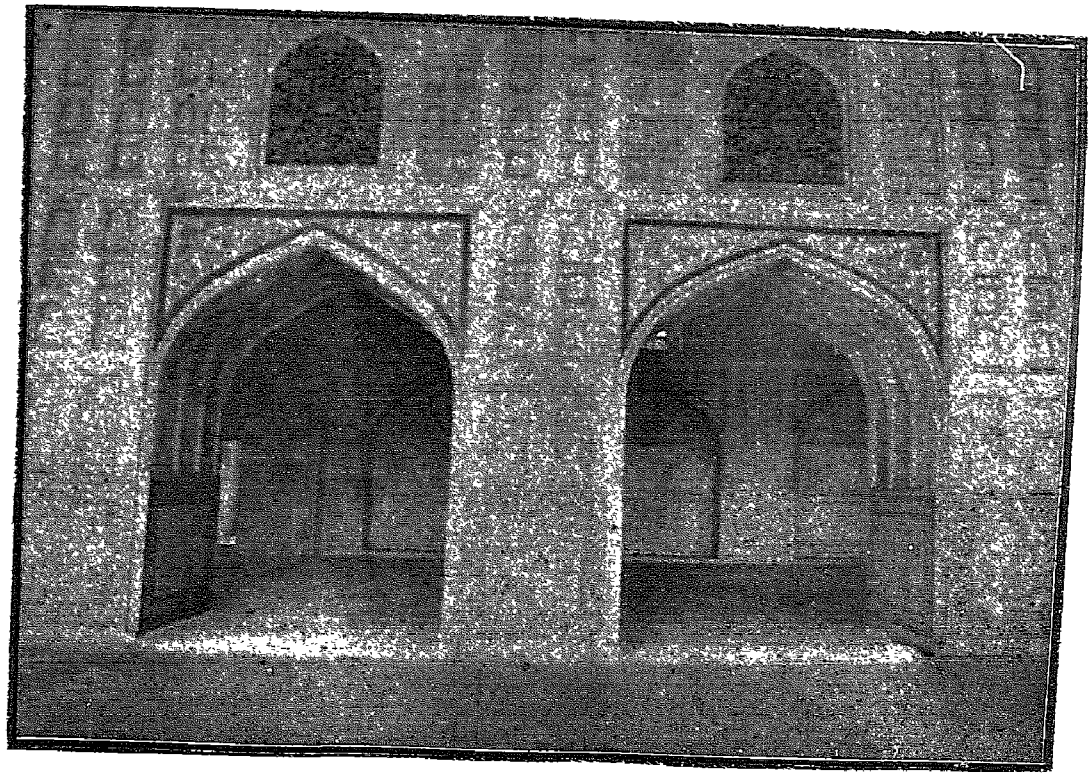

محرابهائی دیوان خاص

زہے فرخندہ قصرے کز لطافت ۔۔۔ جہاں را نسخہ خلد برین است
بزیب افروزی و زینت فزائی ۔۔۔ تو گوئی آسمانے بر زمین است

درمیانی محرابوں کی پیشانی پر شاہ موسیٰ کی پچکاری سے یہ بیتیں مرقوم ہیں جن کے درمیان میں۔ اللہ۔ محمدؐ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ کندہ ہے۔

از بس دل کشا قصر عالی بنا ۔۔۔ سرا اکبرآباد شد عرش سا
بود کنگرش از جبین سپہر ۔۔۔ نمایاں چو دندان سین سپہر
سجود در ایں سرائے سرور ۔۔۔ کند سر نوشتِ بداز ہبہ دور
شرافت یکے آیہ در شانِ او ۔۔۔ سعادت در آغوش ایوانِ او
رہِ جور از پیش کم بستہ است ۔۔۔ بزنجیر عدلش ستم بستہ است
بنازم بہ زنجیر کز عدل شاہ ۔۔۔ ہمہ چشم شد در رہ دادخواہ
بر احوال مردم چناں در حساب ۔۔۔ کہ داند چہ ہیند شبہا بخواب
در ایوانِ شاہی بصد احتشام ۔۔۔ چو خورشید بر تخت باد امدام
چو ایوان او عالم آرائے شد ۔۔۔ سرِ خاکِ او آسماں سائے شد
شہنشاہِ آفاق شاہِ جہاں ۔۔۔ کہ نازد بہ او روح صاحبقراں
بایں رونق و زیب و زینت مکاں ۔۔۔ ندیدہ بروئے زمیں آسماں
بود صحن بامش چو سیمائے مہر ۔۔۔ بزیرش فتادہ چو سایہ بسپہر
بنا بخشش اندیشہ آورد رو ۔۔۔ در فیض شد باز از چار سو
چنیں گفت طبع حقایق شناس ۔۔۔ سعادت سرائے ہمایوں اساس

اس آخری مصرعہ سے سال تعمیر ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء) نکلتا ہے۔

دیوان خاص کے صحن میں جو ۴۱ گز لمبا ۲۹ گز چوڑا ہے مغرب کی جانب سنگ مرمر کا چبوترہ تھا جس پر گرمیوں کے موسم میں بادشاہ بیٹھا کرتے تھے اس کے نیچے اشرفیوں کا خزانہ

تھا اسکے آگے ۶۶ گز لمبا اور ۵۵ گز چوڑا دوسرا صحن تھا اس صحن کے تین طرف عمارتیں بنی ہوئی تھیں جن میں جواہرات اور مرصع آلات کا خزانہ تھا صحن کے جنوب میں سنگ مرمر کے چار ستونوں پر ایک نہایت پر تکلف اور خوبصورت نشیمن شاہی (نشست گاہ) بنی ہوئی تھی اب انمیں کوئی عمارت باقی نہیں رہی صاف میدان پڑا ہے البتہ دیوان خاص کے مغربی جانب ایک نشست گاہ سنگ مرمر کی موجود ہے۔

جہانگیری

میدانمیں سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر کے دو تخت رکھے ہیں جس میں سنگ موسیٰ کا تخت بہت خوبصورت ہے جو ۱۰ فیٹ ۷ انچ لمبا ۹ فیٹ ۱۰ انچ چوڑا اور ۱۶ انچ موٹا ہے اسکے اطراف میں بخط نستعلیق یہہ کتبہ کندہ ہے ؎

چوں شاہ سلیم وارث تاج و نگین — بر تخت نشست ذلست گیتی آئین
شد اسم مبارکش جہانگیر چو ذات — ذر نور عدالت بنقش نور الدین
بادشاہے کہ تیغ او سازد — چوں دو پیکر سر عدو بہ دو نیم
باشد ایں تختگاہ فرخندہ — تکیہ گاہ خدا گیان کریم
محک خسروان پائے ملک — مہر و مہ را عیار بر زر و سیم
مسند با صفا ز نور رضیا — گوہرے بہا چو در یتیم
پئے تاریخ او بفکر شدم — مدد ے جستم از خدائے حکیم
۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء)
تا فلک تختگاہ خورشید است — گفت ماند سریر شاہ سلیم
سریر حضرت سلطان سلیم اکبر شاہ — ہمیشہ باد مزین بنور مہر الٰہ

اسم سامی پیش از جلوس شاہ سلیم و بعد ازاں نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

بلند مرتبہ باد از فلک بحکم الٰہ — سریر شاہ جہاں گیر ابن اکبر شاہ

یہہ تخت درمیان میں سے ٹوٹ گیا ہے جس کی نسبت یہہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ جب سورج مل جاٹ قلعہ پر قابض ہوکر اس تخت پر بیٹھا فوراً تخت شق ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب

جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بواقعات سنہ جلوس اس تخت کے پتھر کا الہ آباد سے لائے جانے کا ذکر لکھا ہے آگرہ سے دولت خاں نام ایک امیر اس کے لینے کے واسطے الہ آباد گیا

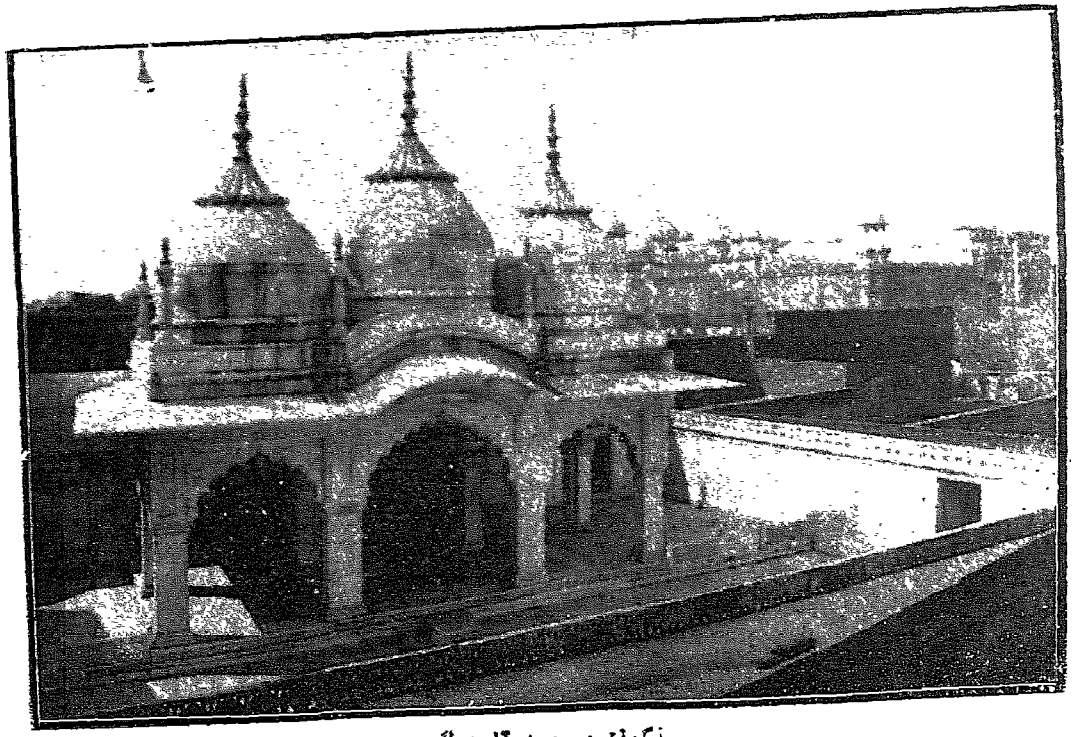

نگینه مسجد قلعه اگره

تھا جہانگیر اُس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

نگینہ مسجد

دیوان عام کے قریب اور مچھی بھون کے گوشہ شمال و مغرب میں یہہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد واقع ہے جو مثل موتی مسجد کے باہر سے سنگ سُرخ اور اندر سے سنگ مرمر سے بنی ہے زمانہ حال کے اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ اس مسجد کو اورنگ زیب نے مستورات کے واسطے بنایا تھا مگر جبکہ محلات کے قریب زنانی مسجد علیحدہ موجود ہے اور یہہ مسجد زنانہ محلات سے بہت دُور ہے تو یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا میرے خیال میں یہہ شاہجہانی عمارت اور موتی مسجد سے بیشتر کی تعمیر ہے کیونکہ موتی مسجد شاہجہاں کے اخیر عہد میں تعمیر ہوئی ہے اگر اُس وقت یہہ مسجد موجود نہ ہوتی تو قلعہ کے اندر کسی مسجد کا موجود نہ ہونا تعجب انگیز ہے[1] یہہ مسجد ۴۵ فیٹ ۱۲ انچ لمبی اور ۱۹ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین تین محرابوں کے دو دالان ہیں۔ شمال و جنوب میں ۱۳-۱۳ فیٹ چوڑے چبوترے ہیں مثل مسجد کے ان پر بھی ۵-۵ مصلّوں کی تین تین قطاریں بنی ہیں آگے ۴۴ فیٹ چوڑا صحن ہے جس میں ایک حوض بنا ہے اور قریب کی دیوار میں جھرنا لگا ہے۔ چھت پر تین گنبد اور آٹھ مناریاں بنی ہیں۔ گنبدوں پر سُنہرے کلس ہیں۔ جن میں درمیانی گنبد کا کلس بہت خوبصورت ہے جس میں ہلال بھی بنا ہے مسجد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس کی نسبت گائڈ لوگ ناواقف سیّاحوں سے بیان کرتے ہیں کہ شاہجہاں اس میں قید تھا اور اُسے اِس سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس غلط بیانی سے غیر ملک کے سیّاحوں اور تاریخ سے ناواقف آدمیوں کو دھوکہ ہوتا ہے حالانکہ اُس عہد کی تاریخوں اور مشہور سیّاح ڈاکٹر برنیر کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو تمام شاہی محلوں میں رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کی عام اجازت اور آزادی حاصل تھی اور اورنگ زیب کا برتاؤ باپ کے ساتھ دھریانی اور ادب سے خالی نہ تھا اور وہ حتی الامکان ہر طرح

[1] یہہ بھی ممکن ہے کہ یہہ وہ اکبری مسجد ہو جس کی تعمیر کا ذکر قلعہ کی تعمیر کے ساتھ عقائی خاں نے منتخب اللباب میں کیا ہے۔

سے باپ کی خاطر داری کرتا اور کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔

اس مسجد کے قریب ایک خوبصورت نشستگاہ بنی ہے جہاں سے روضہ ممتاز محل اور جمنا کا منظر نہایت خوشنما ہے دیوان خاص۔ دیوان عام۔ نگینہ مسجد اور حمام کے درمیان میں جو وسیع قطعہ ہے اس میں مچھی بھون کی خوبصورت عمارت بنی تھی جس میں سنگ مرمر کے اندر سنگ موسیٰ سنگ ابری اور دیگر بیش قیمت پتھروں کی پچیکاری کا نفیس کام تھا مختلف الوضع حوضوں میں عمدہ نقش و نگار بنے تھے نہریں جاری تھیں۔ سیکڑوں فوارے چلتے تھے۔ آبشاریں اور چادریں گرتی تھیں غرضکہ نہایت دلکش اور فرح بخش مقام تھا۔ جب سورج مل جاٹ کا قلعہ پر قبضہ ہوا وہ اس بے نظیر عمارت کو کھدوا کر سب عمدہ پتھر ڈیگ لے گیا اور انہی پتھروں سے وہاں مچھی بھون بنوایا۔ کچھ پتھر انگریزی عملداری تک موجود تھے جو لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل کے حکم سے نیلام کر دئے گئے۔ مچھی بھون کے مشرقی ضلع میں جو دروازہ ہے وہ چھوٹا دروازہ کے نام سے مشہور اور ۱۷۵۷ء میں فتح چھوٹا گڈھ کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔

مچھی بھون

چھوٹا دروازہ

حمام

دیوان خاص کے صحن کے شمالی جانب یہ شاہی حمام واقع ہے۔ اس میں کئی درجے ہیں۔ وسط میں ایک بڑا حوض ہے جس میں فوارے چھوٹا کرتے تھے۔ پچیکاری اور سنگ تراشی کا خوبصورت کام تھا اور اکثر درجوں میں شیشہائے حبشی سے آئینہ بندی کی گئی تھی۔ اگرچہ اس کی گذشتہ خوبصورتی اب باقی نہیں رہی لیکن اکثر جگہ کی آئینہ بندی اب تک موجود ہے۔ مشرقی جانب یعنی دریا کی طرف چھ دروازہ ہیں جن میں آئینہ بندی تھی۔ کئی ٹوٹے پھوٹے حوض باقی ہیں۔

مثمن برج

مثمن برج جو شاہی زمانہ میں شاہ برج کے نام سے موسوم تھا دیوان خاص سے ملا ہوا

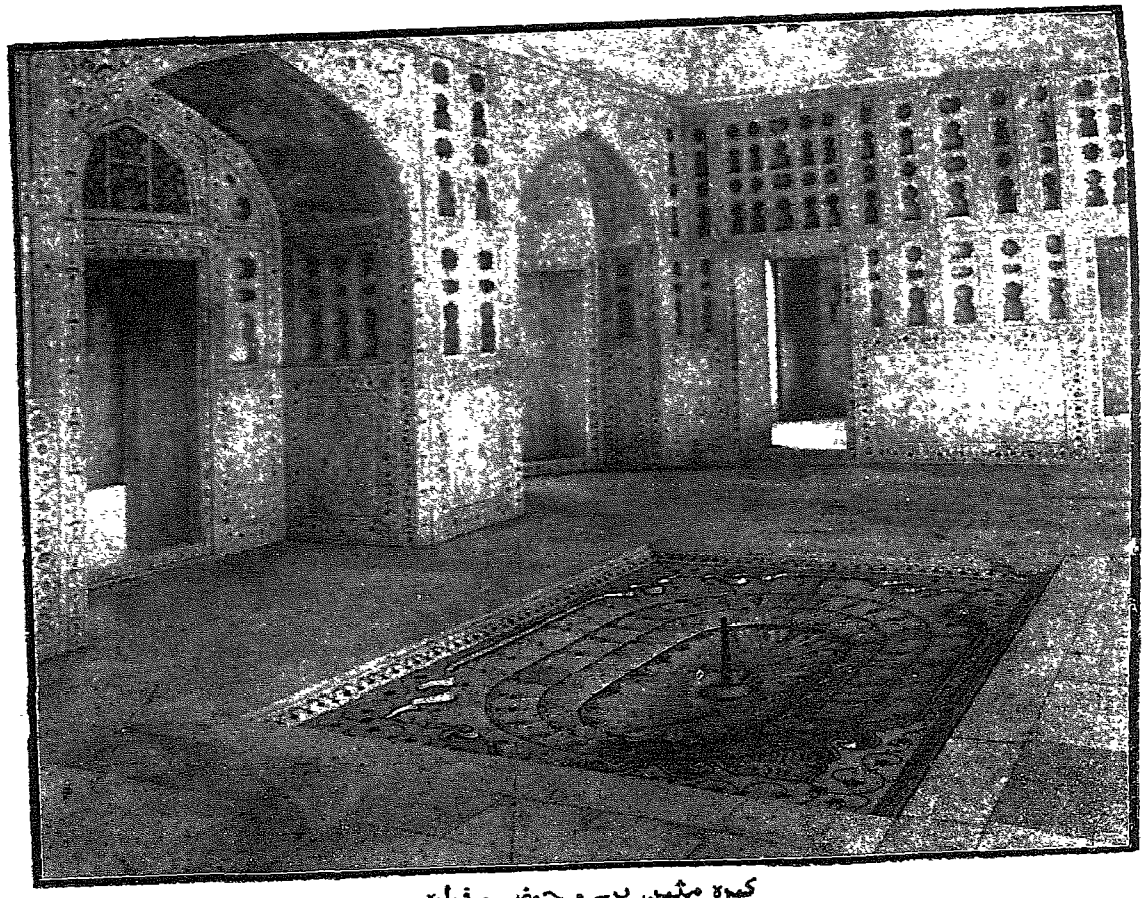

کمره مثمن برج و حوض و فواره

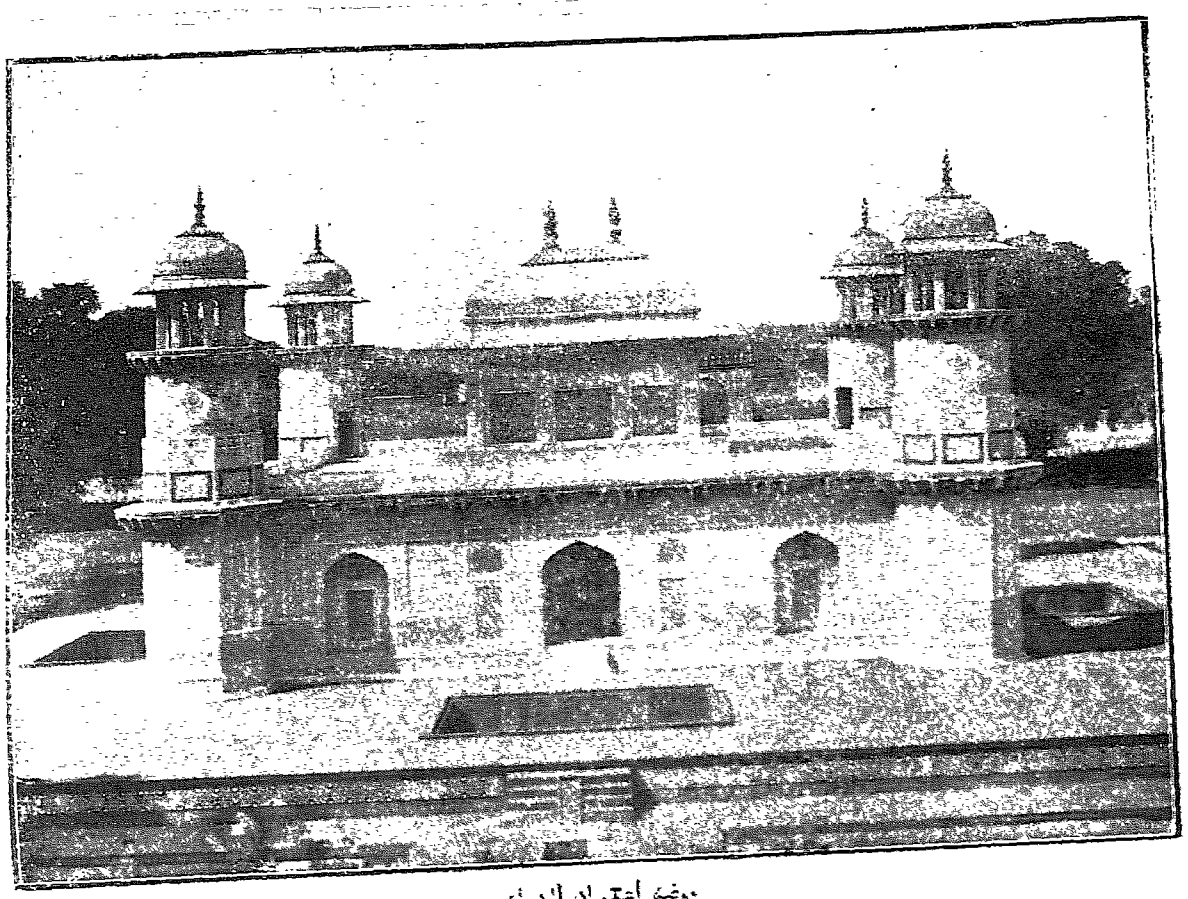

روضة اعتماد الدولة

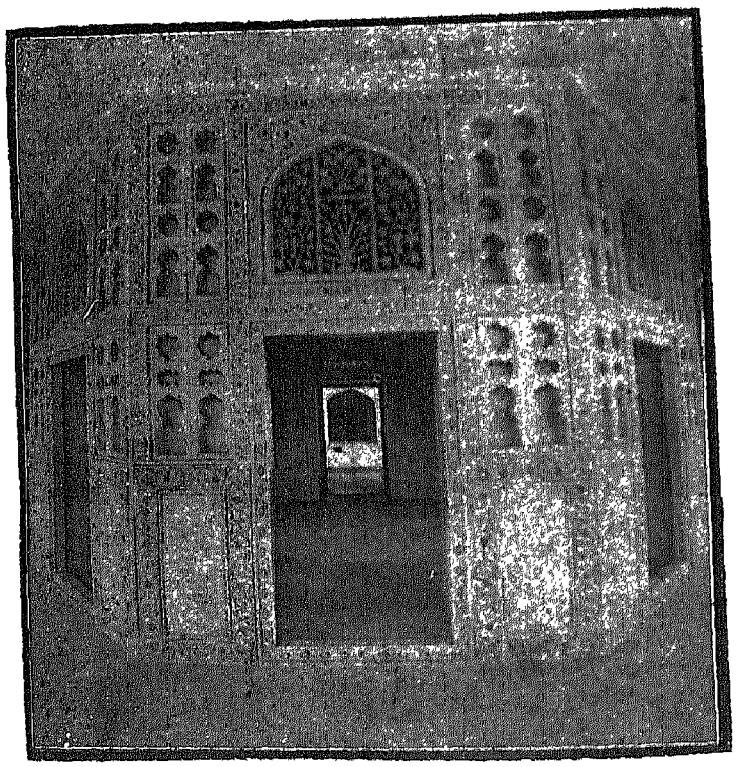

کمرہ مشن بلڈنگ

مشرقی جانب واقع ہے۔ اسکی بدیع المثال اور اعجوبۂ روزگار صناعیاں حدِ بیان سے باہر ہیں۔ صنّاعانِ عدیم المثال نے جواہر گراں بہا کی پچیکاری و نازک طلائی نگونہ کاری اور طرح طرح کی نفیس منبت کاری سے اس کو رشکِ فردوس بنا دیا تھا۔ اگرچہ جاٹوں نے اپنے چند روزہ حکومت کے زمانہ میں اس کے تمام قیمتی پتھر اُکھاڑ لئے مگر اب بھی اس کی خوبصورتی اور باقیماندہ پچیکاری اور گلکاری کو دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

فرگسن صاحب کا یہ خیال کہ مثمن بُرج کی عمارت اکبری یا جہانگیری عہد کی تعمیر ہے بالکل غلط ہے اکبر کے دولت میں بھی اس بُرج کی عمارت سنگ مرمر کی تھی جہانگیر نے اس کے آگے کچھ ایوان سنگ مرمر کے اور بنوائے شاہجہاں کی نفاست پسند طبیعت نے اِس عمارت کو پسند نہ کیا اور کل عمارت کو منہدم کرا کر موجودہ عمارت از سرِ نو تعمیر کرائی[1]

زنجیر عدل

جہانگیر نے تخت پر بیٹھکر اول یہ حکم صادر کیا "بعد از جلوس اوّلین حکمے کہ از من صادر گشت بستن زنجیر عدل بود کہ اگر متصدیانِ مہمات دارالعدالت در داد خواہی و غور رسی ستم رسیدگان و مظلوماں اہمال و مداہنہ ورزند آں مظلوماں خود را بدیں زنجیر رسانیدہ سلسلہ جنباں گردند تا صدائے آں باعث آگاہی گردد۔ وضع آں بریں نہج است کہ از طلائی ناب فرمودم زنجیرے سازند طولش سی گز مشتمل بر شصت حلقہ وزن آں چہار من ہندوستانی کہ سی و دو من عراق بود باشد یک سرش بر کنگرہ شاہ برج قلعہ آگرہ استوار ساختہ سر دیگر را تا کنارہ دریا بُردہ بر میل سنگین کہ نصب شدہ بود مستحکم ساختند" چنانچہ یہ زنجیر عدل اسی بُرج کے کنگورے پر باندھی گئی تھی جس کا سنگین ستون دریائے جمنا کے کنارے مرہٹوں کے وقت تک موجود تھا۔

شاہجہاں کا آرامگاہ بھی یہیں بُرج تھا اسی میں ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء شب یکشنبہ کو آدھی رات سے کچھ پہلے اس نیک نام اور ہردلعزیز بادشاہ کا انتقال ہوا۔ وفات کی تاریخ یہ ہے ؎

سالِ تاریخ فوت شاہجہاں — رضی اللہ گفت اشرف خاں ۱۰۷۶

[1] بادشاہنامہ جلد اول بقیہ دوم صفحہ ۲۳۹

یہ مثمن برج دو منزلہ ہے جس کے اوپر اب سنہرا پتر چڑھا ہوا ہے۔ اس کا قطر ۸ گز کا ہے منجملہ آٹھ دروازوں کے پانچ دروازے جمنا کی طرف ہیں جن کے آگے ۱۵ در کی غلام گردش واقع ہے۔ درمیان میں مشرقی جانب چار ستونوں کی خوشنما شہ نشین بنی ہے۔ مغربی جانب ایک دالان بنا ہے یہ آرامگاہ مُعلّٰی کے نام سے موسوم تھا اس دلان میں مشرقی جانب تین محرابیں ہیں درمیان میں نہایت خوشنما اُتھلا حوض بنا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہیں۔ دالان کے آگے وسیع صحن ہے جس کے شمالی جانب کنگورہ دار خوشنما جالیاں اور مغربی جانب بکدرہ بنا ہوا ہے جس میں آبشار کا جھرنا لگا ہوا ہے۔ اِس جھرنے سے پانی گر کر نالی کے ذریعہ سے حوض میں پہنچتا تھا یہ کل عمارت خالص سنگ مرمر کی ہے جس میں عقیق و مرجان اور دیگر احجار رنگین سے نہایت نفیس و باریک پچیکاری اور خوشنما منبت کاری کی ہوئی ہے جس کی خوشنمائی حدِ بیان سے باہر ہے۔ اکثر مقامات پر طلائی گلکاری کے نشانات بھی اب تک موجود ہیں۔ غلام گردش کے ستونوں اور محرابوں اور حوض پر بھی باریک کام کیا ہوا ہے اور برج کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے خوشنما طاق بنے ہیں شاہ برج کے جنوب میں تین در کی ایک نشستگاہ بنی ہے جس کے شمالی اور جنوبی گوشے میں ایک ایک حجرہ ہے ان حجروں میں چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہیں اور مشرقی جانب یعنی دریا کی طرف کے دروں میں آئینہ بندی کی ہوئی ہے چھت نشستگاہ کی راولپنڈی ہے جس کے اوپر پیتل کا پتر چڑھا ہوا ہے اور چودہ کلس لگے ہیں آگے وسیع صحن ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔

زنانی مسجد

دیوان خاص کے گوشے جنوب و مغرب میں تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی لمبائی ۲۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۱½ فیٹ ہے دیوان خاص کی پشت پر ایک راستہ ہے اس راستہ سے گذر کر اس مسجد میں پہنچتے ہیں۔ یہ سنگ مرمر کی نفیس مسجد حرم سرا کی بیگمات اور شاہزادیوں کے واسطے

(۱) قلعہ کی عمارتوں کی پیمائش جہاں گز میں دی گئی ہے اُس سے مُراد شاہجہانی گز ہے جس کی لمبائی جالیس انگشت تھی جو برابر ہے ۳۹ انچ انگریزی کے

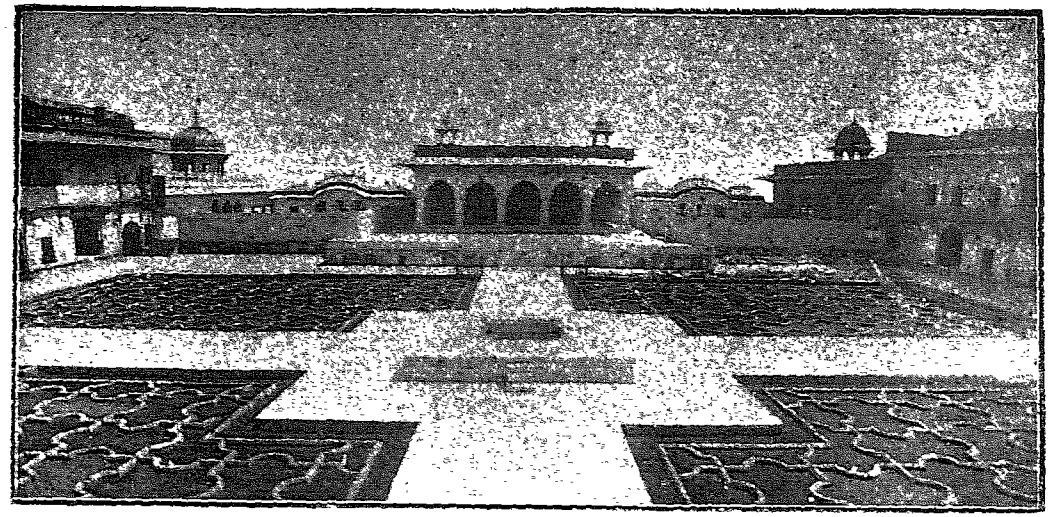

خاص محل مع انگوری باغ

بنائی گئی تھی۔ اس میں دو قطار میں ۱۸ مصلے بنے ہیں۔ صحن شرقاً غرباً ۳۱ فیٹ اور شمالاً جنوباً ۲۰ فیٹ ۸ انچ ہے اس کا فرش بہت خوبصورت ہے۔

شیش محل

دیوان خاص کے نیچے اور انگوری باغ کے شمالی جانب ایک زنانہ حمام یا غسل خانہ ہے جو اب شیش محل کے نام سے موسوم اور نہایت دار السرور ہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں بہت سے انگریز اس عمارت میں مقیم تھے۔ محلات کے زنانہ درجہ میں یہ بہت خوبصورت اور دلچسپ جگہ ہے اس کے در و دیوار پر بعض جگہ آئینہ بندی اور بعض جگہ طلائی شگوفہ کاری اور رنگہائے گوناگوں سے طرح طرح کی گلکاری کی ہوئی ہے۔ اس میں دو حوض ہیں۔ پہلے حوض میں ایک جھرنے کے ذریعہ سے پانی پہنچتا تھا اور اس میں بھر کر ایک نہر کے ذریعہ سے جس کی لمبائی ۱۱ گز اور چوڑائی ایک گز ہے دوسرے بڑے حوض میں گرتا تھا۔ جب حوض میں آبشار گرتی ہوگی نہر میں پانی رواں ہوگا۔ فوارے چلتے ہونگے رنگ برنگ کی روشنی میں ہزاروں شفاف نگینے چمکتے ہونگے کیا خوبصورت اور عجیب و غریب منظر پیدا ہوتا ہوگا۔ اِس شکستہ حالت میں بھی جب خادم مہتابی دیا سلائی جلاتا ہے تو چند سکنڈ کے واسطے طلسماتی منظر پیدا ہو کر الف لیلہ کی کہانیوں کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔

محل خاص

مثمن برج سے ملا ہوا جنوبی جانب یہ محل واقع ہے یہ شاہجہاں کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کے واسطے بنایا گیا تھا جو بیگم صاحبہ کے خطاب سے موصوف اور باپ کی نہایت منظور نظر اور ایام قید میں بھی باپ کی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک تھیں ان کی جاگیر کی آمدنی ساٹھ لاکھ روپیہ سال تھی اور شاہجہاں کی سلطنت میں ان کو بیحد اختیار و اقتدار حاصل تھا یہ محل دریائے جمن کے سامنے ستر فیٹ کی بلندی پر سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی منبت کاری

اور طلائی گلکاری سے آراستہ اور طرح طرح کے تکلفات سے پیراستہ تھا جس کا کچھ نمونہ اب تک باقی ہے۔ دریا کی طرف دالان بنا ہے جس کے شمال و جنوب میں سنگی محرابیں ہیں مشرقی دروازوں میں آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ آگے دوسرا دالان ہے جس میں پانچ محرابیں مغربی جانب اور تین تین شمال و جنوب میں ہیں چھت بہت خوبصورت اور خاص صنعت کے ساتھ پاٹی گئی ہے۔ دالانوں کے نیچے وسیع صحن ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش اور درمیان میں بہت خوشنما اور وسیع حوض ہے جس میں گوشوں اور کناروں کے چھوٹے چھوٹے فواروں کے علاوہ درمیان میں پانچ بڑے فوارے لگے ہیں۔ جنوبی جانب اسی طرز کی تین در کی نشستگاہ بنی ہے جیسی مثمن برج کے جنوبی جانب ہے اس کے بعد مثمن برج کے جواب میں اسی طرز کا سنگ سرخ کا دو منزلہ برج بنا ہے جس کے اندر نفیس صندل پر طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جس کا کچھ نمونہ اب تک موجود ہے۔

پھانسی گھر — محل خاص کے زیریں قطع کو پھانسی گھر بتایا جاتا ہے وہ بالکل بے اصل اور خلاف عقل و واقعہ

انگوری باغ

یہ آرامگاہ معلی اور محل خاص کا پائیں باغ محل خاص کے سامنے مغربی جانب واقع ہے اس میں چار حمن بنے ہیں جن میں سنگ سرخ کی لہریدار کیاریاں ہیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا حوض اور روشیں بنی ہیں۔ شاہی زمانہ میں اس میں طرح طرح کے خوشنما پھول جو اپنی بھینی بھینی خوشبو سے نہ صرف باغ بلکہ محلات قریب و جوار کو بھی معطر رکھتے تھے اور عمدہ عمدہ میووں کے درخت موجود تھے جنکی وجہ سے یہاں باغ ارم کا جلوہ نظر آتا تھا بادشاہ نے کشمیر کے اس مقام سے جہاں زعفران پیدا ہوتا ہے اس کے واسطے مٹی منگوائی تھی اب بھی انگریزی طرز پر یہ باغ سرسبز و شاداب ہے اسکی لمبائی ۲۳۵ فیٹ اور چوڑائی ۱۷۰ فیٹ ہے۔ اردگرد سنگ سرخ کے دالان بنے ہیں اور یہیں سے اکبری اور جہانگیری عمارت شروع ہوتی ہے۔ ایک دالان میں محمود غزنوی کے مقبرہ کا صندلی پھاٹک رکھا ہوا ہے جسے ابتدا میں غلطی سے سومنات کے مندر کا پھاٹک سمجھا گیا تھا

دروازہ جنوبی مسجد

چنانچہ اس مضمون کا اشتہار انگریزی۔ اردو اور ہندی میں اسپر چسپاں ہے۔

جہانگیری محل

انگوری باغ کے جنوب میں سنگ سرخ کی کئی عالیشان عمارتیں ہیں جو اکبری اور جہانگیری عہد کی باقی ماندہ یادگار اور جہانگیری محل کے نام سے موسوم ہیں ان عمارتوں میں متعدد قطعے ہیں جن میں اکثر دو منزلہ سہ منزلہ اور ہندوانی طرز کے مشابہ ہیں۔ ان عمارات کا صدر دروازہ نہایت شاندار ہے جو مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے اطراف میں نفیس سنگ تراشی اور خوبصورت سنگ مرمر کی پچیکاری کی ہوئی ہے۔ آس پاس دیواروں پر خوشنما محرابیں بنی ہیں۔ محل کی مشرقی دیوار پر بیرونی جانب ہاتھیوں کی لڑائی کا منظر دکھایا ہے اور چودہ پندرہ جگہ برابر برابر دو دو ہاتھی سونڈیں ملائے ترشے ہیں۔

ان محلات میں علی العموم منقش پتھر لگا ہے بعض بعض جگہ رنگین نقش و نگار بھی موجود ہیں ہاتھیوں موروں اور دیگر جانوروں کی تصویریں اکثر جگہ پتھروں میں ترشی ہوئی ہیں کسی کسی جگہ چینی کا تخفیف کام بھی باقی رہ گیا ہے۔ اس قطعے میں جو جودھا بائی کے نام سے موسوم ہے پرکھا اور ایک طرف مندر بنا ہے۔ جو جودھا بائی کو ناواقف گائڈ اکبر کی بی بی اور جہانگیر کی ماں بیان کرتے ہیں حالانکہ جہانگیر کی بی بی اور شاہجہاں کی ماں تھیں۔ اس محل کی درمیانی منزل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں اور کیلیریاں بطور بھول بھلیوں کے بنی ہیں ایک دالان میں گذشتہ طلائی رنگ آمیزی اور گلکاری کا تھوڑا سا نمونہ نمونہ از خروارے بنا کر دکھایا گیا ہے چھت پر چڑھنے کے واسطے متعدد زینے بنے ہیں کوٹھریوں اور نقش و نگار کی ساخت فتحپور سیکری کی عمارات سے ملتی جلتی ہے۔

جہانگیری حوض

جہانگیری محل کے بیرونی میدان میں وہ سنگین حوض رکھا ہے جسے جہانگیر نے ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) میں بنوایا تھا۔ یہ حوض ۵ فیٹ بلند ہے اس کا محیط ۲۵ فیٹ قطر ۸ فیٹ اور گہرائی ۲ فیٹ ہے اور ایک پتھر میں تراشا گیا ہے۔ اس حوض پر قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ جس کے اب صرف یہ دو شعر

پڑھنے میں آتے ہیں ؎

پناہ ملک دیں شاہِ جہانگیر ابن اکبر شاہ — شہنشاہے کہ از تدبیر او شد کار تقدیرے
طلب کردند چوں از خضر سال و خرد گفتا — نہاں شد از نجالت زمزم از حوضِ جہانگیری
۱۰۱۹

واٹر ورکس یا کارخانہ آب رسانی

جہانگیری محل کے شمال و مشرق گوشہ میں کارخانہ آب رسانی واقع ہے جس کے اب صرف دو حوض باقی ہیں۔ جہانگیری محل کے شمال و مشرق گوشہ میں زینہ بنا ہے اُس پر چڑھ کر ان حوضوں تک پہنچتے ہیں دریا سے ان حوضوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا جس کا سلسلہ اب شکست ہو گیا ہے۔ پھر ان حوضوں سے تمام قلعہ میں پانی دیا جاتا تھا۔ آخری حوض کے اوپر سوراخ بنے ہیں اور ہر قلبہ کا نام کندہ ہے کہ یہ فلاں حوض یا حمام کا قلبہ ہے جس جگہ پانی پہنچانا ہوتا تھا وہی قلبہ کھول دیا جاتا تھا حسب ذیل قلبوں کے نام اب تک کندہ ہیں۔ قلبہ حمام خورد۔ قلبہ آبجوری۔ قلبہ حمام کلاں۔ قلبہ حوض کلاں قلبہ مرغول۔

باولی

جہانگیری محل کے قریب جنوبی جانب منہدمہ محلات کے کھنڈروں میں یہ سنگ سرخ کی عالیشان باولی واقع ہے جس میں نیچے سے اوپر تک چھ منزلیں ہیں سب سے نیچے کے درجہ میں چار اور باقی درجوں میں چھ چھ دروازے ہیں۔ اُس میں اُترنے کے واسطے دو راستے ہیں جن میں ایک زینہ میں اوپر سے نیچے تک $۱\frac{۱}{۲}+۳+۱\frac{۲}{۵}+۱\frac{۳}{۶}+۱\frac{۴}{۵}+۱\frac{۵}{۴}+۱\frac{۶}{۱۳}$ کل ۹۶ سیڑھیاں بنی ہیں۔

سلیم گڈھ

دیوان عام کے سامنے مغربی جانب سنگ سرخ کی جو بارہ دری نظر آتی ہے وہ سلیم گڈھ کے نام سے مشہور اور سلیم شاہ ابن شیر شاہ سور کی یادگار بتائی جاتی ہے۔ یہ ایک سنگین چبوترہ پر بنی ہے اس

اس میں چاروں طرف تین تین دروازے ہیں پتھروں پر نقاشی کی ہوئی ہے اور توڑے بھی بہت خوبصورت ہیں۔

مینا بازار

موتی مسجد کے گوشہ جنوب و مغرب میں مینا بازار کی عمارت ہے۔ جہاں زنانہ بازار لگا کرتا تھا۔ دوکانوں پر تمام عورتیں ہی عورتیں نظر آتی تھیں۔ اُمرا اور شرفا کی بیبیوں کو عام اجازت تھی کہ جو چاہے آکر تماشہ دیکھے۔ سودا بھی زیادہ تر زنانہ ہی رکھا جاتا تھا ہر ہفتے میں ایک مرتبہ یہہ بازار لگا کرتا تھا اُس دن کا تمام خوش روز تھا۔ اس مینا بازار کے دن اکثر نسبتیں اور رشتے بھی ہو جاتے تھے۔

باب چہارم

عمارات لب دریائے جمن جانب مشرق

سکندر لودی اور بابر اور ہمایوں کے عہد میں آگرہ دریا کے دونوں طرف برابر آباد تھا یعنی دریا شہر کے وسط میں بہتا تھا اکبر کے زمانہ سے مغربی جانب آبادی بڑھی اور مشرقی آبادی کو تنزل ہوتا گیا لیکن سلطنت مغلیہ کے اخیر عہد تک مشرقی آبادی کا دور ڈھائی کوس تھا اور دریا کے کنارے تو چار کوس تک باغات اور مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا جس کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں۔ اب اس جانب کی آبادی مسلسل قائم نہیں رہی اور بجائے ایک آبادی کے اعتماد الدولہ۔ منہائی۔ شاہدرہ۔ کچھپورہ۔ کٹرہ وزیر خاں۔ کٹرہ رام باغ کے نام سے چھ مقامات پر دیہاتی طرز کی جدا گانہ آبادی ہے ریلوے اسٹیشن نے اس جانب کی آبادی اور آثار قدیمہ کے بڑے حصہ کو نیست و نابود کر دیا

چنانچہ جس مقام پر اب اسٹیشن واقع ہے یہاں شاہی زمانہ میں بہت بڑا محلہ آباد تھا جو شیخ
محلہ مفتی پورہ بہار الدین مفتی کی نسبت سے مفتی پورہ کے نام سے موسوم تھا۔ اب اس محلہ کے کوئی آثار باقی نہیں
رہے۔ اس محلہ میں بڑے بڑے عالم فاضل آباد تھے جن کے مزارات کا بھی اب پتہ نہیں چلتا۔

ان مفتی ان علما میں سب سے زیادہ مشہور شیخ بہاؤالدین مفتی تھے جو شیخ شمس الدین ابن محبوب اللہ ابن
شیخ پیر القریشی الاسدی الہاشمی الملتانی کے بیٹے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ کی اولاد
میں تھے آپ جمیع علوم عقلی و نقلی سے موصوف اور زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ بابر
بادشاہ کے عہد میں آگرہ میں وارد ہو کر جہانپار آباد ہوئے اور تمام عمر عبادت و ریاضت اور درس و تدریس
میں بسر کی۔ آپ نہایت متوکل اور امرا اور سلاطین کی صحبت سے متنفر تھے تمام عمر کسی بادشاہ یا امیر
در پر نہیں گئے ۱۱ شوال ۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء کو انتقال فرمایا۔ رئیس بہشت۔ وفات کی تاریخ ہے۔

شیخ مفتی شیخ بہاؤالدین کے بیٹے شیخ جنید بھی عالم باعمل اور بہت بڑے بزرگ تھے بلکہ بعض علوم
میں اپنے پدر بزرگوار پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ باپ کی طرح آپ بھی تمام عمر سلسلہ درس و تدریس
میں مشغول رہے اور ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں وفات پائی۔

شاہ میر سادات سید شاہ میر سامانہ۔ آپ سادات صحیح النسب سے تھے فضائل علمی کے ساتھ کمالات معنوی
کے اوصاف سے موصوف اور بڑے عابد و زاہد اور قانع بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ بہاؤالدین مفتی
کے مکان کے قریب ایک خانقاہ بنائی تھی جس میں بہت سے طلبا اور صوفی جمع رہتے اور آپ کی
صحبت سے فائدے اٹھاتے تھے۔ تمام عمر آپ نے سلسلہ درس و تدریس اور ہدایت و ارشاد کا جاری رکھا

مولانا فرید مولانا فرید سید شاہ میر کے شاگرد تھے۔ اگرچہ انھوں نے علم زیادہ تحصیل نہ کیا تھا مگر ذہن
اس بلا کا تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل منتہیانہ کتابوں سے نکال کر حل کر دیتے تھے مشہور تھا کہ
فرید مشرق و مغرب کے تمام واقعات ہر شب اپنے استاد کے سامنے بیان کر دیتے ہیں اس لئے
سے لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی جن اُن کا مطیع ہے۔ شیخ ضیاء اللہ ابن شیخ محمد غوث گوالیار
مع تمام سلسلہ غوثیہ کے مولانا فرید کے معتقد تھے۔

اِن بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ محلہ مفتی پورہ اور قرب وجوار میں آباد اور مدفون تھے مگر باستثنائے چند مزارات کے جن کا بیان مناسب موقع پر آیندہ کیا جاویگا اب کسی مزار یا خانقاہ کا پتہ نہیں ؎

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند　　کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

باقیماندہ عمارتیں اور آثار حسب ذیل ہیں۔

روضہ اعتماد الدولہ

اعتماد الدولہ کا اصلی نام میرزا غیاث الدین محمد معروف بہ غیاث بیگ تھا۔ یہ میرزا شریف ہجری وزیر شاہ طہماسپ صفوی والی ایران کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ناسازیٔ روزگار سے ترک وطن کرکے مع دو لڑکوں۔ ایک لڑکی اور بی بی کے ہندوستان روانہ ہوا۔ راستہ میں تمام اسباب لٹ گیا اور سوائے دو اونٹوں کے اور کوئی سواری بھی پاس نہ رہی یہ مختصر قافلہ انہی دو اونٹوں پر اترتا چڑھتا قندھار تک پہنچا۔ یہاں ایک اور مصیبت پیش آئی کہ حاملہ بی بی کو وضع حمل ہوا اور اس بے سروسامانی کے عالم میں نورجہاں بیگم پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنسا رکھا گیا۔ ملک مسعود نام ایک ایرانی سوداگر نے جو مع اپنے قافلہ اور مال و اسباب تجارتی کے شہنشاہ اکبر کے دربار میں آرہا تھا میرزا کے حالات پر مطلع ہوکر رحم کھایا اور خاص سلوک کرکے نہ صرف فتحپور سیکری تک ہی پہنچا دیا بلکہ بادشاہ سے سفارش کرکے ملازمان شاہی میں منسلک کرا دیا پھر اس نے اپنی حسن خدمت سے ترقی پاکر دیوانی بیوتات کا عہدہ اور منصب ہزاری حاصل کیا۔

جہانگیر نے تخت نشین ہوکر خطاب اعتماد الدولہ مرحمت فرمایا اور اپنی سرکار کا دیوان مقرر کیا۔ ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء میں محمد شریف ابن غیاث بیگ نے اور لوگوں سے سازش کرکے سلطان خسرو کو قید سے چھڑانا چاہا لیکن اس سازش کا حال قبل از وقت بادشاہ پر ظاہر ہوگیا جس کی سزا میں محمد شریف قتل اور اعتماد الدولہ کو شبہ میں قید کیا گیا جس نے آخر کار دو لاکھ روپیہ جرمانہ ادا کرکے

قید سے رہائی پائی۔ سنہ ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے مہرالنساء سے شادی کرکے اوّل نورمحل اور پھر نورجہاں بیگم خطاب مرحمت فرمایا اسی سلسلہ میں اعتمادالدولہ کو علم و نقارہ اور منصب شش ہزاری سہ ہزار سوار عطا ہوا اور وکالت کل کے منصب پر سرفرازی پائی اور اس خاندان کو ایسا عروج حاصل ہوا کہ خاندان کے غلام تک امارت کے درجہ پر پہنچے۔ اس خاندان کا یہ عروج سلطنت مغلیہ کے اخیر عہد تک قائم رہا۔

سنہ ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۲ء میں اعتمادالدولہ کی بی بی نے جو نہایت عقلمند نیک طینت۔ خوش سیرت اور تعلیم یافتہ خاتون اور عطر جہانگیری کی موجد تھی انتقال کیا۔ اعتمادالدولہ کو اسکی وفات کا ایسا صدمہ ہوا کہ تین ماہ بیس دن کے بعد ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ بادشاہ نے اس کے اکہتالیس لڑکوں اور عزیزوں کو خلعت ماتمی مرحمت کیا۔ اعتمادالدولہ نہایت کاروان معاملہ فہم۔ نیک اندیش سلیم النفس خوش سلوک اور رحم دل امیر تھا حلم کا یہ حال تھا کہ تمام عمر کبھی غصہ نہ آیا جہانگیر کا قول تھا کہ اعتمادالدولہ کی صحبت مفرح یاقوتی سے بہتر ہے وہ خط شکستہ نہایت متین و آبدار لکھتا تھا اور انشا میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اگرچہ وہ شاعر نہ تھا مگر تمام شعرائے متقدمین کے اشعار اس کو حفظ تھے حالت نزع میں جب جہانگیر عیادت کے واسطے گیا تو نورجہاں بیگم نے بادشاہ کی طرف اشارہ کرکے باپ سے کہا کہ انہیں پہچانتے ہو۔ اعتمادالدولہ نے آنکھ کھولکر بادشاہ کی طرف دیکھا اور اسی حالت میں فوراً انوری کی یہ بیت پڑھی ؎

آنکہ نابینائے مادرزاد اگر حاضر شود ۔۔۔ در جبین عالم آرایش بہ بیند مہتری

نورجہاں بیگم نے اپنے ماں باپ کا مقبرہ خالص چاندی کا بنوانا چاہا تھا لیکن سب امرا اور ارکین دولت نے اس رائے سے مخالفت کی اور سمجھایا کہ چاندی کا مقبرہ نہ خوبصورت بن سکتا ہے نہ آئندہ قائم رہ سکتا ہے لہذا بیگم نے چاندی کے مقبرہ سے زیادہ لاگت صرف کرکے یہ روضہ تعمیر کرایا جو سنہ ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء میں بنکر تیار ہوا۔ یہ جمنا پار یعنی مشرقی کنارہ پر واقع اور روضہ ممتاز محل اور روضہ اکبر بادشاہ (سکندرہ) کے بعد آگرہ کی تیسری خوبصورت عمارت ہے جس کے حسن و خوشنمائی کی تعریف کسی طرح نہیں ہو سکتی

یہ عمارت اگرچہ بمقابلہ اُن دونوں عمارتوں کے چھوٹی ہے مگر اس کی بعض جگہ کی نفیس و باریک منبت کاری تاج (روضہ ممتاز محل) کی منبت کاری سے بھی اعلیٰ اور اس کے فرش کی خوشنما گلکاری اور پچیکاری سب پر بالا ہے۔

پختہ سڑک اور مقبرہ کے درمیان میں ایک مختصر باغ واقع ہے جس میں ہو کر اس کے صدر دروازہ پر پہنچتے ہیں۔ روضہ کی عمارت دوسرے باغ[1] کے درمیان میں ہے جو ایک پختہ چہار دیواری سے جس کے چاروں گوشوں پر ۸-۸ در کے سنگین بُرج ہیں محصور ہے۔ شمال و جنوب اور مشرق میں آمنے سامنے تین عالیشان دروازے سنگ سُرخ کے ہیں جن کے در و دیوار میں بیرونی جانب سنگ مرمر کی پچیکاری اور اندر طلائی اور رنگارنگ کی بہت خوبصورت نقاشی کی ہوئی ہے ہر دروازہ پر دو دو گلدستے اور دو دو بُرجیاں بنی ہیں۔ اب شمال و جنوب کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں صرف مشرقی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مغربی جانب مشرقی دروازہ کے محاذ میں لب دریا ایک خوبصورت نشستگاہ بنی ہوئی ہیں۔

روضہ کی عمارت ایک مُربع سنگ سُرخ کے چبوترہ کے درمیان میں واقع ہے جس کا ہر ضلع ۱۴۸ فیٹ ۶ انچ اور بلندی ۳ فیٹ ۵ انچ ہے۔ روضہ کے گرد چبوترہ پر چاروں طرف ایک ایک حوض بنا ہے جو ۲۶ فیٹ ۱۰ انچ لمبا اور ۱۹ فیٹ چوڑا ہے۔ اِن حوضوں کے فوّارے اگرچہ خراب ہو گئے ہیں مگر اب تک موجود ہیں۔

روضہ کے سنگ مرمر کے مُربع چبوترہ کی لمبائی و چوڑائی ۶۸ فیٹ اور بلندی ۲ فیٹ ۸ انچ ہے۔ روضہ کے ہر ضلع میں تین تین در ہیں جن میں درمیانی در کھلا ہوا اور اردگرد کے در باریک جالیوں سے بند ہیں۔ ایک ایک جالی درمیانی کھلے ہوئے دروں کے اردگرد بھی نصب ہے۔ بیرونی سمت میں چبوترہ سے عمارت کی چوٹی تک خالص قیمتی سنگ مرمر لگا ہوا ہے جس میں مختلف کئی رنگوں کے قیمتی پتھروں کی پچیکاری اور بے نظیر منبت کاری کی ہوئی ہے خصوصاً محرابوں کے اندر کی منبت کاری نہایت باریک اور خاصکر قابل دید ہے۔ محرابوں کے اوپر بیرونی جانب پوری

[1] مقبرہ کے باغ کا رقبہ ۳۸ بیگہ پختہ یا ۳۸ ایکڑ ۲ روڈ ۹ پول ہے۔

سورۃ الفتح یعنی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا الخ اور سورہ مُزَّمِّل الخ اُبھرے ہوئے حروف اور نہایت خوشخط خط نسخ میں کندہ ہے۔ جو مغربی ضلع کے جنوبی گوشہ سے شروع ہو کر اُسی کے قریب کے بُرج کے نیچے ختم ہوئی ہے۔ اخیر میں کتبہ عبد النبی القریشی تحریر ہے۔

اندر چاروں طرف چار کمرے ۲۳½ فیٹ لمبے اور ۱۳ فیٹ چوڑے اور گوشوں پر ایک ایک مُربع حُجرہ جس کا ہر ضلع ۱۳ فیٹ ہے اور درمیان میں ایک مُربع کمرہ ۲۲ فیٹ ۳ انچ × ۲۲ فیٹ ۳ انچ بنا ہے اور دروں کا آثار ۵ فیٹ ۱۵ انچ ہے۔ اِس کل عمارت میں ۳ فیٹ ۸ انچ بلندی تک سنگ مرمر لگا ہے باقی میں چونہ کاری ہے جس پر ایسی گھٹائی کی گئی ہے کہ سنگ مرمر اُس کے سامنے شرماتا ہے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ۔ سنگ کھٹّو۔ سنگ اِسفنیہ وغیرہ کئی قسم کے قیمتی پتھروں کی پچیکاری اور خوشنما منبت کاری کی ہوئی ہے اور چونہ کاری پر مختلف رنگوں سے ایسی نفیس و باریک نقاشی اور گلکاری کی گئی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اُس کی تعریف ناممکن ہے۔ تمام چھت پر طلائی لاجوردی اور مختلف رنگوں کا نہایت نفیس کام تھا جس کا کچھ نمونہ اب بھی باقی ہے فرش نہایت خوبصورت اور ہر درجہ کا مختلف الوضع ہے جو سنگ مرمر سنگ موسیٰ سنگ کھٹّو سنگ اِسفنیہ وغیرہ کئی قسم کے پتھروں کے مختلف الوضع ٹکڑوں اور پھولوں سے بنایا گیا ہے۔

درمیانی درجہ میں اعتماد الدولہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں جن کے سنگ کھٹّو (زرد) کے تعویذ بہت چمکدار و خوبصورت اور بے نظیر ہیں اس درجہ کے تین دروں کے وسط میں جالیاں نصب ہیں صرف جنوبی در میں دروازہ ہے۔ گوشوں کے حُجروں میں خاندان کے اور افراد کی قبریں ہیں۔ اس تفصیل سے کہ شمال و مشرقی گوشہ کے حجرہ میں ایک زنانی اور ایک مردانی قبر ہے جن میں زنانی قبر کے تعویذ پر آیت الکرسی کندہ ہے۔ شمال و مغربی حُجرہ میں ایک زنانی قبر اور جنوب و مغربی اور جنوب و مشرقی حجروں میں ایک ایک مردانی قبر ہے مگر کتبہ کسی پر نہیں۔

چھت پر چڑھنے کے واسطے جنوبی کمرہ میں دو زینے آمنے سامنے بنے ہیں جن کی ستر ۷۰ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں یہاں بھی سنگ مرمر کا فرش ہے جس کے اردگرد سنگ مرمر کا

جالیدار کٹہرہ اور چاروں کونوں پر ایک ایک سنگ مرکا ۴۰-۴۰ فیٹ بلند گول مینار اور درمیان میں ایک چھتری بنی ہے۔ چھتری کا چبوترہ مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع ۳۱ فیٹ ۸ انچ اور بلندی ۲½ فیٹ ہے۔ اس کے اطراف میں پچیکاری کی ہوئی ہے۔ چبوترہ کے وسط میں مربع چھتری ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۲۴ فیٹ ہے۔ وسط میں سنگ مرمر کے دو تعویذ بنے ہیں جن کو نہایت نفیس و بے نظیر مولسری کے ہار پہنائے گئے ہیں۔ مشرقی جانب کے تعویذ پر زنانی علامت یعنی تختی اور مغربی تعویذ پر مردانی علامت یعنی قلمدان بنا ہوا ہے۔ ہر ضلع میں تین تین باریک جالیاں سنگ مرمر کی نصب ہیں صرف شمال و جنوب کے درمیانی در میں آمنے سامنے دو دروازے کھلے ہیں۔ چھتری کے نیچے کا فرش سب سے زیادہ خوبصورت ہے یعنی سنگ مرمر میں کئی رنگ کے پتھروں کی پچیکاری سے بڑے بڑے گلدستے اور بیل بوٹے بنائے گئے ہیں اور تمام در و دیوار پر بھی نفیس پچیکاری کی ہوئی ہے۔ اور پوری سورہ ملک یعنی تبارک الذی اور آخر میں کتبہ عبد النبی القریشی کندہ ہے۔ کسی شاعر نے اسکی تعریف میں کیا خوب کہا ہے ؎

عجب روضۂ رشکِ خلد بریں — کہ خاتم بود باغ و ایں چوں نگیں
ہمہ سنگ مرمر بنقش و نگار — مصفّا منوّر چو روئے نگار
ز پرچین احجارِ گلگونہ رنگ — برشک آمدہ نقش چین و فرنگ
ز گلہائے گلگوں ہمہ باغ پُر — صدف باغ شد روضہ اش ہمچو دُر

باغ گل افشاں یا چہار باغ

بابر نہایت زندہ دل بادشاہ تھا۔ ۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء میں اس نے رانا سانگا پر فتح پاکر اس باغ کو تعمیر کرایا تھا جب باغ تعمیر ہو کر سرسبز ہو گیا تو باغ میں ایک عالیشان دربار منعقد کیا گیا جس میں تمام شاہی اُمرا اور سلطنت صفویہ ایران اور سلطنت ازبک تورانی اور ہندو راجاؤں کے سفیر باریاب ہوئے اور سب نے نذریں پیش کیں۔ نذروں کے بعد خاصہ لایا گیا۔ خاصے سے فارغ

ہوکر بادشاہ نے کل درباریوں کے ساتھ مست ہاتھیوں اور اونٹوں کی لڑائی دیکھی۔ اس کے بعد پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پھر ہندوستانی بازیگروں نے اپنے اپنے کرتب دکھا کر درباریوں کو محظوظ کیا آخر میں تمام مستحقین کو خلعت و انعام تقسیم ہوکر دربار برخاست ہوا۔ بابر نے اس باغ میں سرد ملک کے خربوزوں اور انگور کی کاشت کرائی تھی پھلواری کا وہ اسقدر شائق تھا کہ ہندوستان کے دورے میں جہاں کہیں عمدہ پھول نظر پڑ جاتا اسے اس باغ میں لاکر لگاتا تھا۔ چنانچہ گوالیار کے میدان سے گل سرخ آتشین رنگ کا اور بہار سے گل نیلوفر لاکر لگایا تھا۔ امرائے شاہی بھی دور دور سے عمدہ عمدہ پھولوں کے درخت تلاش کرکے بھیجتے تھے غرضکہ یہ باغ اس زمانہ میں نہ صرف آگرہ بلکہ تمام ہندوستان میں بے نظیر اور نمونۂ فردوس بریں سمجھا جاتا تھا۔ ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء کو اسی باغ میں بابر نے وفات پائی اور اسکی نعش اول اسی باغ میں بطور امانت دفن کی گئی جو آخر کار وصیت کے مطابق یہاں سے منتقل ہوکر کابل میں پہنچائی گئی اور وہاں قدم رسول کے پاس دفن ہوئی جہانگیر نے اپنی تزک میں اس باغ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت فردوس مکانی (بابر) نے ابراہیم ولد سکندر لودی کو شکست دیتے اور اس کے مارے جانے اور رانا سانگا پر فتح پانے کے بعد کہ ہندوستان کا بہت بڑا راجہ اور زمیندار تھا دریائے جمنا کے مشرقی کنارہ ایک خوش قطع اراضی پر چار باغ احداث فرمایا کہ اس لطافت کا باغ کسی جگہ کم ہوگا۔ اور اس کا نام گل افشاں رکھا۔ اس میں سنگ سرخ کی ایک مختصر عمارت اور ایک طرف مسجد تعمیر کرائی۔ عالیشان عمارت کے بنانے کا ارادہ تھا مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہ ارادہ دل کا دل ہی میں رہ گیا۔" جہانگیر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ فرنگ کے بندرگاہوں کے میووں میں ایک میوہ انناس ہے جو نہایت خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور باغ گل افشاں میں کئی ہزار ہر سال پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک یہ باغ بخوبی تر و تازہ تھا۔

اب باغ باقی نہیں رہا صرف درمیان کی مختصر عمارت متغیر حالت میں باغی اور چوبرجی کے نام سے مشہور اور اعتماد الدولہ کے سامنے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کے اندر اب مٹی کے

تیل کا گودام ہے۔ چاروں گوشوں کے سنگ سُرخ کے برجوں یا میناروں کے نیچے کا درجہ بھی موجود ہے
مغربی جانب مسجد کی اصل عمارت واقع ہے جس کی درمیانی محراب میں اب راستہ جاری ہے
یہ مسجد ۵۳ فیٹ ۸ انچ لمبے اور ۲۵ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین محرابیں ہیں جن میں درمیانی محراب
بلند اور چوڑی اور آس پاس کی محرابیں چھوٹی چھوٹی ہیں مشرقی حصّہ خالص سنگ سُرخ کا اور بیرونی
دیواریں چونہ گچ کی ہیں چھت پر تین گنبد اور گوشوں پر چار برجیاں ہشت پہل اور درمیانی گنبد کے
اطراف میں چار برجیاں مربع سنگ سُرخ کی بنی ہیں۔ قریب میں ایک چاہ پختہ موجود ہے۔ یہ عمارت
سلاطین مُغلیہ کی تمام عمارتوں سے قدیم اور آگرہ میں بابر بادشاہ کی واحد یادگار ہے۔

مزار بیگم سُلطان

بیگم سُلطان مولانا کمال کی لڑکی تھیں جو ہمایوں بادشاہ کے زمانہ کے عُلماء سے تھے۔ مولانا کمال
اعتماد الدولہ کے قریب اعتماد پور کی سڑک کے موڑ پر ان کی قبر ایک چبوترہ پر واقع ہے جس کا تعویذ
سنگ سُرخ کا ہے اس کے اطراف میں آیت الکرسی اور پائیں پر یہ عبارت منقوش ہے "وفات
مرحومہ مغفورہ بیگم سُلطان بنت مولانا کمال در سنہ نہصد و چہل و پنج از ہجرت" (۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء)

قبرستان قدیم

بیگم سُلطان کے مزار سے تھوڑے فاصلہ پر اعتماد پور اور سعد آباد کی پختہ سڑکوں کے درمیان
میں ایک ٹیلے پر چند پرانی قبریں آگرہ کے آباد ہونے کے وقت کی موجود ہیں جن سے سکندر اور ابراہیم
لودی کے عہد کی اس جانب کی آبادی کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں چار قبروں پر حسب ذیل کتبے کندہ
ہیں۔ مزار اوّل پائیں قبر اللہ۔ محمد..... شہد اللہ انہ..... انّ الدین عند اللہ الاسلام۔ پائیں پر
تاریخ وفات ایں گل نو شگفتہ اُستا جوجک در ماہ جمادی الثانی سنہ ۹۱۴ھ (۱۵۰۹ء) مزار دوم پائیں اُستا جوجک
پر الحکم للہ تعالیٰ پائیں پر شاہ محمد بن سُلطان محمود فی سنہ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) اطراف میں ۔ شاہ محمد

بُلبلے خُوں خورد و بے کی حاصل کرد — با دغیرت بصد شش حال پریشاں کرد
آہ و فریاد کہ از چشم حسود و مہ دہر — در لحد خانہ کماں ابروئے من منزل کرد

مزار سوم - ہر دو پہلو پر آیت الکرسی - بالیں پر کلمہ طیبہ اور پائیں پر ؎

ازیں دنیائے فانی رخت بربست — آں غنچۂ باغ ... ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء بلاحت

مقام وسال فوتش را چو جستم — خرد گفتا - مقامش باد جنت

مزار چہارم - تعویذ کے اطراف میں آیت الکرسی - بالیں پر اللہ تعالیٰ - اور پائیں پر تاریخ وفات معصومہ

حد بیگی مرحومہ سعد بیگی بنت استاد غلام علی معمار سنہ نہصد و چہل و پنج (۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء)

مقبرہ و باغ سلطان پرویز

سلطان پرویز جہانگیر بادشاہ کا بیٹا تھا جو ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء میں خواجہ حسن عم زین خاں کوکہ کی دختر کے بطن سے پیدا ہوا تھا شب چہار شنبہ ۷ صفر ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء کو اس کا انتقال ہوا اور اپنے باغ میں دفن کیا گیا۔

یہہ باغ لب دریا اعتماد الدولہ کے مقبرہ سے ملا ہوا جانب شمال واقع اور اب ماسٹر شنکر دیال صاحب وکیل و سابق انزیری مجسٹریٹ آگرہ کی اولاد کے قبضہ میں ہے جو گورنمنٹ نے غدر کی خیر خواہی میں ایک گرو کو دیدیا تھا جس نے ماسٹر صاحب موصوف کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کے وسط میں ایک پختہ مربع چبوترہ پر مقبرہ بنا ہوا ہے جو اب نہایت شکستہ حالت میں ہے اس کے سب دروازے بند کر دئے گئے ہیں صرف شمالی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ بنا لیا گیا ہے۔ اصل قبر تہ خانہ میں ہوگی مگر گنبد کے نیچے کا تعویذ تک ندارد ہو گیا۔ افسوس کہ اب یہہ قدیم مقبرہ جھوسہ وغیرہ کا گودام بنا ہوا ہے ؎

قیصر و کسریٰ سے جن کا کم نہ تھا کچھ احتشام — ہاتھ خالی چل بسے دنیا سے وہ عالی مقام

چشم عبرت کھول کر حال ان کا دیکھیں کہ کلاہ — کون تھے کل یہہ - ہوا ہی آج ان کا حال کیا

نوبت و نقارہ در پہ جن کے بجتا تھا مدام — ہو کا عالم قبر پر رہتا ہے انکے صبح و شام

یہہ تمام عمارت چونہ گچ کی ہے اور گنبد عالیشان ہے۔ باغ کی چار دیواری اب نہیں ہے اور اس میں زراعت ہوتی ہے۔

باغ و کٹرہ وزیر خاں

وزیر خاں کا اصلی نام حکیم علیم الدین تھا۔ یہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے اور سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں کے ہموطن تھے ایام نوجوانی میں شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اپنی دیانت و امانت اور مزاج شناسی سے بہت جلد ترقی پاکر دیوانی کے عہدہ تک پہنچ گئے اور جلوس کے دن منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار اور علم و نقارہ اور انعام ایک لاکھ روپیہ سے مفتخر ہوئے ۵ سنہ جلوس میں منصب پنجہزاری پنج ہزار سوار پر ترقی پائی اور صوبہ پنجاب کے صوبہ دار مقرر ہوئے ۱۴ سنہ جلوس میں وہاں سے مستقر الخلافت اکبر آباد کی صوبہ داری پر تبدیل ہوئے اور ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں آگرہ ہی میں انتقال کیا۔ نہایت عقلمند سلیم النفس اور نیک طبع امیر تھے تمام عمر نہایت سادگی اور بے تکلفی سے بسر کی۔ بہت سے آثار خیر اُن کی یادگار ہیں جن میں لاہور کی مسجد (مسجد وزیر خاں) سب سے عالیشان اور خوشنما ہے۔ وزیر آباد متصل چنیوٹ اُن کا آباد کیا ہوا ہے چنیوٹ میں پختہ فصیل کئی بازار دو کانیں مسجدیں سرائیں مدرسے شفاخانے اور کنوئے بنوا کر اپنے ہموطنوں پر وقف کئے تھے۔

آگرہ میں لب دریا ایک پُر فضا باغ تعمیر کیا تھا اور اُس کے قریب ایک محلہ آباد کیا تھا جو اب کٹرہ وزیر خاں کے نام سے مشہور اور اعتماد الدولہ اور چینی کے روضہ کے درمیان میں واقع ہے۔ باغ اب ایک پارسی کے قبضہ میں ہے اور اس کا ایک برج اور لب دریا سنگین بارہ دری شکستہ حالت میں موجود ہے۔

مقبرہ محمد قاسم خاں بدخشی

محمد قاسم خاں بدخشی میر محمد جالہ بان کا خویش اور لڑکپن سے ہمایوں بادشاہ کی ملازمت میں داخل تھا جو ایام بے سروسامانی یعنی سفر ایران میں بھی نہایت جاں نثاری اور وفاداری کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ رہا۔ اکبر نے تخت نشین ہوکر خدمت میر بحری پر سرفراز کیا آخر عمر میں ملازمت ترک کرکے آگرہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔ موزوں طبع

اور موجی تخلص رکھتا تھا۔ مثنوی یوسف زلیخا کے جواب میں چھ ہزار بیت کی ایک مثنوی اسکی یادگار ہے جس کے دو تین شعر یہ ہیں۔

نمودہ دست صنعش از تفنن ہلال و بدر و یک روئے ناخن
میانش برتر از حدِ بیان است کہ ایں جا نازکیہا در میان است
چو آمد در بیاضِ حسن تقریر صفائی سینہ اش صافی تر از شیر

ایک مثنوی لیلیٰ مجنوں بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

پیرے ز قبیلہ معزز ریشش چو گلِ سفید یک گز

آگرہ میں لبِ دریا ایک حویلی دلکشا تعمیر کرائی تھی۔ جو غالباً زمانہ مابعد میں باغ وزیر خاں اور روضہ افضل خاں (چینی کا روضہ) میں شامل ہو گئی چنانچہ اب صرف مقبرہ کا گنبد ان دونوں باغوں کے درمیان میں واقع ہے جو بہت ہی شکستہ اور خراب حالت میں ہے۔ یہ ایک پختہ چبوترہ پر جس کے نیچے تہ خانہ ہے بنا ہوا ہے اور باہر سے مربع اور اندر سے ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۰ فیٹ ۴ انچ اور قطر ۲۷ فیٹ ہے چاروں طرف ایک ایک دروازہ اور دروازوں کے درمیان میں ایک ایک طاق ہے جس کے صرف جنوبی دروازہ کی سنگین چوکھٹ موجود ہے۔ نقلی قبر کا تعویذ تک ٹوٹ گیا اور میلے اور کوڑے کا انبار لگا ہے۔ شمالی دروازہ کی اندرونی پیشانی پر یہ تاریخ وفات نصب تھی جس کا پتھر اب روضہ ممتاز محل کے عجائب خانہ میں رکھا ہے

یا قدوس۔ یا صبوح (قطعہ فی التاریخ المناجات) یا رزاق۔ یا فتاح

الٰہی چوں ازیں غمخانہ موجی تنابِ خیمۂ امید برکند
اگر باشد خطائے رفتہ ازوے دریں دیر خراب آباد یک چند
بتاریخ وفاتش ہیں کہ گفتم گنہ از بندہ و عفو از خداوند
بروحِ قاسمِ موجی ہر آں کس کہ خواند فاتحہ از روئے اخلاص
خدا او را بحفظِ خویش دارد بحق محرمانِ جلوۂ خاص

قابلہ سعد اللہ کتبہ عرب محمد بخاری

چینی کا روضہ

یہہ خوشنما عمارت اعتماد الدولہ سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو اس شکستہ حالی میں بھی آگرہ کی قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتی ہے اور آگرہ کی واحد کاشی کار عمارت ہے صاحب روضہ کا اصلی نام ملا شکر اللہ شیرازی تھا۔ یہہ جہانگیر کے عہد میں بندر سورت کے راستہ سے برہانپور میں وارد ہوئے چونکہ علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل تھا اول خانخاناں عبد الرحیم خاں کی مصاحبت میں داخل ہوئے اس کے بعد شاہزادہ خورم کی سرکار میں لشکر کے میر عدل ہو گئے اور دکھن رانا میں ایسی کارگذاری دکھائی کہ شاہزادہ کی سفارش پر دربار جہانگیر سے خطاب افضل خاں سے مفتخر ہوئے۔

۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء میں جہانگیر نے ملازمت شاہی میں داخل کر کے خدمت خانسامانی سے سرفراز کیا شاہجہاں نے اوائل جلوس میں منصب چہار ہزاری دو ہزار سوار سے معزز کیا اور دوسرے ہی سال یعنی ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء میں منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار پر ترقی دیکر وزیر اعظم مقرر فرمایا۔ شد فلاطون وزیر اسکندر۔ اسکی تاریخ ہے۔ سنہ ۱۱ جلوس میں منصب ہفت ہزاری مرحمت ہوا ۷۰ برس کی عمر میں ۱۲ رمضان ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء کو بمقام لاہور انتقال کیا۔ زغربی برد گوئے نیک نامی و علامی ازو ہر وقت۔ وفات کی تاریخ ہے افضل خاں کا نام سلاطین مغلیہ کے ان صاحب کمال امیروں کی فہرست میں ممتاز نظر آتا ہے جو اس سلطنت میں بلحاظ علم و فضل مشہور گذرے ہیں وہ علامی کے خطاب سے موصوف اور نہایت فاضل۔ مہذب اور فصاحت و بلاغت میں حسان وقت اور ہیئت و ہندسہ اور حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے شاہجہاں اکثر کہا کرتا تھا کہ افضل خاں کی اٹھائیس سالہ ملازمت میں میں نے اس کی زبان سے کسی کی برائی نہیں سنی۔

۱۰۴۸

افضل خاں نے آگرہ میں یہ مقبرہ مع باغ وغیرہ کے ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء میں تعمیر کرایا تھا۔ منزل افضل اس کے بنا کی تاریخ ہے۔ جب یہہ بنکر آراستہ ہو گیا تو نہایت دھوم دھام سے بادشاہ کی دعوت کی اور قلعہ سے باغ تک نہایت نفیس و قیمتی کپڑوں کا فرش بطور پایانداز بچھایا گیا تھا۔ یہہ بے نظیر مقبرہ صدیوں کی کس میرسی کی وجہ سے بالکل ویران اور کئی جگہ سے منہدم ہو گیا تھا لارڈ کرزن بہادر نے اس کی خوبصورت چینی کے کام کو بہت پسند فرما کر اس کی مرمت کا

حکم دیا چنانچہ اب اسکی مرمت و صفائی ہوگئی اور آس پاس سبزہ بھی لگا دیا گیا ہے یہ روضہ ایک چبوترہ پر بنا ہے جس کے نیچے تہ خانے اور کمرے بنے ہیں۔ اس کی عمارت باہر سے مربع اور اندر سے مثمن ہے۔ بیرونی جانب کا ہر ضلع ۸۰ فیٹ ہے۔ گنبد پٹھانی طرز کا اور عالی شان ہے جس کے نیچے افضل خاں اور انکی بیگم کی نقلی قبروں کے تعویذ تھے۔ جو ندارد ہو گئے۔ اب از سر نو معمولی قبریں بنا دی گئی ہیں۔ گنبد کے اندر بہت نفیس نقاشی اور طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جو کسی قدر اب تک نمودار ہے محرابوں کے اطراف میں دائروں کے اندر مختلف رنگوں کی زمین پر سفید حرفوں میں یا اللہ اور یا محمد مرقوم ہے۔ درمیان میں پوری سورہ انا فتحنا لکھی ہوئی ہے۔ روضہ کے چاروں گوشوں پر ایک ایک حجرہ بنا ہے۔ بیرونی محرابوں کے اطراف میں سورۃ یٰسین چینی کے نفیس بے نظیر گلکاری کے درمیان میں تحریر تھی۔ اس کی زمین سفید اور بادامی اور حروف اودے رنگ کے ہیں جنوبی محراب منہدم ہو گئی سب سے زیادہ گلکاری شمالی جانب باقی ہے اور اس کے بعد مغرب اور کسی قدر جنوبی حصہ میں بھی موجود ہے۔ بڑی بڑی محرابوں کے اندر خوشنما گلدستے اور پھول پتے بنائے ہیں۔ جن میں بسنتی۔ اودا۔ جامنی۔ فیروزی۔ بادامی وغیرہ مختلف رنگوں کی چینی استعمال کی گئی ہے۔ جب آفتاب کی شعاعیں ان چینی کے گلدستوں اور پھول پتوں پر پڑتی ہیں تو تمام عمارت جگمگا اٹھتی ہے اور ایسا خوشنما منظر پیدا ہوتا ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اصلی قبریں تہ خانے میں تھیں جو اب نہیں رہیں۔

زینہ جنوبی جانب ہے اس کی ۱۹ سیڑھیاں طے کر کے ایک پتلی گیلری میں پہنچ جاتے ہیں جو گنبد کے درمیانی درجہ میں بنی ہے جس کے چاروں گوشوں میں ایک ایک حجرہ بنا ہوا تھا ان میں گوشے جنوب و مغرب کا حجرہ منہدم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۷ سیڑھیاں اوپر چڑھکر چھت پر پہنچتے ہیں جہاں درمیان میں دو منزلہ گنبد اور گوشوں پر گلدستے بنے ہیں ان پر بھی چینی کا کام موجود ہے۔ مقبرہ کے شمال و مغربی گوشے پر ایک سہ منزلہ سنگین برج باغ کا بھی باقی ہے۔

باغ جہاں آرا بیگم یا سیّد کا باغ

یہ باغ لب دریا چینی کے روضہ کے قریب شمالی جانب واقع ہے جسے شاہجہاں بادشاہ کی

بڑی بیٹی شاہزادی جہاں آرا بیگم نے تعمیر کرایا تھا۔ عوام النّاس اسے جہرہ باغ یا سیّد کا باغ کہتے ہیں۔ جہرہ جہاں آرا کا بگڑا ہوا ہے اور چونکہ اس کے اندر مغربی جانب ایک بزرگ سیّد محمد شہید کا مزار ایک حجرہ کے اندر واقع ہے اس مناسبت سے یہ سیّد کا باغ مشہور ہے۔ یہ مزار نہایت قدیم ہے جس کی روشنی کے واسطے روضہ تاج محل سے ۸ ماہوار مقرر چلا آتا ہے۔ یہاں سالانہ عُرس بھی ہوتا ہے اور چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ قدیم آثار میں ایک جہرنا اور دو تین سنگین برج باقی ہیں جن میں جنوب و مغربی گوشہ کا سہ منزلہ بُرج اچھی حالت میں ہے۔ رقعات عالمگیری کے ایک رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں موضع دورہ پرگنہ کراولی ضلع آگرہ) اس باغ کے اخراجات کے واسطے وقف تھا جسکی سالانہ مالگذاری اب مبلغ ۳۳۹ سالانہ ۵ ۱۱/۳ ہے۔

سیّد محمد شہید

باغ نورافشاں یا رام باغ

یہ پُرفضا باغ نورجہاں بیگم کی یادگار ہے جو اعتماد الدولہ سے سوا میل کے فاصلہ پر لبِ دریا واقع اور اب بھی آگرہ کی ممتاز اور قابلِ دید عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ چالیس بیگہ چالیسوہ پختہ یا ۲۲ ایکڑ ۳ روڈ ۳۲ پول ہے۔ چہار دیواری کی چاروں گوشوں پر ۸-۸ در کے سنگین بُرج واقع ہیں۔ یہ باغ تین درجہ کا ہے اور شالامار باغوں کے طرز پر ہر درجہ اپنے نیچے کے درجہ سے بلند ہوتا گیا ہے۔ چنانچہ دوسرا یعنی درمیانی درجہ پہلے درجہ سے ۶ فیٹ سے ۱۰ فیٹ تک اور تیسرا درجہ دوسرے درجہ سے ۶ فیٹ بلند ہے پہلے درجہ میں سوائے باغ کے اور کوئی عمارت نہیں۔ دوسرے درجہ میں سنگین روشوں اور خوشنما کیاریوں کے علاوہ پانچ سنگ سُرخ کے چبوترے اور ایک بُرج بنا ہوا ہے۔ تیسرے درجہ میں جو لبِ دریا ہے۔ شمالی جانب سنگین چبوترہ معہ کٹہرہ اور جنوبی جانب آمنے سامنے (شمال و جنوب) دو عمارتیں اور اُن کے درمیان میں سنگ سُرخ کا فرش ہے۔ اس کے وسط میں ایک مُربع حوض بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۴۲ فیٹ ۱۵ انچ ہے۔ اس حوض کے بیچ میں سنگ مرمر کا مُربع چبوترہ بنا ہے جس کا ہر ضلع ۱۳ فیٹ ۷ انچ ہے۔ مشرقی جانب ایک پتلا سا پُل بنا ہے جس پر ہو کر اس چبوترہ پر پہنچتے ہیں۔ چبوترہ کے چاروں طرف کٹہرہ لگا ہوا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ اِن دونوں قدیم عمارتوں میں کچھ کمی بیشی کر کے اب دو منزلہ سہ منزلہ ڈاک بنگلہ

بنا لیا گیا ہے۔ ان عمارتوں کے نیچے حجرے بنے ہیں اور ان کے آگے لب دریا ایک چبوترہ بنا ہے حوض کے شمال و مغربی گوشے پر زینہ ہے جس کی ۲۱ سیڑھیاں اُتر کر اس چبوترہ پر پہنچتے ہیں۔ یہ درجہ نہایت دلچسپ اور خوبصورت ہے اور کسی طرح اس کے نظارہ سے سیری نہیں ہوتی دریا کے علاوہ قرب و جوار اور شہر کی عمارتوں مسجدوں گرجاؤں وغیرہ کا منظر یہاں سے نہایت دلکش ہے۔

حمام

شمالی جانب جو سنگین چبوترہ ہے اُس پر دو زینے بنے ہیں۔ اُن کی ۱۷ سیڑھیاں اُتر کر اُس حمام میں پہنچ جاتے ہیں جو بالکل لب دریا واقع اور چودہ پندرہ درجہ کا ہے۔ ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں پانی پہنچانے کے واسطے دیواروں میں اندر ہی اندر نل لگے ہیں نیز چار حوض اور کئی جھرنے موجود ہیں۔ درمیانی درجہ شمالاً جنوباً ۳۶ فیٹ ۴ انچ لمبا اور ۲۲½ فیٹ چوڑا اور دریا کے پانی سے ۷ فیٹ بلند ہے۔ اس کے مشرق و مغرب میں ۳-۳ اور شمال و جنوب میں ایک ایک در ہے۔ وسط میں مربع حوض بنا ہے جس کے بیچ میں فوارہ لگا ہے مشرقی جانب کے درمیانی در میں دوسرا بہشت بہل خوشنما حوض واقع ہے جس کے شمال و جنوب میں دو جھرنے لگے ہیں۔ چھت راولی نما ہے اور کہیں کہیں پُرانی رنگ آمیزی کا کام بھی نمایاں ہے۔

باغ کے شمال و مغربی اور جنوب و مغربی گوشوں پر دو کنوئے بنے ہیں جن میں آخر الذکر کنواں جاری ہے۔ اس پر بیلوں کے ذریعہ سے چرخ چلتا ہے اور پانی ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں بذریعہ خوشنما جھرنوں (ماہی پشت) کے پہنچکر تمام باغ کو سیراب کرتا ہے۔

بلند باغ یا بتیس کھمہ

رام باغ سے ملا ہوا شمالی جانب پچپن ۵۵ بیگہ اراضی میں یہ باغ واقع تھا جسے شہنشاہ جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اب اس کا صرف چار منزل کا ایک بلند اور وسیع و خوشنما سنگ سرخ کا برج باقی رہ گیا ہے جو اب دریا کے مشرقی کنارہ کی سب سے آخری عمارت ہے یہ بتیس ۳۲ کھمہ کے نام سے مشہور ہے اس کی عمارت اگرچہ بہت شکستہ ہو رہی ہے مگر اس کھنڈر پر بھی خاص شان رکھتی ہے۔ ہر منزل میں درمیانی کمرہ کے ارد گرد غلام گردش اور سب سے اوپر ۸ در کی خوشنما برجی بنی ہے۔

بلند باغ کے اس برج کے آگے اب کوئی عمارت باقی نہیں مگر بعض بعض مقامات پر دریا

کنارے دیواروں کے کچھ مضبوط آثار جو آسانی سے کھد نہیں سکے۔ نظر آتے ہیں۔ غدر کے بعد کی ایک قلمی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر حسب ذیل باغات واقع تھے جن کے کچھ نشانات اُس زمانہ تک موجود تھے (اندر سوا نہ موضع بہولی محمد پور) باغ نواب آصف خاں۔ روضہ و باغ شاہ گدا باغ کابلی بیگم (موضع نرائچ) باغ اجمیری خاں۔ باغ شاہنواز خاں باغ خلیل خاں

قدیم باغات

اچانک باغ

یہہ باغ موضع بہولی محمد پور کی اراضی میں واقع تھا جس کی چار دیواری کے اضلاع ۲۴۰×۲۴۰ فیٹ تھے۔ اس کے چاروں گوشوں پر چار برج اور صدر دروازہ نہایت عالیشان تھا۔ جنوبی دیوار کے وسط میں لب دریا ۱۰۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک نفیس عمارت بنی تھی اور وسط باغ میں ایک خوشنما برج واقع تھا۔ ان عمارات کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا اور اس میں زراعت ہوتی ہے۔

اس باغ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے کوئی اسے اچانک بیگم کی تعمیر بتلاتا ہے جو بابر یا اکبر کے عہد کی کوئی بیگم تھیں کوئی کہتا ہے کہ یہہ بابر و ہمایوں کا قیامگاہ ہے غرضکہ اسکے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔

شاہدرہ

جس طرح کہ دہلی اور لاہور میں دریا پار شاہدرہ آباد ہے اسی طرح اکبر آباد میں بھی جمنا کے پُل سے دو میل کے فاصلہ پر یہہ شاہدرہ واقع ہے جو اکبر بادشاہ کے عہد میں آباد کیا گیا تھا۔ یہاں قدیم عمارات کے کسی قدر آثار باقی ہیں۔

مسجد ہمایوں

جمنا پار کے ریلوے اسٹیشن (جمنا برج) سے تھوڑے فاصلہ پر موضع کچھپورہ آباد ہے اسکی

آبادی میں یہہ مسجد واقع ہے جو مدتِ زوال سے کچھ مرمت ہونے پر بھی نہایت شکستہ حالت میں ہے۔ اِس مسجد کی وضع اور ہیئت خاص طرز کی ہے جس کا درمیانی در نہایت وسیع و مرتفع ہے اور اُس پر گنبد ہے۔ اطراف میں دالان در دالان ہیں اس طرح شمال و جنوب میں چار چار محرابدار در ہیں ان پر بھی گنبد ہیں جو درمیانی گنبد سے چھوٹے ہیں مسجد کی لمبائی ۹۳ فیٹ اور چوڑائی ۳۵ فیٹ ہے۔ اندرونی درمیانی محراب پر یہہ کتبہ کندہ ہے ؎

محمد ہمایوں شہ عرصۂ دین — کہ بنیاد قدرش بود فوق گردوں
بفرمانِ عالی و حکمِ رفیعش — مرتب شد ایں فرش و ایں سقفِ میموں
بتاریخ اتمام ایں بیت مشعر — شہ عرصۂ دین محمد ہمایوں
قائلہ و راقمہ شہاب معمائی غفر ذنبہ

جنوبی دیوار پر یہہ کتبہ ہے ؎

ایں بقعہ بود چوں دلِ صوفی صافی — انکار صفائی او ست بے انصافی
چوں یافت بسعی ذین خوافی اتمام — تاریخ شدش بسعی زین الخوافی

مزید باید آنکہ بنائے را بتکسر ے یاد کند۔ ناظمہ و راقمہ شہاب

ان کتبوں سے واضح ہے کہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں ہمایوں بادشاہ کے حکم سے مولانا زین الدین خوافی کے اہتمام میں یہہ مسجد تعمیر ہوئی اور مولانا شہاب معمائی نے کتبہ اور تاریخ تحریر کی۔

قبرستان قدیم متصل مسجد ہمایوں

مسجد ہمایوں کے قریب مشرقی جانب ایک وسیع چبوترہ پر جو سطح زمین سے ہموار ہے یہہ قبرستان ہے جس میں بابر اور ہمایوں کے زمانہ کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء اور مشائخین کی قبریں واقع ہیں انہی میں مولانا شیخ زین الدین خوافی اور مولانا شہاب الدین معمائی۔ مولانا ابوالوا ابجد فارغی اور شاہ ہلال کے مزار بھی ہیں لیکن ان کے مزاروں پر کتبہ نہ موجود ہونے کی وجہ سے یہہ پتہ اب نہیں چلتا

مولانا شیخ زین الدین خوافی

کہ کس کس کا کون کونسا مزار ہے۔ مولانا شیخ زین الدین خوافی علم و فضل سے موصوف اور فن معما تاریخ اور فی البدیہہ گوئی اور نظم و نثر کے جملہ کمالات میں بے نظیر تھے۔ وفائی تخلص تھا۔ بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہو کر بعد فتح صدرات کل کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ انہوں نے واقعات بابری کے ترجمہ کے علاوہ ہندوستان کے حالات اور فتح کے بیان میں ایک تاریخ بھی لکھی تھی جس میں اپنی سخنوری کو ختم کر دیا تھا۔ اس مسجد کے قریب ایک خانقاہ اور مدرسہ بھی انھوں نے بنوایا تھا ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء میں حدود چنار میں انتقال کیا اور اس جگہ جہاں پہلے ان کی خانقاہ اور مدرسہ تھا دفن ہوئے۔

مولانا شہاب الدین معمائی

مولانا شہاب الدین معمائی یہ بھی بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں تشریف لائے اور زمرہ مقربین میں شامل ہوئے اگرچہ جملہ علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل تھا مگر فن معما میں ان کی فضیلت ایسی مشہور ہوئی کہ سب کمالات چھپ گئے تھے۔ ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء میں انتقال ہوا شہاب الثاقب وفات کی تاریخ ہے

مولانا ابوالواجد فارغی

مولانا ابوالواجد فارغی دربار ہمایوں کے ایک درویش مشرب شاعر تھے۔ جو مولانا زین الدین کے دوست دلی اور ان ہی کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ ان کی شیریں کلامی مشہور تھی ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء میں جس سال کہ مولانا زین الدین کا انتقال ہوا انہوں نے بھی وفات پائی اور مرنے پر بھی دوست کا ساتھ نہ چھوڑا یعنی ان کے برابر ہی دفن ہوئے۔

شاہ ہلاہل

شاہ ہلاہل یہ کوئی سالک یا مجذوب بزرگ تھے جن کا زمانہ معلوم نہیں۔ آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے جو اہل محلہ خوبہ کی جویلی منحلات نائی منڈی کیا کرتے ہیں۔

اکثر مزارات پر آیت الکرسی۔ کلمہ طیبہ۔ اسمائے الٰہی اور بعض پر فارسی اشعار بھی کندہ ہیں جو حسب ذیل ہیں ؎

زیرداں ہدیۂ بود آں نکو نام — ازیں ساں تحفۂ خواندش برایام
چو بودہ ذکر نامش بر زبانم — تسلی بخش جانِ ناتوانم
گرفتم سال از تکرار نامش — بتاریخِ شہادت زاہتمامش

دیگر

شد سوئے خلد برینش رواں — بحکم ارادت چو گشتہ شہید
شہادت چو او یافت تاریخ ازاں — بگفتا خرد باشہادت رسید

دیگر

نو رستہ غنچہ ز گلستانِ جاں برفت — در شاخ ..... نوجواں برفت
باشد ہزار حیف کہ نقدِ حیات ما — بر دل نہادہ داغ فراق از جہاں رفت

افسوس کہ یہ جملہ مزارات نہایت ناگفتہ بہ حالت میں ہیں اور آیات قرآنی اور بزرگان دین کی ان قبور کی نہایت بے ادبی گاؤں والوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔

مہتاب باغ

مسجد ہمایوں اور موضع کچھپورہ کے جنوب و مشرقی جانب اور روضہ ممتاز محل کے محاذ میں لب دریا یہ عالیشان باغ تھا جس کی چہار دیواری کا ہر ضلع ۹۷۵ فیٹ تھا۔ اسے شاہجہاں بادشاہ نے ایام شاہزادگی میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں نہایت نفیس مثمن حوض فوارے اور دوسری نایاب عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ شاہجہاں کے ابتدائی عہد میں جبکہ روضہ ممتاز محل کی تعمیر ہو رہی تھی ایک زبردست سیلاب جمنا میں آیا تھا جسکی وجہ سے اس باغ کی عمارات اور درختان کو سخت نقصان پہنچا اس کا ذکر اورنگ زیب نے اپنے ایک خط میں کیا ہے[1]۔ اس خط سے اس مشہور روایت کی قطعی تردید ہوتی ہے کہ ممتاز محل کے روضہ کی تعمیر کے بعد شاہجہاں بادشاہ نے اپنے روضہ کی تعمیر کے واسطے اس باغ کی بنیاد رکھی تھی۔ جو اس کے ناتمام ہونے کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ یہ باغ روضہ کی تعمیر سے پیشتر موجود تھا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ کی کسی تاریخ میں یہ روایت نہیں

[1] اس خط کی اصل عبارت یہ ہے۔ باغ مہتاب را تمام آب گرفتہ بود بنابر آں از صفا افتادہ عنقریب طراوت تازہ خواہد یافت حوض مثمن و بنگلہ ہائے اطراف آں پاکیزہ و مصفا انداز طغیانی آب دریائے جون آنچہ شنیدہ باشد جائے تعجب است"

پائی جاتی اور روضہ ممتاز محل کی تعمیر اور قید ہونے کے درمیان میں اسقدر کافی وقفہ ہے کہ اگر واقعی شاہجہاں کا یہ ارادہ ہوتا تو اس درمیانی زمانہ میں دوسرا روضہ تیار ہوسکتا تھا اس زمانہ میں برابر شاہجہانی عمارات کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا اس باغ کے گوشہ جنوب و مشرق کا صرف ایک مثمن بُرج باقی رہ گیا ہے جس کا قطر ۲۳½ فیٹ ہے۔ روضہ ممتاز محل کے محاذ میں اس باغ کے موجودہ بُرج کی کرسی بھی اس مشہور روایت کی غلطی کا بین ثبوت ہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے مشہور سیلاب جمنا میں اس باغ کے دیوار لبِ دریا کے آثار نمودار ہو گئے ہیں۔

موتی باغ

اس باغ کو موتی بیگم نے جو شاہجہاں کی کسی بیگم کا خطاب تھا تعمیر کرایا تھا اسکی عمارت اب منہدم ہوگئی لیکن آثار باغ موجود ہیں جس میں زراعت ہوتی ہے جس موضع کی اراضی میں یہ باغ واقع ہے وہ اسی کے نام سے موسوم اور اعتماد الدولہ موتی باغ لکھا جاتا ہے۔

مزار سید عبداللہ احراریؒ

سیّد عبداللہ احراریؒ حضرت شاہ ابوالعلیؒ کے چچا خسر اور پیر تھے۔ آپ علوم ظاہری کے ساتھ کمالات باطنی سے بھی موصوف تھے اوائل میں ملازمت اکبری میں داخل اور بُرہان پور میں کسی خدمت پر مامور تھے آخر کار ترک ملازمت کرکے گوشہ نشینی اختیار کی وفات کے بعد اپنے پیر خواجہ محمد یحییٰ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔ آپ کا مزار لبِ دریا اعتماد الدولہ اور سلطان پرویز کے باغ کے قریب واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے ۲۲ ذیقعد کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

مزار خواجہ محمد یحییٰ النقشبندیؒ

خواجہ محمد یحییٰ ابن خواجہ ابوالفیض ابن خواجہ محمد عبداللہ لیسر کلاں خواجہ عبداللہ احرار

قدس سرہٗ جمیع اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے تھے علوم عقلی و نقلی خصوصاً طب و حکمت میں کامل مہارت حاصل تھی۔ ہفت قلم اور خوشنویسی میں بے نظیر تھے سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ جاگیر سے آتا تھا سب غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء میں سفر حج کو تشریف لے گئے۔ اکبر نے آپ کو میر حاج مقرر کر کے اور بہت سا خرچ دیکر رخصت کیا حج سے فارغ ہو کر آگرہ تشریف لائے اور بقیہ عمر عبادت و ریاضت میں بسر کی۔ ۱۲ ربیع الاول ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء کو سفر آخرت اختیار کیا اور دریائے جمنا کے کنارہ متصل راج گھاٹ دفن ہوئے تاریخ وفات ؎

آں قطب زمانہ خواجہ یحییٰ — در وقت خودش نبود ثانی
در ماہ وفات خواجہ کونین — اُو رفت ازیں جہان فانی
تو را بر قم سہ بار بنویس — تا سال وفات او بدانی

خواجہ محمد زکریا آپ کے صاحبزادے آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ قریب قریب جو تین مزار واقع ہیں ان میں غالباً تیسرا مزار خواجہ محمد زکریا کا ہے۔

باب پنجم

آثارات قدیمہ لب دریائے جمن جانب مغرب

سلاطین مغلیہ کے عہد میں موضع سوگر سے موضع رنکتہ اور گئو گھاٹ تک جن کا درمیانی فاصلہ دس کوس ہے دریا کے دونو جانب عالیشان حویلیاں اور خوشنما باغات و مقابر واقع تھے آج جہاں محلہ بیلن گنج اور کچہری گھاٹ[۵۱] وغیرہ آباد ہیں وہاں سلطان سکندر لودی اور شاہان

[۵۱] محلہ کچہری گھاٹ جہاں آباد ہے وہاں شاہی زمانہ میں موسوی خاں صدر اعظم کی کچہری تھی۔

مُغلیہ کے عہد میں خالص اسلامی آبادی تھی۔ عالیشان حویلیوں کے علاوہ متعدد خانقاہیں دارالعلوم اور مساجد موجود تھیں۔ یوں تو آگرہ کا چپہ چپہ حسرت و عبرت کا مُرقّع ہے مگر اس حصّہ کو تو آگرہ کا اندلس سمجھنا چاہیئے جہاں نہ اب وہ حویلیاں باقی ہیں نہ وہ دارالعلوم و خانقاہیں موجود ہیں جہاں صدیوں تک اسلامی علوم ظاہری و باطنی کا سمندر موجزن رہا تھا۔ باغات۔ مساجد و مقابر سب مُنقلب یا نیست و نابود کر دئے گئے جن کے بچے کھچے آثار غلہ کے گوداموں۔ ملوں اور رہائشی مکانات کے اندر آ گئے جن کا اب پتہ چلانا بھی ناممکن ہو گیا لبِ جمنا جہاں صدیوں تک مُسلمان آباد رہے وہاں آج ایک مکان بھی مُسلمانوں کے قبضہ میں نہیں صرف مولانا شاہ رفیع الدین محدث اکبرآبادی کے قبرستان کا ایک نہایت مختصر حصّہ مُسلمانوں کی نوحہ خوانی کے واسطے باقی رہ گیا ہے کہ وہ بھی اب عام نظروں سے پوشیدہ اور نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہے اور اگر اس کے اطراف میں بنیوں کی عالی شان حویلیوں کی دیواریں نہ بن گئی ہوتیں تو وہ بھی کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار

سلاطین مُغلیہ کے تنزل کے ساتھ اس اسلامی آبادی کا بھی تنزل شروع ہوا یہاں تک کہ مرہٹوں اور جاٹوں کی چند روزہ حکومت میں اُن کے مظالم سے یہ تمام علاقہ قطعی ویران ہو گیا بہت سی نایاب عمارتیں دفینہ کی تلاش میں منہدم کرا دی گئیں۔ انگریزی عہد میں مسٹر بلنٹ صاحب کلکٹر پرمٹ نے جن کا دفتر مسجد مبارک منزل میں تھا اس محلہ کو از سرِ نو آباد کیا اور بلا کسی معاوضہ یا قیمت کے باقی ماندہ عمارات کو ساہوکاروں کے حوالہ کر دیا اسی نسبت سے اس کا نام محلہ شاہ رفیع الدین چوک آصف خاں۔ نخاس وغیرہ کی بجائے بیلن گنج مشہور ہوا۔

شاہی زمانہ میں جمنا ان حویلیوں اور باغات کی پائے بوسی کرتی تھی زمانہ کا رُخ پھرا دیکھ کر اس نے بھی اپنا رُخ پھیر لیا اور اب جمنا اور آبادی کے درمیان میں سڑک حائل ہے۔

حویلی دارا شکوہ

اس جانب کی عمارتوں میں سب سے عالی شان عمارت شاہزادہ دارا شکوہ کی حویلی تھی جس مقام پر آج پتھر کی دریبیاں اور نمین گنج واقع ہے اس مقام پر اس کی رفیع الشان عمارت تھی جس میں سنگ سرخ کے ایوان و دالان۔ شہ نشینے۔ حمام۔ چوک۔ حوض فوارے موجود تھے اعلیٰ درجہ کی پچیکاری اور منبت کاری

کا کام تھا۔ قلعہ سے حویلی تک آمد و رفت کے واسطے سنگ مرمر کا تہ خانہ بنا ہوا تھا۔ غدر سے قبل تک اس حویلی کا صرف باغ اور ایک حوض باقی رہ گیا تھا جو عام طور سے جمنا باغ کے نام سے مشہور تھا اس کو منہدم کرا کر غلہ کا گنج بنایا گیا اور چاندنی چوک اُس کا نام رکھا گیا۔ چند سال کے بعد وہ بھی منہدم کرا دیا گیا۔

حویلی سلیمان شکوہ

اس حویلی کے قریب ہی دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی حویلی تھی اُس کا بھی کوئی آثار باقی نہیں رہا۔

گھاٹ

اب جمنا کے کنارے پر جو سنگین گھاٹ واقع ہیں وہ سب ہندوؤں کے گھاٹ ہیں صرف سمسن گنج کے محاذ میں ایک اسلامی گھاٹ کہلاتا ہے جہاں ایک دیندار بھشتی مسمی مان خاں نے کسی قدیم مسجد کی بنیاد پر ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی ہے جس پر یہ کتبہ کندہ ہے "باب عبادت خانہ قدیم از سر نو تعمیر کنندہ مان خاں ولد خواجو قوم مسلمان پیشہ بھشتی ساکن دھرم شالہ بھرت پور متصل لب دریا گھاٹ خوجہ بنا کرد عبادت اہل اسلام تعمیر کردہ سپرد اہل پنچائت کرد۔ ۲۸ شوال ۱۳۱۸ھ۔"

اسلامی آثارات میں سب سے پہلے سمسن گنج کی جنوبی دیوار سے ملحق ایک مختصر قبرستان اور اسی سمت میں ایک معمولی عمارت کی مسجد ہے۔

حویلی مرزا ایزد بخش رسا

اس کے بعد مرزا ایزد بخش کی عالی شان حویلی کے آثار ہیں یہ مرزا ایزد بخش آصف خاں جعفر بیگ وزیر جہانگیر بادشاہ کا پوتا اور عالمگیر اور بہادر شاہ کے عہد کا مشہور امیر اور ادیب اور شاعر تھا رسا تخلص تھا ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء میں فرخ سیر نے اس کو شہید کرا دیا یہ حویلی اب مہاراجہ بھرتپور کی ملکیت میں ہے۔ اس کے ایک حصہ میں دھرم شالہ بنایا گیا۔ سب سے پہلے آگرہ کالج اسی حویلی میں جاری ہوا تھا ایک تہ خانہ میں مرزا ایزد بخش کی قبر موجود ہے فرخ سیر نے یہ حویلی ایک خوجہ کو دیدی تھی اس نسبت سے مدت تک یہ حویلی خوجہ کے نام سے مشہور رہی اور اب تک اس کی ملحقہ آبادی خوجہ کے گھاٹ کے نام سے مشہور ہے اب دریا کی جانب اس کے صرف دو برجوں کا زیریں حصہ باقی رہ گیا ہے۔

حویلی آصف خاں

اس حویلی کے بعد خان خاناں یمین الدولہ آصف خاں آصف جاہ (مرزا ابوالحسن) کی عالیشان حویلی کی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ اور پشت پہل سنگین برج اور ایک برجی اور ایک سنگین پھاٹک جانب

مغرب باقی ہے۔ یہ آصف خاں۔ اعتماد الدولہ کے بیٹے۔ نور جہاں بیگم کے بڑے بھائی ممتاز محل کے باپ اور جہانگیری اور شاہجہانی عہد کے سب سے بڑے امیر تھے جن کا انتقال ۱۰۵۱ھ میں بمقام لاہور ہوا اُن کا مقبرہ لاہور میں ہے۔ عمارات کا ان کو بہت شوق تھا لاہور۔ آگرہ۔ دہلی اور کشمیر میں دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ کے صرف سے عالی شان حویلیاں بنوائی تھیں آگرہ کے جس مقام پر یہ حویلی واقع ہے وہ نخاس کے نام سے مشہور تھا اس حویلی میں ۵۶ پھاٹک اور ۵۲ چوک تھے۔ پانچ سو بیگہ اراضی میں پوری عمارت تھی۔ اکثر آثار قدیمہ مثلاً خانقاہ شاہ رفیع الدین صاحب وغیرہ اس کے درمیان میں آگئے تھے۔ اب اس کے اندر ایک محلہ آباد ہے اور بیرونی جانب سوائے آثارات مندرجہ بالا کے کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ جدید ریلوے پل کی جانب جو برج ہے اُس کے حصۂ زیرین میں کسی بزرگ کا مزار بتایا جاتا ہے مشہور ہے کہ اس برج کے اندر بالائی حصہ پر بیٹھنے سے کئی آدمی مر چکے ہیں اس وجہ سے یہ جوتی برج کہلاتا ہے۔ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں واقعات ۱۴ جلوس اس حویلی میں جانے کا ذکر کیا ہے اور اس کے حمام کی بہت تعریف لکھی ہے۔

مسجد مبارک منزل

اسکے بعد وہ عمارت تھی جس میں شہنشاہ عالمگیر فتح سموگڑھ کے بعد آگرہ میں آکر مقیم ہوا تھا اسی نسبت سے یہ مبارک منزل کے نام سے مشہور تھی اس کے قریب بادشاہ نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی جو مسجد مبارک منزل کے نام سے مشہور ہوئی اس مسجد کا کتبہ جو مرزا ایزد بخش رسا کا لکھا ہوا مسجد کے دروازہ پر کندہ تھا۔ جو مفتاح التواریخ مؤلفہ مسٹر بیل صاحب اور تاریخ آگرہ منشی سیل چند میں نقل ہوا ہے۔ انگریزی عہد میں اس مسجد میں پرمٹ کی کچہری قائم کی گئی اور مسٹر بلنٹ کلکٹر پرمٹ نے مبارک منزل میں مبارک گنج قائم اور محلہ بیلن گنج آباد کیا۔ جب پرمٹ کی کچہری اس میں سے ہٹی تو گورنمنٹ نے اٹھارہ ہزار روپیہ میں سیٹھ چنی لال صاحب کے ہاتھ نیلام یا فروخت کر دی۔ مدت تک اس میں ای۔ آئی۔ آر کا گودام رہا۔ مسلمانوں نے کئی مرتبہ اس مسجد کے واگذاشت کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی اخیر مرتبہ مسٹر بیگڈائل صاحب لفٹنٹ گورنر کے زمانہ میں جبکہ اس میں ریلوے کا گودام تھا یہ معاملہ گورنمنٹ تک پہنچا اور مسٹر فینیتھم صاحب ڈپٹی کلکٹر اسکی تحقیقات پر مامور ہوئے۔

اُس وقت تک اسکے ایک حصّہ میں مُصلّے تک موجود تھے مگر افسر تحقیقات کنندہ نے اس کو مسجد تسلیم نہ کیا اور حویلی تسلیم کرکے رپورٹ بھیجی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ بطور یادگار فتح عالمگیر یہ عمارت آثار قدیمہ میں شامل کرکے اس مضمون کا دروازہ پر ایک کتبہ لگا دیا گیا اب خدا معلوم کس طرح وہ کتبہ بھی ندارد ہو گیا اور اُس دروازہ کی جگہ دوسرا جدید سنگین دروازہ تعمیر ہو گیا ہے۔

مسجد کی عمارت منقلب حالت میں ہے مگر بیرونی محرابیں اور گوشوں کے چاروں ہشت پہل بُرج اصلی حالت پر قائم ہیں چھت پر مزید عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ و گورنمنٹ ٹریژرر اس کے مالک ہیں۔

حویلی شائستہ خاں

مُبارک منزل کے بعد امیر الامرا نواب شائستہ خاں کی حویلی تھی جو خانخاناں آصف خاں کے بیٹے اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے مشہور امیر اور بادشاہ کے ماموں تھے اس کے کسی قدر آثار نالہ کے کنارہ پر باقی ہیں۔

شورہ والی کوٹھی

اسکے بعد وہ کوٹھی ہے جو شورہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور اور سابق میں نواب صفدر جنگ صاحب امیپور کی ملکیت میں تھی جسے اُنھوں نے رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے یہ غالباً بہمن یار خاں خلف نواب شائستہ خاں کی حویلی ہے اس میں اب بہت تغیر و تبدل ہو گیا ہے مگر عمارت قدیمہ اب بھی باقی ہے۔

اس کے بعد لبِ دریا جان صاحب والی عالی شان ملیں اور کارخانے بن گئے ہیں پھر شہر کا واٹر ورکس یا کارخانہ آب رسانی کی عمارت اور تالاب ہیں۔ بیسیوں آثار قدیمہ ان کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئے۔

روضہ جعفر خاں

اسکے بعد نواب جعفر خاں کا روضہ ہے۔ یہ جعفر خاں صادق خاں میر بخشی کا لڑکا اور یمین الدولہ آصف خاں کا بھانجہ اور داماد اور شاہجہانی اور عالمگیری عہد کا مشہور پنجہزاری امیر تھا جو عمدۃ الملک کے خطاب سے موصوف اور اخیر میں وزیر اعظم تھا ۱۰۸۸ھ میں انتقال ہوا۔ اسی روضہ کے قریب اُس کی حویلی تھی جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں۔ روضہ کی عمارت منقلب حالت میں موجود اور

چہار دیواری اور گوشوں کے شکست برج ہنوز قائم ہیں یہ کسی ہندو رئیس کی ملکیت میں ہے اور اب اس میں گئوشالہ ہے۔

مقبرہ و مسجد نواب شالیستہ خاں

روضہ کے محاذ میں مشرقی جانب سنگ سرخ کی ایک شکستہ مسجد اور ایک منہدمہ سنگین روضہ کی عمارت واقع ہے اس پر کوئی کتبہ تو موجود نہیں مگر گذشتہ قلمی تحریرات اور آثار قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواب شالیستہ خاں خلف یمین الدولہ آصف خاں کے مقبرہ کی باقیماندہ عمارت کے آثار ہیں۔ مقبرہ کا گنبد ایک مرتفع اور منہدمہ چبوترہ کے وسط میں واقع ہے جس میں اب ایک کاشتکار رہتا ہے۔ گنبد شاندار اور سنگ سرخ کا ہے باقی ماندہ پتھر منقش اور خوشنما ہیں۔ مقبرہ کے شمالی جانب مسجد کی عمارت ہے جسکی کرسی مقبرہ سے نیچی ہے یہ دو درجہ اور پانچ محراب کی مسجد تھی جس کا ایک بیرونی درجہ اور شمالی جانب کا ایک گنبد منہدم ہو گیا۔ دو گنبد باقی ہیں۔ مقبرہ اور مسجد کے اکثر منہدمہ پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ صحن کے گوشہ جنوب و مشرق میں ایک چبوترہ پر تین سنگین قبریں ہیں مگر کسی پر گنبد نہیں۔ یہ مسجد اور مقبرہ آثار قدیمہ میں داخل ہے اور یہاں محکمہ آثار قدیمہ کا نوٹس لگا ہوا ہے۔

چھتری جسونت سنگھ

جعفر خاں کے روضہ سے آگے رجواڑہ کی آبادی اور جسونت کی چھتری واقع ہے۔ اسجگہ پر مغلیہ عہد کے راجپوت راجاؤں کی عمارتیں واقع تھیں جو اب باقی نہیں البتہ ایک مختصر سی دیہاتی آبادی اس عہد کی یادگار اور ہنوز رجواڑہ کے نام سے موسوم ہے آثار قدیمہ میں صرف راجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور کی جو شاہجہانی اور عالمگیری عہد کا مشہور امیر تھا کچہری کی عمارت باقی ہے جو چھتری راجہ جسونت سنگھ کے نام سے مشہور اور لب دریا نہایت شاندار اور منقش خوش منظر عمارت ہے۔

مقبرہ شاہ سید رفیع الدین محدث اکبرآبادی

محلہ بالس دروازہ سے جو سڑک بیلن گنج کو گئی ہے اس سڑک پر جانب مشرق ایک تنگ گلی کے اندر ہو کر اس مقبرہ کا راستہ ہے جو شاہی زمانہ میں آصف خاں کی حویلی کے احاطہ میں آگیا تھا۔

سید رفیع الدین کا کسی قدر تفصیلی حال بوستان اخیار یا تذکرہ مشاہیر اکبرآباد میں قلمبند کیا

جا چکا ہے مختصر یہ ہے کہ آپ حسنی حسینی سیّد اور نہایت عالم فاضل بزرگ تھے۔ پیدائش کا مقام آنک متصل شیراز ہے۔ آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ وطن سے ہجرت کر کے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً میں آ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ عراق و عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کی سیّاحی فرماتے ہوئے ہندوستان میں تشریف لائے گجرات سے دہلی اور وہاں سے آگرہ میں رونق افروز ہوئے سلطان سکندر لودی کا زمانہ تھا آگرہ نیا آباد ہو رہا تھا۔ بادشاہ دور دور سے علما فضلا کو بلا کر آگرہ کو رونق بخش رہا تھا بادشاہ کی دینداری اور علمی قدردانی اور آگرہ کی خاک ایسی دامنگیر ہوئی کہ سیّاحی ترک کر کے جمنا کے کنارہ اسی مقام پر آباد ہو گئے۔ سکندر لودی کے زمانہ سے سلیم شاہ سور کے زمانہ تک چھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور ہر عہد میں معزز و محترم رہے ہر بادشاہ آپ کی خانقاہ کی حاضری باعث فخر اور امورات سلطنت میں آپ کے نیک مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ آپ کی خانقاہ ایک عظیم الشان اسلامی مسافر خانہ اور آپ کا دسترخوان خلیلی دسترخوان تھا۔ ہزاروں علما فضلا شعرا۔ اور شرفا مختلف ممالک سے ہجرت کر کے آپ کی خانقاہ میں آ کر قیام فرماتے اور آپ کی سخاوت و دریا دلی کے بدولت آپ ہی کے محلہ میں آباد ہو جاتے تھے۔ آپ کی خانقاہ علوم ظاہری و باطنی خصوصاً علم حدیث کی ایک ایسی یونیورسٹی تھی جس کا فیض مدت دراز تک جاری رہا اور ہزاروں طلبہ اس سے فیضیاب ہوئے ۹۵۴ھ میں آپ کا وصال ہوا اور خانقاہ کے اندر آرام فرمایا اب نہ وہ محلہ باقی نہ خانقاہ کی کوئی عمارت موجود صرف قبرستان کا مختصر حصہ باقی رہ گیا ہے۔ مزار مبارک کے اوپر ایک وسیع اور خوشنما سنگین گنبد تھا جس کی چھت گر گئی ستون وغیرہ باقی ہیں۔ اس قبرستان میں اس عہد کے اور بھی بہت سے بزرگان باکمال کے مزارات واقع ہیں۔ قبرستان کی موجودہ حالت خراب اور کس مپرسی کے عالم میں ہے۔

مزار شاہ فخرالدین مداری رح

شاہ فخرالدین مداری صدیقی رح عہد اکبری کے مشاہیر بزرگوں سے ہیں جن کے ذکر خیر سے بوستان خیال کے اوراق شگفتہ ہیں ۱۹ جمادی الثانی ۹۷۰ھ آپ کے وصال کی تاریخ ہے محلہ بیلنگنج کے قریب

ایک محلہ جیونی منڈی کے نام سے موسوم ہے اُس کے قریب شمالی جانب آپ کا مزار مبارک واقع ہے۔ اس پر عالی شان گنبد تھا جواب باقی نہیں رہا درگاہ کی چہار دیواری تک باقی نہیں رہی۔

باب ششم

عمارات خاص شہر آگرہ

جامع مسجد

جہاں آرا بیگم

یہ عالیشان جامع مسجد شاہزادی جہاں آرا بیگم کی بنوائی ہوئی ہے جو ممتاز محل کے بطن سے شاہجہاں بادشاہ کی دوسری بیٹی اور بیگم صاحبہ کے خطاب سے موصوف تھیں سہ شنبہ کے دن ۲۳ سنہ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۱۴ء کو پیدا ہوئیں۔ سن تمیز پر پہنچکر اعلیٰ تعلیم حاصل کی شاہجہاں کو اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ ان سے محبت تھی چنانچہ ممتاز محل کے انتقال کے بعد اُن کے متروکات میں سے جس کی تعداد ایک کروڑ روپیہ سے زائد تھی نصف حصہ بادشاہ نے انھیں مرحمت کیا اور نصف اور سب اولاد میں تقسیم کیا گیا۔ اُس وقت تک چار لاکھ روپیہ سالانہ اِن کا وظیفہ تھا۔ اُس کی تعداد دس لاکھ کر دی گئی جس کی تعداد بعد میں اضافہ ہوتے ہوتے ساٹھ لاکھ روپیہ سال تک پہنچی بیگم صاحبہ کو امورات سلطنت میں بھی بیحد اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ چونکہ وہ دارشکوہ کی علانیہ طرفدار تھیں لہذا اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں اُن کا وہ اقتدار باقی نہیں رہا اور اُن کا وظیفہ بھی بجائے ساٹھ لاکھ کے سترہ لاکھ روپیہ سالانہ رہ گیا۔ بیگم صاحبہ باپ کے ایام قید میں اُسکی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک رہیں اور شاہجہاں کی وفات کے بعد قلعہ دہلی میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ آخرکار ۳ رمضان سنہ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء کو سفر آخرت اختیار کیا اور حضرت

نظام الدین اولیاؒ کے روضہ کے صحن میں اُس حجرہ کے اندر جو اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا دفن ہوئیں لوحِ مزار پر یہہ بیت کندہ ہے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا بیگم صوم صلوٰۃ اور دیگر احکام مذہبی کو کمال سرگرمی سے انجام دیتی تھیں اور بزرگانِ دین خصوصاً خواجگانِ چشت اہلِ بہشت سے خاص عقیدت رکھتی تھیں۔ بزرگانِ چشت کے حالات میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو مونس الارواح کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ اُن کے چند خطوط جو بھائیوں کی باہمی لڑائی کے زمانہ میں اورنگ زیب کے نام لکھے تھے اور نظم میں شاہجہاں کا مرثیہ بھی کتب تاریخ میں موجود ہے

شاہجہاں آباد (دہلی) لاہور۔ کشمیر۔ کابل۔ اجمیر اور اکبرآباد میں اُنہوں نے بہت سی عمارتیں اور باغات تعمیر کرائے جن میں سے اب بھی اکثر موجود ہیں۔

شاہجہاں نے جب تخت نشین ہو کر قلعہ اکبرآباد میں نئی نئی عمارتیں بنوائیں تو شہر میں بھی لبِ دریا ایک عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی ہنوز پورے طور سے کام تعمیر شروع نہ ہونے پایا تھا کہ ممتاز محل کا انتقال ہو گیا اور روضہ کی تعمیر شروع ہو جانے سے مسجد کی تعمیر ملتوی ہو گئی۔ اسی عرصہ میں بادشاہ کو یہہ خیال پیدا ہوا کہ جامع مسجد بجائے لبِ دریا کے وسط شہر میں تعمیر ہونا چاہیئے تاکہ ہر وقت آباد رہے اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو پس قلعہ کے پاس یہہ مقام جہاں اب جامع مسجد واقع ہے تجویز ہوا۔ جہاں آرا بیگم نے باپ سے التجا کی کہ یہہ کارِ خیر میرے سپرد کیا جائے تاکہ میرے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب لکھا جائے۔ بادشاہ نے یہہ التجا قبول کی اور بیگم صاحبہ نے خود اس مسجد کو بنوانا شروع کیا۔ کچھ زمین خاص کی تھی باقی مالکان اراضی سے منہ مانگی قیمت پر خرید دی گئی غرضکہ پانچ برس کے عرصہ میں پانچ لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء میں یہہ رفیع الشان مسجد تکمیل کو پہنچی۔

یہہ مسجد سنگ سُرخ کی ہے صرف بیرونی دیوار خشت وچونے کی ہے اندر فرش سے ۵ فیٹ ۱۱ انچ کی بلندی تک اور اندرونی درمیانی محراب اور پیش طاق میں شفاف سنگ مرمر لگا ہے۔ اسکی لمبائی

(۲۱۷ فیٹ اصل مسجد ۴۴۰ فیٹ (شمال وجنوب کے حجرے) ۲۷۱ فیٹ اور چوڑائی ۹۳ فیٹ ۵ انچ اور بلندی فرش صحن سے ۷۰ فیٹ ہے درمیان میں بلند پیش طاق اور اردگرد دو دو محرابیں ہیں بغلوں میں دونوں طرف تین تین حجرے عورتوں کے واسطے بنائے گئے ہیں جن میں بیرونی جانب جالیاں لگی ہیں درمیانی محراب میں نہایت چمکدار سنگ مرمر لگا ہے اور اطراف میں بخط نسخ سورہ والشمس اور درمیان میں آیت الکرسی اور ۱۰۵۸ھ سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کندہ ہے جو نہایت خوشخط اور جلی قلم سے لکھی گئی ہے۔ خاص مسجد کا فرش اب سادہ ہے مگر ظن غالب ہے کہ مثل بغلی حجروں کے جن میں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے مصلے بنے ہوئے ہیں یہاں بھی ضرور مصلے بنے ہونگے۔

مسجد کا صحن ۲۷۱ فیٹ × ۲۰۸ فیٹ ہے۔ اس کے اردگرد یعنی تینوں ضلعوں میں ایک ایک درہ اور پچاس محرابوں کے دالان بنے تھے جن میں اب صرف شمال وجنوب کے ۱۸-۱۸ محرابوں کے دلان باقی ہیں جو ۱۵ فیٹ ۱۴ انچ چوڑے ہیں مشرقی دالان معہ عالیشان صدر دروازہ کے جو بادشاہی دروازہ کے نام سے موسوم تھا غدر ۱۸۵۷ء میں گرا دیا گیا بلکہ مسجد بھی منہدم ہوتے ہوتے رہ گئی۔ صحن کے وسط میں ۴۲ فیٹ لمبا اور ۳۲ فیٹ چوڑا حوض بنا ہے جس کے چاروں گوشوں پر ایک برج اور درمیان میں فوارہ لگا ہے۔ شاہی زمانہ میں اس حوض میں مسجد کے کنوئے سے جو جنوبی جانب مسجد کے باہر نیچے واقع ہے پانی بھرا جاتا تھا اب نلوں کے ذریعہ سے پانی آتا ہے۔ تینوں ضلعوں کے وسط میں ایک ایک دروازہ ہے جس میں شمالی وجنوبی دروازہ قدیم اور مشرقی دروازہ جدید بنا ہے جس کی بیرونی پیشانی پر یہ عبارت کندہ ہے "دروازہ مسجد جامع (۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) میں باہتمام صاحبان لوکل اجنٹان اہل اسلام آگرہ تیار ہوا"

مسجد کی چھت نہایت بلند ہے جس پر تین رفیع الشان وخوشنما گنبد اور درمیانی گنبد کے اطراف میں چار بلند منارے اور چاروں گوشوں پر چار آٹھ آٹھ محرابوں کے برج واقع ہیں اسی طرح کے دو برج مشرقی ضلع کے دونوں گوشوں پر بنے ہیں۔ گنبد سنگ سرخ کے ہیں جن میں سنگ مرمر کی پچیکاری سے خوشنما پٹریاں بنائی گئی ہیں۔ مسجد کی پیش طاق والی دیوار اور دالانوں کی دیواروں

برابر برابر ۶۷ برجیاں حزین ہیں جنہوں نے مسجد کی خوشنمائی کو دوبالا کر دیا ہے۔

مسجد کے پیش طاق کی بیرونی محراب کے اطراف میں سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچکاری سے بخط نسخ یہہ کتبہ مرقوم ہے۔

ایں مسجد لیست شریف خدا پرستان روئے زمیں را و معبد لیست منیف سعادت نشان عبادت گزیں را و منظر لیست نور افزائے دیدہ وراں۔ عبرت آئیں را و مسکنیست دلکشا عارفان حقیقت بیں را۔ کہ بامر رفیع القدر نواب فلک جناب خورشید احتجاب عصمت قباب عفت نقاب سیدہ نساء زماں صاحب نسوان دوراں ملکۂ جہاں مالکۂ گیہان ناموس العالمین اعزاولاد امیر المومنین جہاں آرا بیگم در عہد سعادت مہد صاحب عصر والئی دہر ظل ظلیل حضرت سبحان خلیفۂ بنیل ایزد منان۔ باعث امن و امان۔ بادشاہ ہفت اقلیم۔ براز ندۂ تخت دو بہیم۔ حارس ملک و ملت۔ قامع جور و بدعت۔ بادشاہ دیں پناہ۔ شہنشاہ حق آگاہ۔ مظہر کرم وجود۔ برگزیدۂ حضرت معبود۔ فرماں فرمائے بحر و بر دادہ عدل گستر۔ رافع لوائے بر و احسان۔ جہاں بان ملک ستاں۔ مقنن قوانین رعیت پروری و پروردہ نوازی ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقراں ثانی۔ شاہجہاں بادشاہ غازی بہ مبلغ پنج لک روپیہ کہ قریب ہفتدہ ہزار تومان رائج ایران و بیست پنج لک خانی نافذ توران باشد در عرض پنج سال صورت انجام پذیرفتہ۔ ایزد بے نیاز دادائے انباز ایں بنائے رفیع را چوں بیت المعمور پائدار و ایں اساس منیع را چوں کاخ فلک برقرار دارد۔ و برکات و میامن آں را بروزگار کرامت آثار بانیہ مبانی خیرات عام مراسم مبرات عاید گرداناد تمہ سنہ ۱۰۵۸

غدر ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانہ میں نہ صرف اس مسجد کا شاندار مشرقی دروازہ ہی مع دالان ہائے متعلقہ منہدم کرا دیا گیا بلکہ یہہ مسجد بھی معطل کر کے مقفل کر دی گئی اور جس کے دروازے سات آٹھ برس تک نمازیوں کے واسطے بند اور سپاہیوں اور کارخانوں کے واسطے کھلے رہے۔

۲۵ راگست ۱۸۵۷ء سے مولانا محمد قمر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ متولی جامع مسجد نے اس مسجد کی واگذاشت کی کوشش شروع کی اور صاحب مجسٹریٹ ضلع سے لیکر حکام فوجی اور جناب گورنر جنرل صاحب بہادر تک متعدد درخواستیں پہنچائیں۔ آخر کار سات آٹھ برس کی مسلسل کوشش اور شب و روز کی دعاؤں کے بعد رحمت الٰہی جوش میں آئی اور مسٹر جان بیٹن صاحب کمشنر آگرہ کی سفارش اور رحم دل لارڈ جان لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل ہند کے حکم نمبری ۳۹۸ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۶۴ء کے بموجب جناب نواب گورنر بہادر نے بذریعہ چٹھی نمبری ۱۲۲۸ الف مورخہ ۴ مئی ۱۸۶۴ء اس مسجد کو واگذاشت فرما کر تمام مسلمانان ہند کو مشکور فرمایا اور ۱۶ مئی کو برگڈیر میجر صاحب آگرہ نے مسجد کا دخل مولانا محمد قمر الاسلام کو دے دیا۔

واگذاشتگی کے بعد سب سے پہلے عید الاضحیٰ کی نماز جامع مسجد میں ادا کی گئی جس میں اضلاع قرب و جوار کے بھی بہت سے مسلمان شریک تھے۔ نماز کے بعد گورنمنٹ عالیہ کے شکریہ کے واسطے جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا محمد قمر الاسلام[1] نے عربی میں گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور حسب ذیل اشعار پڑھے[2]

شکر خدا کہ رفت خزان و بہار شد — آباد باز خانۂ پروردگار شد
ز آشوب دہر مسجد جامع بہ آگرہ — یک لخت بے نماز و اذان تیرہ تار شد
ہر چند در مشیت حق خلق را چہ دخل — لیکن بہ عابدان زمان ناگوار شد
مسجد کہ بے نماز بود کم ز مردہ نیست — در تن چو جاں نماند ز عز و وقار شد
حاکم خدا پرست و مسیحا نفس رسید — احیائے امر خیر از و آشکار شد

[1] مولانا محمد قمر الاسلام موضع رسول آباد پرگنہ تال گرام ضلع فرخ آباد کے متوطن اور صدر دیوانی آگرہ کے اپیل روم کے دفتر میں ملازم تھے۔ آپ ایک معزز شریف علمی خاندان کے فرد تھے جو صدیوں سے علم و فضل سے موصوف تھا۔ مسٹر جیکسن صاحب کمشنر آگرہ نے آپکی دیانت و امانت کا شہرہ سنکر آپ کو جامع مسجد کا متولی مقرر فرمایا تھا۔ جب تک صدر دیوانی کا دفتر آگرہ میں رہا آپ جامع مسجد کے متولی اور امام رہے۔ آپ کے اہ آباد تشریف لیجانیکے بعد آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد سراج الاسلام جامع مسجد کے امام مقرر ہوئے اور جامع مسجد کی تولیت کمیٹی لوکل اینجنٹی اہل اسلام آگرہ کے سپرد ہوئی۔ ہمارے موجودہ امام مولانا ضیاء الاسلام صاحب جوان بزرگان کی بہترین یادگار ہیں مولانا محمد سراج الاسلام کے صاحبزادہ ہیں

[2] یہ اشعار خود مولانا محمد قمر الاسلام کے دست مبارک کی لکھی ہوئی

[3] کتب خانہ محمدیہ آگرہ میں موجود ہیں ۱۲

برعرض ایں فقیر زِ انصاف گوش کرد — حاصل بہ دے ثواب دمرا افتخار شد
مسجد بروز عید منوّر شد از نماز — بعد از نماز خلق زحق خواستگار شد
یارب بہ مدعا برساں آں امیر را — خلقِ تو کرد عدالتِ او کامگار شد
ذکرِ دعائے خیر ترا ایہا الامیر — دایم دل و زبانِ مرا شغل و کار شد
نام نکو زبانی مسجد چنانکہ ماند — ہر چند انقضائے بسے روزگار شد
زینساں بنام نامی ممدوح من قمر — زیں امرِ خیر نامِ نکو یادگار شد

اِس جلسہ میں سر سیّد احمد خاں مرحوم بھی شریک تھے اور اُنہوں نے اُردو میں جو طول طویل دُعا پڑھی تھی وہ اُن کے لکچروں کے مجموعہ میں شائع ہو چکی ہے۔

اب اس مسجد کا اہتمام بشمول دیگر مساجد شاہی ایک کمیٹی کے متعلق ہے جو کمیٹی لوکل ایجنٹی یا اِسلام کمیٹی کے نام سے موسوم اور پانچ ممبروں پر مشتمل ہے۔ یہہ کمیٹی زیر ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء قائم ہے اور ممبروں کا انتخاب مسلمانان آگرہ کرتے ہیں۔ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء میں جامع مسجد کی دوکانات کی آمدنی صرف ساٹھ ۶۰ ماہوار تھی۔ اب مبلغ اسّی ۸۰ ماہوار کرایہ وصول ہوتا ہے جامع مسجد میں

مدرسہ عالیہ — ایک مدرسہ بھی جاری ہے جو مدرسہ عالیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اُردو۔ فارسی۔ حساب قرآن مجید قرأت کے علاوہ اعلیٰ درجہ تک عربی کی تعلیم ہوتی ہے

مسافرخانہ — شاہی زمانہ میں اس کے قریب اور اِس کے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس کا اب کوئی وجود باقی نہیں رہا۔

ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ

قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان میں آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن کی عمارت واقع ہے جو آگرہ

چوک دتر پولیہ — کا سب سے زیادہ بارونق ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں سابق میں چوک دتر پولیہ کی شاندار عمارت واقع تھی جسے شاہجہاں بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہہ ہشت پہل عمارت تھی جس کا قطر ۷۰ فیٹ تھا۔

درمیان میں وسیع صحن اور اطراف میں دو منزلہ دو درجہ کی دوکانیں تھیں جن میں ہر قسم کے اعلیٰ تجار بیٹھتے تھے۔ نہایت آباد اور شاندار مقام تھا جس کے آثار اسٹیشن کی تعمیر ہونے تک موجود تھے۔

شفاخانہ و مسجد محکمہ

اسی کے قریب شاہی شفاخانہ کی وسیع عمارت تھی اور ایک قدیم مسجد موسومہ مسجد محکمہ واقع تھی جس میں قاضی اور مفتی شہر کا اجلاس ہوا کرتا تھا۔ ایام غدر میں یہ عمارتیں قلعہ کے قریب ہونے کی وجہ سے منہدم کرادی گئیں۔

مزار شاہ مبارک غوثؒ

شہر سے جو سڑک آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن اور قلعہ کو گئی ہے اس پر ریلوے پل کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد اور اس کے سامنے ایک مزار واقع ہے جو شاہ مبارک غوثؒ کا ہے آپ سادات کبار اور مجذوبان صاحب حال سے تھے مدت تک گوالیار میں رہے اور ۹۶۷ھ میں اکبر آباد میں تشریف لائے اور چند روز بعد یہیں انتقال فرمایا پہلے اس مزار پر عمارت بنی ہوئی تھی اور قرب و جوار میں بہت بڑا محلہ آباد تھا جو قلعہ کے متصل ہونیکی وجہ سے ایام غدر میں مسمار کر دیا گیا۔

قبرستان قدیم متصل قلعہ

پتھر کا گھوڑا

قلعہ کے شمال و جنوب اور مغرب میں مختلف مقامات پر کئی سنگین قبریں بنی ہوئی ہیں اور جنوبی جانب لب سڑک ایک سنگین گھوڑا نصب ہے جو کسی گھوڑے کی یادگار میں بنایا گیا تھا گوشہ شمال و مغرب میں پختہ کنوے کے قریب ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں دس بارہ سنگین و پختہ قبریں موجود ہیں۔ ان میں صرف ایک قبر پر جو اسلامی اور عیسائی دونوں طرز کی قبروں کا مجموعہ ہے ایک طرف انگریزی میں اور

قبر ستارہ بیگم

پائیں پر فارسی میں یہ کتبہ کندہ ہے ؎

قضا ز جام اجل چوں ستارہ بیگم را — چشاند ذائقۃ کل من علیہا فان

جلیل مرتبہ لفٹنٹ شارپ عالی جاہ — ازاں جمیلہ معشوقہ عشق داشت بجاں

بسے زمردش افسوس خورد و کرد بنا	منارۂ کہ بود یادگار از جاناں
بگفت ہاتفِ عیسیٰ نفس پئے تاریخ	ستارۂ فلکِ حسن و ناز گشت نہاں

سنہ ۱۸۰۴ء

مسجد اکبر آبادی یا اکبری مسجد

یہ مسجد کناری بازار میں واقع ہے جسے شاہجہاں بادشاہ کی ایک دیندار بیگم نے جن کا نام اعزّ النسا بیگم اور خطاب اکبر آبادی محل[1] تھا تعمیر کرایا تھا۔ کسی زمانہ میں یہ عمارت کے لحاظ سے جامع مسجد کے بعد شمار ہوتی تھی اب اگرچہ قدیم عمارت باقی نہیں رہی مگر بلحاظ رونق و آبادی یہ مسجد تمام اکبر آباد میں اوّل درجہ پر ہے اس میں ہر وقت کثرت سے نمازیوں کا ہجوم رہتا ہے اور بہت بڑی جماعت ہوتی ہے۔ موجودہ عمارت سنہ ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں باہتمام کمیٹی لوکل ایجنٹی اہل اسلام آگرہ تعمیر ہوئی تھی۔ یہ سات محراب اور دو درجے یعنی دالان در دالان کی عمارت ہے جس کی لمبائی ۸۰ فیٹ ۳ انچ اور چوڑائی ۲۴ فیٹ ۱۲ انچ ہے چھت کے چاروں گوشوں پر ایک ایک برجی اور درمیان میں ایک چھوٹا سا پست گنبد واقع ہے۔ باقی چھت ۴-۴ ستونوں کے درمیان میں پتھر کی پیٹیوں سے پٹی ہے۔ ایک ایک ستون پر تین تین چار چار محرابیں قائم ہیں ستون بہت بلند و خوشنما اور ۱۲-۱۲ اپیل کے ہیں اور ہلالی محرابیں بھی جو کل ۳۱ ہیں بہت خوبصورت ہیں۔ بیرونی درمیانی محراب کے اوپر یہ کتبہ کندہ ہے۔

باہتمام صاحبان لوکل اجنٹ اہل اسلام آگرہ مسجد اکبری مع صحن و حوض دو کاکین وغیرہ بار دوم از سر تو تعمیر یافت سنہ ۱۲۷۸ھ"

صحن کی چوڑائی ۵۸ فیٹ ۱۲ انچ ہے جس کے درمیان میں ۲۷×۲۷ فیٹ حوض ہے شمالی جانب ایک دالان اور دو تین حجرے اور مشرقی جانب دونوں گوشوں پر دو سنگین برج بنے ہیں مسجد کے نیچے شمال و مشرق میں دو دکانیں بنی ہیں۔ جن کا اہتمام اسلامیہ کمیٹی کے متعلق ہے۔ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء

[1] اکبر آبادی محل نے ۴ ذوالحجہ سنہ ۱۰۸۷ھ / ۱۶۷۶ء کو وفات پائی۔

ہیں ان دو کانوں کا کرایہ صرف ۱۵ روپیہ ماہوار تھا اب تبلغ ۷۰ کے قریب ہے۔

مسجد اختیار خاں فوجدار

یہ مسجد کناری بازار اور بازار سیب کے درمیان میں واقع ہے اس کی موجودہ عمارت دو منزلہ ہے۔ پہلی منزل قدیم اور دوسری منزل زمانہ مابعد کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی منزل مدت سے ایک بنیہ کے قبضہ میں تھی جو چند سال سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہے دونوں منزلوں میں تین تین محرابیں ہیں نیچے کی منزل کی مغربی دیوار میں پانچ سنگ سرخ کی محرابیں بنی ہیں۔ مسجد کے آگے جو دو کانیں ہیں وہ متولی کی بے ایمانی سے عرصہ دراز ہوا کہ نیلام ہو کر ایک بنیہ کے قبضہ میں ہیں اور بالائی منزل کی مسجد کے سامنے ہی اُس کا ایک کمرہ بنا ہوا ہے اس وجہ سے یہ مسجد بالکل بند ہو گئی ہے یہاں تک کہ اس کا راستہ بھی نہایت مختصر اور تاریک ہے۔ بالائی منزل کی مغربی دیوار میں یہ کتبہ کندہ ہے "بنا کردہ ایں مسجد در ایام دولت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خلد اللہ ملکہ، بندۂ درگاہ اختیار خاں فوجدار خاصہ ابن شہاب الدین در سال نہصد و شصت و ہشت از ہجرت" اس سے واضح ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد اور ۹۶۸ھ میں اختیار خاں فوجدار نے اس مسجد کو بنوایا تھا۔

مسجد خواجہ وفا

خواجہ وفا کا اصلی نام حافظ محمد صالح تھا آپ میر عبداللہ احراریؒ کے خلیفہ تھے اور اپنے پیر بھائی حضرت شاہ ابوالعلی قدس سرہ سے بھی فیض پاکر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ یہ آپ کی تعمیر کی ہوئی مسجد بازار سیب میں واقع اور کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے۔ اس میں چھ دروں کا دالان در دالان ہے جس میں اندرونی دالان میں اجارہ تک سنگ مرمر لگا ہے بیرونی محرابوں پر کتبہ کندہ ہے جس کے بہت سے حروف مٹ گئے ہیں جو کچھ پڑھا گیا وہ حسب ذیل ہے ..... در سنہ ہزار و یکصد و بیست و دو یم (۱۱۲۲ھ) ..... جلوس مبارک برائے عبادت اہل اسلام ایں مسجد با

منزل دو کاکین بنا ساخت ..... اخراجات مسجد ... مسجد واگذارد ... و ہمہ مسلمانان و اکابر شہر برائے عند اللہ شاہد ایں معنی باشند دہر کس کہ در آں تفاوت راہ دہد نگذارند کہ تفاوتے تواند نمود والا روز محشر ماخوذ خواہند گشت" اس مسجد کے نیچے دو کانیں بنی ہوئی ہیں۔

گرجا بازار سیب و سینٹ جونس کالج

بازار سیب کا یہ گرجا اور سینٹ جونس کالج جو اس کے قریب مغربی جانب واقع ہے پرٹسٹنٹ عیسائیوں کی عمارتیں ہیں جو ۱۸۵۰ء میں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس کا احاطہ بہت وسیع ہے جس میں دیسی عیسائیوں اور عیسائی واعظوں کے رہنے کیواسطے متعدد مکان بنے ہیں وسط میں گرجا کی رفیع الشان عمارت ہے جس کی چوٹی کوسوں تک نظر آتی ہے۔

سینٹ جونس کالج کی عمارت بھی وسیع ہے۔ یہہ کالج ۱۸۵۰ء میں قائم ہوا ۱۸۶۲ء سے اس میں بی اے کی تعلیم جاری ہو کر کلکتہ یونیورسٹی سے ملحق ہوا پھر ۱۸۸۷ء میں یہہ الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق ہوا اب آگرہ یونیورسٹی سے ملحق ہے ۱۸۹۳ء سے اس میں ایم۔ اے کا درجہ بھی کھل گیا ہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں باغیوں نے اس کا تمام کتب خانہ جلا دیا تھا۔ اس کالج کے متعلق ایک ہائی اسکول اور کئی پرائمری اسکول ہیں اور عیسائیوں کے علاوہ ہزاروں ہندو مسلمان اس کالج اور اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ اب اس عمارت میں صرف اسکول ہے اور کالج سول لائن کی عالی شان جدید عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔

مسجد یوسف شاہ

یہ مسجد محلہ چڑیمار ٹولہ میں واقع ہے جو بوجہ اپنی بلندی کے دور سے دکھائی دیتی ہے۔ بانی مسجد یوسف علی شاہ اول عیسائی واعظ تھے جن کے دل پر کسی بزرگ کی فیض صحبت سے اسلام کی حقانیت کا ایسا اثر ہوا کہ نہ صرف شرف اسلام سے مشرف ہوئے بلکہ اسقدر عبادت و ریاضت کی کہ اولیاء اللہ

کے زمرہ میں شمار ہونے لگے۔ یہہ مسجد ایک بلند ٹیلہ پر احاطہ کے اندر واقع ہے۔
اس میں تین محرابیں۔ تین گنبد دو ٹھوس مینار اور دو سنگین منارے ہیں۔ شمالی جانب بانی مسجد اور
قدم شریف اُن کی بی بی کے مزارات ہیں یوسف علی شاہ کے مزار پر ایک خوشنما محراب کے اندر پتھر میں قدم شریف
نصب ہے محراب کے اطراف میں بخط نستعلیق یہہ شعر کندہ ہے ؎

بر زمیں کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ساہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

بی بی قطباً
بی بی صاحبہ کے لوح مزار پر بسم اللہ اور کلمہ طیبہ کے بعد یہہ عبارت کندہ ہے "بی بی قطباً قوم
مغلانی در طریقۂ قادریہ الہٰنانہ فقیر یوسف علی شاہ صابری چشتی۔ بی بی موصوفہ اہل دل و محبت از پیران
عظام بدرجہ کمال دور روزہ و نماز دور راہ پروردگار از جان و دل نثار۔ بہ عمر شصت ۶۲ دو سال تاریخ
پنجم ماہ ذوالقعدہ سنہ ۱۲۷۹ ھجری القدسی یوم جمعہ وقت نماز فجر جان بحق تسلیم کرد و بعد نماز جمعہ مدفون شد
الٰہی عافیت بخیر باد۔ امین" اس مسجد کے متعلق کئی دوکانیں ہیں جن کا انتظام کمیٹی لوکل اینجنٹی کے متعلق ہے

مسجد پائچوکی یا بیگم کی مسجد

محلہ پائچوکی میں ایک مرتفع چبوترہ پر یہہ مسجد پائچوکی یا بیگم کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اسکی
ساخت قدیم زمانہ کی ہے جو پٹھانوں کی عمارتوں سے ملتی جلتی ہے۔ باوجود تحقیقات یہہ پتہ نہیں چلا
کہ یہہ کس کی بنائی ہوئی ہے اُسکی چھت پر صرف ایک گنبد ہے۔

حویلی بہادر خاں

محلہ نیم دروازہ اور گدھا پاڑا کے قریب بہادر خاں کی عالی شان حویلی واقع ہے جس میں
اب ایک محلہ آباد ہے جو حویلی بہادر خاں ہی کے نام سے مشہور ہے اس کی چار دیواری ہنوز قائم
ہے۔ یہہ بہادر خاں قوم کا روہیلہ اور شاہجہاں کے عہد کا مشہور اور نہایت شجاع و بہادر امیر تھا جس نے
۱۹ رجب سنہ ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو وفات پائی۔ اس کا مقبرہ اس کے آباد کئے ہوئے شہر شاہجہاں پور میں واقع ہے

مسجد شاہی محلہ مدرسہ

مدرسہ شاہی

سلاطین مغلیہ کے عہد میں جس مقام پر شاہی مدرسہ واقع تھا وہاں اب ایک بڑا محلہ آباد ہے جو مدرسہ شاہی کے نام سے موسوم ہے اس مدرسہ کے اب کوئی آثار باقی نہیں صرف ایک مسجد موجود اور مسجد شاہی کے نام سے مشہور ہے یہ تین در کی مسجد ایک احاطہ کے اندر واقع ہے اسکی لمبائی ۹۴ فیٹ اور چوڑائی ۲۴ فیٹ ۱۰ انچ ہے چھت لداؤ کی گنبد نما ہے اور آگے بہت ہی مختصر صحن ہے اس مسجد کی عمارت کچھ شاندار نہیں ہے لیکن اسکی مغربی دیوار کی تینوں محرابیں اور ان کے بے نظیر کتبے نہایت شفاف سنگ مرمر کے ہیں جو اس مسجد کی موجودہ حالت دیکھکر کسی طرح اسکے نہیں معلوم ہوتے بلکہ کسی دوسری عالی شان شاہی مسجد کے معلوم ہوتے ہیں جو اس مسجد میں لگا دئے گئے ہیں کیونکہ ان کے سنہ بھی مختلف ہیں ایک کتبہ کے اخیر میں ۱۰۲۶ھ اور دوسرے کے اخیر میں ۱۰۴۵ھ مرقوم ہے اس کے سنگ مرمر کی نفاست و جلا اور کتبوں کی خوشخطی اور کاتب کا نام پڑھکر اس مسجد کی خوشنمائی کا نقشہ دل پر جم جاتا ہے جس میں اول مرتبہ یہ لگائے گئے ہونگے۔

یہ کتبے اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کے سب سے مشہور خوشنویس امانت خاں شیرازی کی جادو نگاری کی یادگار اور ابھرے ہوئے حروف اور خط نسخ میں ہیں۔ شمالی محراب میں سورہ توبہ کا تیسرا اور چوتھا رکوع اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ سے وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ تک کندہ ہے۔

درمیانی محراب کے اطراف میں اوّل سورہ جمعہ کا دوسرا رکوع اور اخیر میں صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم والحمد للہ رب العالمین کے نیچے کتبہ عبد الحق مخاطب بہ امانت خاں ۱۰۴۵ھ مرقوم ہے۔ اس کے نیچے سورۃ الفتح کا آخری رکوع لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا الخ اور آخر میں کتبہ عبد الحق المخاطب بہ امانت خاں ۱۰۲۶ھ تحریر ہے۔ تیسری یعنی جنوبی محراب کے اطراف سورہ نور کا چوتھا رکوع اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کندہ ہے۔

اسی احاطہ میں شمالی جانب سید امجد علی شاہ قادری سید منور علی شاہ اور سید مظفر علی شاہ

اور اُن کے خاندان کے اور بزرگوں کے مزارات ایک سنگین و بلند چبوترہ پر جس پر خوشنما سائبان پڑا ہے واقع ہیں یہ حضرات آگرہ کے رئیس اور مشائخین عظام سے تھے جنکی خانقاہ اور گیارھویں کے مصارف کے واسطے زمانہ قدیم سے موضع بودلہ پرگنہ صدر تحصیل آگرہ معاف چلا آتا ہے۔

پنجہ شریف

محلہ مدرسہ شاہی کے قریب ایک قبرستان واقع ہے جو پنجہ شریف کے نام سے مشہور ہے اسکے اندر تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد اور بہت سی قبریں ہیں۔ جنوبی جانب بلند چبوترہ پر ایک محراب کے اندر دو پنجوں کے نشان بنے ہیں اور اسکے اوپر سنگین سائبان چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہے۔ ان پنجوں کے متعلق سوائے خوش اعتقادی کی روایتوں کے کوئی مستند روایت نہیں سُنی گئی البتہ ایک قدیم تحریر سے اس قدر پتہ چلا ہے کہ یہ پنجے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں اور بہمن یار خاں خلف نواب آصف خاں شاہجہانی مشہور امیر نے اپنے اُستاد اسد خاں کے نذر کئے تھے۔

مسجد معتمد خاں

معتمد خاں کا اصلی نام محمد شریف تھا یہ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں وارد ہو کر ملازمت شاہی میں داخل اور ۳۰ سنہ جلوس میں معتمد خاں کے خطاب سے موصوف ہوا شاہجہاں کے زمانہ میں خدمت میر بخشگری اور منصب چہار ہزاری تک ترقی پائی اور سنہ ۱۰۴۹ھ / ۱۶۳۹ء میں انتقال کیا۔ تاریخ اقبالنامہ جہانگیری انہیں کی تالیف ہے۔ کشمیری بازار میں ان کی تعمیر کی ہوئی یہ عالیشان سنگ سُرخ کی مسجد واقع ہے جو اس قدر بلند کرسی پر بنائی گئی ہے کہ دور دور سے دکھائی دیتی ہے۔ اصل مسجد کا طول ۳۳ فیٹ اور عرض ۲۰ فیٹ ہے اس میں تین محرابیں ہیں جو بہت خوبصورت ہیں سامنے کی دیوار پر محرابوں کے اطراف میں اکثر جگہ منبت کاری کا کام ہے اور صراحیاں ترشی ہوئی ہیں چھت پر دو برج اور تین گچکاری کے گنبد ہیں۔ صحن وسیع ہے جس کے نیچے شمال و مشرق میں

دوکانیں بنی ہیں بانی مسجد نے بذریعہ تولیت نامہ مورخہ یکم رمضان ۱۲۷۴ھ اس مسجد کا متولی حافظ محمد یعقوب کو مقرر کیا تھا ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء تک اُن کے خاندان میں اس مسجد کی تولیت رہی اب یہہ اسلام کمیٹی کے متعلق ہے ۱۸۶۲ء میں اسکی دوکانوں کا کرایہ ۱۴ ماہوار تھا اب سالانہ کرایہ چار سو روپیہ ہے۔

کٹرہ خانخاناں

مسجد معتمد خاں کے سامنے ایک محلہ خانخاناں کی عالیشان حویلی میں آباد ہے جو کٹرہ خانخاناں کے نام سے مشہور ہے اس کا رفیع الشان سنگ سُرخ کا دروازہ ہنوز موجود ہے جس پر نہایت نفیس نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ بانی عمارت خانخاناں میرزا عبدالرحیم خاں ابن خانخاناں میرزا بیرم خاں اکبر و جہانگیر کے عہد کے مشہور و معروف امیر تھے جن کی سخاوت و دریا دلی کے کارنامے جواب افسانے معلوم ہوتے ہیں اب تک خلق کی زبان پر ہیں۔ جس جگہ کٹرہ خانخاناں۔ مسجد معتمد خاں اور مال کا بازار واقع ہے یہہ محلہ سابق میں بازار میاں بہوہ کے نام سے موسوم تھا۔ یہہ میاں بہوہ سلطان سکندر لودی کے مشہور و معروف امیر تھے۔

مسجد سلطان پرویز

یہ مسجد بھی کشمیری بازار میں واقع اور کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے اگرچہ یہہ سنگ سُرخ کی سادہ عمارت ہے مگر چونکہ سہ منزلہ عمارت کی برابر بلند کرسی پر بنی ہے اس وجہ سے کچھ نہ کچھ شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے نیچے کئی دوکانیں ہیں۔ بانی مسجد سلطان پرویز جہانگیر بادشاہ کا بیٹا تھا جس کا مقبرہ جمنا پار واقع ہے۔

کالی مسجد

یہہ مسجد محلہ صابن کٹرہ کے سامنے شفاخانہ کے قریب واقع ہے وجہ تسمیہ کی نسبت مختلف

روایتیں مشہور ہیں کوئی کہتا ہے کہ کلاں مسجد سے اس کا نام کالی مسجد ہوگیا کسی کا بیان ہے کہ یہ اپنے سیاہ گنبدوں کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح کوئی اسے سکندر لودی اور کوئی اکبر کی تعمیر کردہ بیان کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے میرزا منظفر حسین صفوی (پدر قندھاری بیگم زوجہ شاہجہاں) کی بتائی ہوئی لکھا ہے مگر تاریخ سے ان بیانوں میں سے کسی بیان کی تصدیق نہیں ہوتی میرے نزدیک یہ وہی مسجد ہے جس کا ذکر مآثر الامرا میں منظفر خاں ترتبتی (خواجہ منظفر علی) کے بیان میں آیا ہے جس میں یہ فقرہ درج ہے "مسجد جامع آگرہ نزدیک کٹرہ میاں رفیق بنائے منظفر خاں است"۔ کٹرہ میاں رفیق کا اب پتہ نہیں چلتا لیکن صابن کٹرہ اور مداریخاں کا کٹرہ اس کے قریب واقع ہے ممکن ہے کہ ان کٹروں میں سے قدیم زمانہ میں کسی کا نام کٹرہ میاں رفیق ہو یا اس نام کا اور کوئی کٹرہ اس مقام پر واقع ہو جہاں اب شفاخانہ بن گیا ہے۔ یہ منظفر خاں اکبر بادشاہ کے دیوان کل اور مشہور محاسب و امیر تھے جنہوں نے ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

اصل مسجد کی لمبائی ۱۲۸ فیٹ اور چوڑائی ۳۳ فیٹ ہے یہ اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی ہے اس کے اوپر پٹھانی طرز کے پانچ چپٹے گنبد ہیں جو سیاہ ہو رہے ہیں حمام اور حوض شکستہ حالت میں موجود ہے۔ اس کا صحن بہت وسیع ہے جس میں اب قبریں بن گئی ہیں صحن میں شمال و مشرقی جانب ایک عالی شان مقبرہ کا چبوترہ اور تہ خانہ باقی ہے جس کے اندر دو قبریں ہیں۔ مدتوں کی ویرانی کے بعد اب اس مسجد کی مرمت شروع ہوئی ہے اور اس کا قدیم صدر دروازہ از سر نو کھولا گیا اور سیڑھیاں تعمیر ہو رہی ہیں۔

مزار سید شاہ محمدیؒ

حضرت سید شاہ محمدی چشتی صابریؒ حضرت شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادی کے خلیفہ نامدار اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے اولیائے کبار اور مشائخین صاحب کرامات سے تھے۔ آپ کا مولد قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد ہے۔ ۳۰ رجب ۱۱۰۶ھ کو آپ نے رحلت فرمائی مزار شریف محلہ ہیبنگ کی منڈی میں متصل مندر آریا سماج واقع ہے زمانہ سابق میں اس پر عالی شان عمارت تھی

ابتدا و زمانہ سے تمام عمارت منہدم ہو کر اراضی ہندوؤں کے قبضہ میں پہنچ گئی یہانتک کہ مزار مبارک بھی ایک مکان کے اندر رہ گیا۔ چند سال کا عرصہ ہوا کہ جناب مولانا محمد افضل صاحب مرحوم نے جو بخاری شاہ صاحب کے نام سے مشہور اور نہایت صاحب تقوی اور متوکل بزرگ تھے اس مکان کو خرید کر کے دالان و احاطہ مزار بنوا دیا ہے جس کے دروازہ کی پیشانی پر یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

ساقی عشق شہ محمدی ما　　بود سردار میکشان حب
حمزۂ دہلوی غلام او　　گفت تاریخ "مدمغان حب"
۱۱۰۷

حضرت شیخ محمدی عرف فیاض چشتی صابری ۳۰ رجب سنہ ۱۱۰۷ھ

شفاخانہ

آگرہ کی تمام انگریزی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور وسیع شفاخانہ کی عمارت ہے جس کے جملہ قطعات تقریباً ایک میل کی لمبائی میں واقع ہیں۔

باغ ہیرامن　جس اراضی میں یہہ شفاخانہ واقع ہے اس میں کئی محلے آباد تھے جن میں سب سے وسیع اور مشہور محلہ باغ ہیرامن تھا۔ شفاخانہ میں بیسیوں عمارتیں ہیں جن میں سب سے خوبصورت اور عالیشان امتحانی کمرہ (ایگزامینیشن ہال) ہے جو مردانہ شفاخانہ (ٹامسن ہوسپٹل) کی قدیم تعمیر شدہ عمارت سنہ ۱۸۵۴ء کے قریب واقع اور قریب ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا ہے۔ آنکھوں کانوں کا شفاخانہ۔ زنانہ شفاخانہ (لیڈی لائل ہوسپٹل) میڈیکل ہوسپٹل۔ زچہ خانہ وغیرہ سب کی عمارت شاندار و خوشنما ہے

آگرہ میں سب سے پہلے سنہ ۱۸۴۹ء میں محتاجوں کے واسطے ایک شفاخانہ قائم کیا گیا تھا جو چندہ سے مسٹر ریڈ صاحب ڈپٹی کلکٹر کے اہتمام سے جاری ہوا تھا اس کے بعد سنہ ۱۸۵۴ء میں موجودہ شفاخانہ کی بنیاد پڑی جس کی ترقی و توسیع اب تک جاری ہے اس شفاخانہ کے متعلق ایک میڈیکل اسکول بھی جاری ہے جس میں ہاسپٹل اسسٹنٹ کے درجہ تک تعلیم دی جاتی ہے ایک میڈیکل عجائب خانہ بھی موجود ہے۔

آگرہ کالج

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا یہ سب سے پرانا کالج ہے جو سنہ ۱۸۱۸ء سے جاری ہے پہلے یہ گورنمنٹ کالج تھا سنہ ۱۸۱۸ء سے اس کا انتظام بورڈ آف ٹرسٹی کے متعلق ہے اور گنگا دھر شاستری کے وقف سے اس کا خرچ چلتا ہے سنہ ۱۸۲۶ء میں یہ کالج میرزا ایزد بخش کی حویلی میں تھا جو اب کوٹھی ریٹ صاحب کے نام سے موسوم ہے اس وقت اس میں تین جماعتیں تھیں جو علیحدہ علیحدہ عمارتوں میں تعلیم پاتی تھیں۔ ایک عمارت میں فارسی دوسری میں بھاشا اور سنسکرت اور تیسری میں عربی کی تعلیم ہوتی تھی۔ مسٹر جیمس اسٹیفن صاحب کالج کے پرنسپل تھے۔

شروع انگریزی زمانہ میں اس کالج کے استادوں کی نہایت وقعت تھی اور فارسی ہندی مدرس تک جنہیں آج پرنسپل بھی منہ نہیں لگاتا لفٹنٹ گورنر کے دربار میں شریک کئے جاتے تھے چنانچہ اپریل سنہ ۱۸۵۰ء کے دربار میں منشی ابوالحسن صاحب مدرس فارسی اور پنڈت کیول رام صاحب مدرس ہندی شریک دربار تھے۔ ایک پرانے اخبار میں ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۵۰ء کی امتحان سالانہ کی رپورٹ کی خبر اس طرح درج ہے "جمعرات کے دن جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مدرسہ میں تشریف لاکر امتحان سالانہ کی رپورٹ سنی اور کنہیا لال نامی ایک طالبعلم کو تمغہ طلائی عطا کیا اور طلبائے درجہ اعلیٰ کا وظیفہ مقرر کرکے چھوٹے درجہ کے طلبا کو کتابیں عنایت کیں بعد اس کے پہلے دخانی گاڑی[1] (ریل) کا حال بیان کیا اور پھر وہ گاڑی مدرسہ کے احاطہ کے اندر آہنی سڑک پر چلائی گئی سو اس کا امتحان بخوبی ہوا یعنی وہ گاڑی خوب چلی صدہا ہندوستانی و انگریز یہ تجربہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے کنہیا لال مذکور کو تمغہ طلائی کے سوا اسکالرشپ (وظیفہ) واسطے ترقی علوم انگریزی کے اور مبلغ ۵ تنخواہ ترجمہ بہتر لکھنے کے واسطے مقرر ہوئی۔ یہ طالبعلم اب علم انجینیرنگ سیکھنے کے واسطے ولایت کی جانا چاہتا ہے"

ریل کا امتحان

[1] ہندوستان میں سب سے پہلے سنہ ۱۸۵۳ء میں لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں گریٹ انڈین پینیشلا (جی۔آئی۔پی) ریلوے بمبئی سے تھانہ تک جاری ہوئی۔

سنہ ۱۸۵۱ء کا ایک سیاح لکھتا ہے "گورنمنٹ کالج (آگرہ) کی عمارت نہایت خوش وضع ہے اور اس جگہ علوم انگریزی اور فارسی اور عربی اور شاستری سکھایا جاتا ہے اور سال بسال طالبعلموں کا امتحان کمیٹی میں ہوتا ہے۔ جو شخص لیئق اور زیادہ محنتی اور ہوشیار نکلتا ہے اُسکی تنخواہ مقرر کی جاتی ہے اور انعام بھی ملتا ہے۔ سیکڑوں لڑکے اس کالج میں تعلیم پاتے ہیں ..... اس کالج کا انتظام ایسا خوب ہے کہ لڑکوں کو خواہ مخواہ پڑھنے کی طرف شوق زیادہ ہوتا ہے ..... نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس کو بڑی رونق بخشی کہ اُن کی توجہ اور مصروفیت دلی سے اب علم ہندوستان کا روز بروز ترقی پر ہے اور جو جو تدبیریں کہ در باب ترقی علم جناب ممدوح نے ایجاد فرمائی ہیں اُن سے جلد پردہ جہالت کا دور ہو جاویگا .... ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۵۱ء کو اس کالج میں بڑا جلسہ ہوا کہ جناب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر اور صاحبان صدر اور صاحبان سکرٹری اور رؤسائے شہر کالج میں تشریف لائے مڈلٹن صاحب پرنسپل کالج نے رپورٹ سالانہ سنائی اور بعضی باتوں میں علم کیمیا کا امتحان کیا گیا بعد اس کے طالب علموں کو انعام اور تمغے اور کتابیں تقسیم ہوئیں کہ جنہوں نے تحصیل علم میں ترقی کی تھی۔ بعضوں کی ترقی تنخواہ (وظیفہ) ہوئی۔ بعد اسکے جناب صاحب بہادر بہت دیر تک انگریزی زبان میں فائدہ تحصیل علم سے لڑکوں کو ہدایت کرتے رہے۔ یہہ جلسہ ہر سال اسی طرح ہوا کرتا ہے۔

کالج کی موجودہ شاندار عمارت ڈریمنڈ روڈ[1] پر واقع ہے جس کے متعلق کئی عالیشان بورڈنگ ہوس ہیں۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں یہہ کالج کلکتہ یونیورسٹی کے متعلق کیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۸ء سے قانون کی تعلیم شروع ہوئی مدت تک الہ آباد یونیورسٹی کے متعلق رہ کر اب آگرہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتا ہے۔

سنہ ۱۸۳۱ء میں کُل ۱۸۰ طالب علم اس میں تھے۔ اس کے متعلق ایک عمدہ لائبریری (کُتب خانہ) ہے جس میں انگریزی کتابوں کے بکثرت فارسی کی بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں واقعات بابری کا ایک قلمی بالتصویر نسخہ بہت نایاب و بیش بہا ہے۔

---

[1] ڈریمنڈ روڈ یا ٹھنڈی سڑک ڈریمنڈ صاحب کلکٹر کی یادگار ہے جو ایام غدر میں آگرہ کے کلکٹر مجسٹریٹ تھے۔

مزار شیخ ناظر قدس اللہ سرہ

آپ کا اصلی نام ناصر محمدؐ تھا حنفی المذہب اور سلسلہ قادریہ چشتیہ و نقشبندیہ اور شطاریہ میں سید احمدؐ بن سیدؐ رفیع الدین ابن سیدؐ جعفر شیرازی کے مرید تھے۔ آپ نہایت صاحب تقویٰ اور اصحاب وجد و حال اور ارباب دانش و کمال سے تھے۔ مدت تک احمدؐ آباد گجرات میں مقیم رہے۔ اس کے بعد سیاحی اختیار کی۔ آخر کار ایام شاہزادگی میں شاہجہاں بادشاہ سے کہیں ملاقات ہوگئی اور اسکی خدمت میں رہنے لگے۔ باوجود اس کے کہ دربار شاہی سے یومیہ مقرر اور اسپ فیل ملے ہوئے تھے مگر اس روپیہ کو وہ اپنے صرف میں نہ لاتے تھے اور جنگل سے گھاس و لکڑیاں لاکر انھیں بازار میں فروخت کرکے اپنی قوت بسری کرتے تھے اکثر اوقات روٹی کی جگہ گھاس و پتے آپ کی غذا ہوتی تھی۔ بادشاہ اور تمام بیگمات آپ کی معتقد و مرید تھیں۔ ہمیشہ آپ سپاہیانہ لباس پہنتے تھے کمر میں تلوار ہاتھ میں نیزہ رہتا تھا۔ تمام رات بادشاہی خوابگاہ کے باہر عبادت ایزدی میں مصروف رہتے تھے

آپ کے خوارق عادات اور کرامات کی بہت سی روائتیں بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری اور تذکرۃ القدما اور سیر المتاخرین اور مرآت العالم وغیرہ کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

۱۳ جمادالثانی ۱۰۵۷ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ ولی اعظم رشہ ملک کرامات کے علاوہ یہہ بھی تاریخ وفات ہے ؎

شیخ ناصر کہ عارف حق بود — کاشف راز و واقف حق بود
خاک را از نظر طلا میکرد — آب را شیر یا صفا میکرد
شیخ با آں کمال و ہمت و جود — در لباس سپاہیانہ بود
حامی بادشاہ شاہجہاں — بود پیوستہ آں ولی زماں
سال نقلش خرد بہ اہل زماں — گفت۔ افسوس رفت قطب جہاں

آپ کا مزار لب ڈریمنڈ روڈ متصل محلہ گوکل پورہ آگرہ کالج ایک مختصر احاطہ کے اندر واقع اور ایک

بلند سنگین چبوترہ پر تابوت نما بنا ہے پہلے اس پر عالیشان عمارت مع مسجد بنی ہوئی تھی جو سڑک کی تعمیر کے وقت منہدم کرادی گئی۔ لوح مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

واصلِ حق شیخ ناظر شاہ زیں دار فنا — راہیِ ملک بقا گشت و رسیدہ شاد کام
سال ترحیلش ہزار و پنجیہ و ہفتم بخواں — سیزدہ بود از جمادی الاخرے والاہتمام
باز گویم مصرعہ بشنو ز من در معنوی — در دیار لا بہ الا اللہ شدہ اور اھو مقام

باب ہفتم

آگرہ کی شمالی جانب کی عمارتیں

مزار سیّد عبدالقادر بخاری گیلانیؒ

حضرت سیّد عبدالقادر بخاریؒ مشاہیر مشائخین خاندان قادریہ اعظمیہ اکبر آباد سے تھے علم و فضل میں علمائے وقت آپ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ آپ کا مشہور اور عبادت و ریاضت شہرۂ آفاق تھی۔ تمام دن آپ درس و تدریس سے بندگانِ خدا کو فیض پہنچاتے رہتے تھے صرف دوپہر کو قیلولہ فرماتے تھے باقی کسی وقت نہ سوتے تھے آدھی رات تک مریدوں کو توجہ اور تلقین فرماتے اور بقیہ نصف شب عبادت و ریاضت میں گذارتے تھے۔ آپ صرف ایک وقت یعنی رات کو طعام نوش فرماتے تھے ایام بلوغ سے روز وفات تک کبھی آپ نے دن میں کھانا نہیں کھایا۔ ۱۰۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ تاریخ وفات یہ ہے ؎

آنکہ او را دیدہ امم ثانی — بود ہمنام شاہ گیلانی

ذات او زینتِ توکل بود — بر ریاضِ قناعتش گل بود
عارفِ ذاتِ ایزدی بودہ — گوہرِ بحرِ سرمدی بودہ
ذات او بود باکمال و دقا — منبعِ فیضِ مطلعِ انوار
سالِ نقلش کہ بہ زگوہر گفت — عقلِ شہبازِ عرشِ قدس گفت ۱۰۵

آپ کا مزار قبرستانِ پیر گیلانی میں جو آپ ہی کے نام سے مشہور ہے ایک چبوترہ پر واقع اور اور مزار پیر گیلانی کے نام سے موسوم ہے۔ مزار کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد اور بالیں پر چراغدان بنا ہوا ہے۔

اس قبرستان میں سیکڑوں جدید و قدیم قبریں واقع ہیں۔ جن میں ایک قبر کے سنگین و خوشنما تعویذ پر یہ پُر درد کتبہ کندہ ہے ؎

ایک پُر درد کتبہ

تا تو رفتی ز نظر۔ نو گلِ بستانِ پدر — طفلِ اشک است بجائے تو بدامانِ پدر
تو کہ آرامگہت بود برو دوشم آہ — چادر آغوشِ لحد ساختی اے جانِ پدر
چوں شبِ تیرہ جہاں در نظرم بنماید — بے رخ روشنت اے شمع شبستانِ پدر
تا کہ ایں بیت رسیدست ز جامی بہ نظر — انتظارِ تو کشد دیدۂ گریانِ پدر
فصلِ گل آمد و گلہا ہمہ رستند ز خاک — تو ہم از خاک برآ اے گلِ بستانِ پدر

وزیر پورہ کا گرجا اور کالج

یہ گرجا اور کالج ہندوستان میں عیسائیوں کی سب سے قدیم عمارت ہے جس کی بنیاد شہنشاہ اکبر کے عہد میں رکھی گئی تھی اگرچہ اب اس کی عمارت میں بہت توسیع ہو گئی ہے مگر شاہی زمانہ کا قدیم گرجا بھی جو سنگ سرخ کا ہے اب تک موجود ہے۔ ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جس کو جیسوئیٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک مکان اور ہے جس کو وہ کالج کہتے ہیں اس میں پچیس یا تیس عیسائی خاندانوں کے بچوں کو عقائدِ مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے مگر مجھے معلوم نہیں

کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کس طرح جمع ہوگئے ہیں۔ شاید ان جیسوئیٹ پادریوں کی فیاضانہ اور مہربانہ سلوک نے ان کو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسوئیٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے یہاں آباد کر لیا تھا اور گذر اوقات کے واسطے کچھ سالانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور و آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی۔" اس عہد کی فارسی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء میں جبکہ اکبر قلعہ سورت کے محاصرہ میں مشغول تھا کچھ عیسائی سوداگر ایلچی بنکر حاضر دربار ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے خلعت و انعام سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں حاجی حبیب اللہ کاشی کے ساتھ بندر گوہ سے بہت سے عیسائی اپنا ملکی لباس پہنے باجے بجاتے ہوئے آگرہ میں داخل ہوئے۔ یہ ہی سب سے پہلے آرگن باجا اپنے ساتھ لائے ان کا بھی دربار میں بہت اعزاز ہوا۔ ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں تاب یار سونام ایک عیسائی سوداگر اور ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں پادری فریبتون مع بہت سے فرنگی ارمنی حبشی عیسائیوں کے ساتھ بندر گوہ سے دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ دربار میں اسکی بہت خاطر ہوئی اور بادشاہ نے توریت و انجیل اور یونانی کتابوں کا ترجمہ ان سے کرانا چاہا اور شاہزادہ مراد کو بھی ان کا شاگرد کیا غالباً انہیں کو گرجا بنانے کی اجازت ملی ہوگی اور اسی زمانہ میں کتاب سیرت مسیح بادشاہ نے فارسی زبان میں تصنیف کرائی جس کا ایک باتصویر قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں پھر ایک قافلہ بندر گوہ سے آیا جس میں چند دانشور صاحب ریاضت پادری بھی تھے یہ بھی نوازش ہائے شاہانہ سے کامیاب ہوئے۔ ان لوگوں کے علاوہ اکثر ارمنی عیسائی شاہی ملازمت میں داخل تھے جن میں سب سے مشہور عبدالحی و سکندر ذوالقرنین ہیں جو جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کے منصب داروں میں داخل تھے آخر الذکر فن موسیقی کا ماہر اور بہرایچ کا فوجدار تھا۔

گرجا اور کالج کی جدید عمارات نہایت وسیع اور شاندار ہیں جس کی چوٹی آگرہ کی تمام عمارتوں سے بلند اور کوسوں تک نظر آتی ہے گرجا کی بنیاد ۱۸۴۱ء میں رکھی گئی کالج کی عمارت ۱۸۵۳ء میں تعمیر

ہوئی جو گاتھ کی طرز عمارت کے مشابہ ہے۔

اس گرجا کے دفتر میں شاہی عہد کے بہت سے فرامین متعلق عطائے اراضی برائے قبرستان و تعمیر گرجا و معافی جزیہ وغیرہ موجود ہیں جن کی زیارت کا فخر راقم الحروف کو حاصل ہے۔ ان فرامین میں سے دو تین فرامین کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل فرمان عالمگیر بادشاہ نسبت معافی جزیہ

مہر اسد خاں بندہ بادشاہ عالمگیر غازی سنہ ۱۰۴۱ھ

متصدیان حال و استقبال جزیۂ ذمیان سکنہ مستقر الخلافت اکبر آباد بدانند کہ قبل ازیں بموجب سیاہہ روح اللہ خاں مرحوم در باب موقوفی جزیہ پنج نفر پادری مع وابستہا بنام منشی محمد سعید مغفور امین سابق جزیہ آنجا نوشتہ شدہ بود۔ دریں ولا وکیل آنہا التماس نمودہ کہ امین حال مستدعی خود می خواہد امید وار ہست کہ پروانہ بنام متصدیان حال و استقبال جزیۂ آں محال مرحمت شود لہذا قلمی میگردد کہ در باب اخذ جزیۂ انور وغیرہ پادری کہ اسم آنہا در ضمن مرقوم شدہ بموجب حکم سابق مزاحم نشوند دریں باب تاکید بلیغ وسعی..... نہم شہر جمادی الثانی سنہ ۳۷ جلوس

پشت پر پادریوں کے نام اور دفاتر متعلقہ کی یادداشتیں مرقوم ہیں۔

(نقل) فرمان ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

(دریں ولا) قت فرمان عالی شان مرحمت عنوان شرف صدور و عز ورود یافت کہ موازی شش بیگہ زمین از آں جملہ سہ بیگہ از موضع..... آگرہ برائے خریف..... قوی سل در وجہ انعام فرنگیان بجہت باغ و گورستان مقرر و مفوض باشد۔ لمبرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار ایں حکم اقدس و اعلیٰ..... بتصرف ایشاں باز گذاشتہ اصلا تغیر و تبدل بدان..... پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و مہرانہ و دار و غکانہ و محصلانہ..... و قانونگوئی..... و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی..... نکنند و از جمیع وجوہات معاف داشتیم۔ ہر سال فرمان و پروانچہ مجدد..... در محلی..... در عہدہ دانند۔ تحریر فی التاریخ ۲ ماہ ابان سنہ ۴

(نقل) فرمان ابو المظفر محمد جہانگیر بادشاہ غازی

اللہ اکبر

حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات صوبہ گجرات ... بعنایت و التفات بادشاہانہ مخصوص و مباہی گشتہ بدانند کہ فرمان عالی شان واجب الاذعان شرف اصدار و عزّ ایراد یافتہ کہ پادریان فرنگی در احمد آباد یک انگریز کہ عبارت از عبادت خانہ آنہاست از برائے خود بسازند در آں جا بطور دردش خود عبادت می کردہ باشند۔ می باید کہ چوں بر مضمون حکم جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہانگیری اطلاع حاصل نمایند مانع و مزاحم آنہا نہ گشتہ بگذارند کہ از برائے عبادت خدا انگریز بسازند۔ می باید کہ از فرمودہ تخلف نورزند ... در عمدہ شناسند۔ تاریخ ۲۰ ماہ مہر الٰہی سنہ رسالہ کمترین مریدان باخلاص اعتماد الدولہ و نوبت واقعہ بندۂ درگاہ محمد حسین شکرانہ۔

درگاہ شاہ یار محمد چشتیؒ

حضرت شاہ یار محمدؒ اکبر آباد کے بزرگان چشت اہل بہشت سے تھے۔ آپ ولایت و کرامات میں شان عالی اور مرتبہ بلند رکھتے تھے آپ کے کمال اور خوارق عادات کی بہت سی روایتیں مشہور چلی آتی ہیں جن میں سب سے زیادہ یہ روایت مشہور ہے کہ جب شاہجہاں بادشاہ نے شہر کے نقشہ نویسوں کو روضہ ممتاز محل کا نقشہ تجویز کرنے کا حکم دیا تو جس قدر نقشے پیش ہوئے کوئی بادشاہ کو پسند نہ آیا۔ بادشاہ کے اصرار پر سب نقشہ نویس پریشان تھے آخر کار استاد عیسیٰ آفندی نے جو آپ کا بہت معتقد تھا یہ حال آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ مت اللہ مالک ہے اسی دن رات کو عیسیٰ آفندی نے آپ کی دعا سے خواب میں روضہ کا موجودہ نقشہ دیکھا اور صبح کو اسی کے مطابق نقشہ مرتب کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جسے بادشاہ نے دیکھتے ہی پسند کر لیا اور اسی کے مطابق روضہ کی تعمیر شروع کی گئی۔ چنانچہ اب تک عیسیٰ آفندی کے خاندان کے لوگ جو محلہ پیپل منڈی میں آباد ہیں اس مزار سے خاص عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کا عرس بھی وہی

لوگ کرتے ہیں جو ہر سال ماہ ربیع الثانی کے پہلے جمعہ کو ہوتا ہے۔ درگاہ سلطان گنج کے قریب مابین قبرستان پیر گیلانی و کربلا سڑک پختہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بلند ٹیلے پر بنی ہوئی ہے حجرہ کے اندر آپ کا مزار ہے اور قریب ہی ایک مسجد موجود ہے۔

کربلا

سلطان گنج اور درگاہ شاہ یار محمد چشتی سے تھوڑے فاصلہ پر موضع لشکر پور میں کربلا واقع ہے جس میں چھوٹی بڑی متعدد مسجدیں اور سنگین بارہ دریاں اور چاہ پختہ بنے ہیں۔ چاروں طرف ہزاروں سنگین و پختہ جدید و قدیم قبریں موجود اور زمانہ کی بیوفائی کا نقشہ اور عبرت کا مرقع کھچا ہوا ہے۔ ایک قدیم مزار پر قدم رسولؐ بھی نصب ہے۔ قدم رسول

امداد المقابر

مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر تانے جو سرسید مرحوم کے ہم عصر اور مذہبی خیالات میں مدِ مقابل تھے کربلا کے قریب اپنے مقبرہ کے واسطے یہ باغ بنوایا تھا جو اس عہد میں بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس کے دروازہ پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

محمدؐ از تو میخواہم خدا را الٰہی از تو حبِ مصطفےٰ را

۲۳ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ سنہ ۱۸۸۲ء سے اس باغ کا اہتمام ہوا۔ امداد المقابر اس کا نام ہوا۔ اس کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں ایک قبر جو بلند چبوترہ پر بنی ہوئی ہے سید امداد العلی مرحوم کی ہے اس کے تعویذ پر بہت خوشنما بیل پودے اور گلدستے ترشے ہوئے ہیں۔

مزار شیخ سید حسین

اسی باغ میں قدیم عہد کا ایک گنبد واقع ہے جس کے اندر شیخ حسین بن شیخ نصیر اللہ

ولد شیخ عبدالواحدؒ نام ایک بزرگ کا مزار ہے جو عہد شاہجہانی میں اکبرآباد کے اولیائے کبار اور مشائخین نامدار سے تھے اس مزار کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے جس کے اطراف میں ایک دعا مرقوم ہے جس میں دوازدہ امام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے نام آئے ہیں اور پائیں پر بندہ العاصی سیّد حسین سنہ ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۱ء) کندہ ہے۔ آپ کی وفات کی تاریخ یہہ ہے ؎

عارفِ بے نظیر شیخ حسین — مرشد و پیر و ہادیٔ ثقلین
سالِ نقلش خرد چو گوہرِ سُنت — بحسین است زیبِ جنّت گفتا

آپ کے مزار کے برابر ایک زنانہ مزار ہے اُس کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے۔

درگاہ حضرت میر ابوالعُلیٰ قدس سرہٗ

حضرت میر ابوالعلیٰ قدس سرہٗ مشائخین صاحب اسرار و مشاہیر اولیائے ہندوستان سے ہیں جو خاندانِ نقشبندیہ کی تیسری شاخ یعنی سلسلہ ابوالعلائیہ کی بانی ہیں۔ آپ کا مفصل ذکر خیر کتاب نجات قاسم مؤلفہ منشی محمد قاسم اور کتاب حجۃ العارفین مصنفہ حیات اللہ احراری اور اُردو کی متعدد سوانح عمریوں میں موجود ہے۔ اس جگہ تبرکاً مختصر حال بیان کیا جاتا ہے آپ کے جدّ امجد امیر عبدالسلام اپنے وطن مالوفہ سمرقند سے اکبر بادشاہ کے عہد میں مع عیال و اطفال ہندوستان میں تشریف لائے۔

جب قصبہ نرہلا میں جو دہلی سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے پہنچے تو سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں اُسی مقام پر حضرت میر ابوالعلیٰ صاحبؒ پیدا ہوئے۔ امیر عبدالسلام وہاں سے فتحپور سیکری میں جو اُس زمانہ میں دارالخلافت تھا رونق افروز ہو کر سکونت پذیر ہوئے اور چند مدت کے بعد حج کے واسطے تشریف لے گئے اور بمقام مکہ معظمہ وفات پائی۔ آپ کے والد ماجد امیر ابوالوفا فتحپور سیکری ہی میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت امیر ابوالعلیٰؒ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کے نانا خواجہ فیضی ابن خواجہ

ابو الفیض بن خواجہ محمد عبد اللہ ابن حضرت غوث الابرار خواجہ محمد عبید اللہ احرار نے جو میرزا راجہ مان سنگھ کچھواہہ کی رفاقت اور ماتحتی میں بردوان (بنگالہ) کے فوجدار تھے فرمائی۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے۔ جب آپ کے نانا صاحب ایک لڑائی میں شہید ہوگئے تو راجہ مان سنگھ نے اُن کی جگہ آپ کا تقرر کرکے منصب سہ ہزاری پر دربار شاہی سے مقرر کرا دیا تھوڑے دن بعد آپ میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا اور آپ نے ملازمت ترک کرکے سیاحی اختیار کیا۔ اوّل بزرگان دہلی کے مزارات پر قیام کرکے زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ اِس کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اور مزار فیض انوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ پر چند مدت تک معتکف رہکر چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ازاں بعد اکبر آباد میں رونق افروز ہوکر اپنے چچا امیر سید عبد اللہ احراری نقشبندیؒ کے مرید ہوئے امیر عبد اللہؒ نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی آپ سے کردی اور خرقۂ خلافت اور شجرۂ طریقت فرمایا چونکہ سماع سے آپ کو خاص ذوق اور عشق پیدا ہوگیا تھا اور خاندان نقشبندیہ میں سماع کی ممانعت تھی لہٰذا اپنے عمّ بزرگوار کی اجازت سے طریقہ نقشبندیہ کے اذکار کے ساتھ سلسلہ چشتیہ کے اذکار اور اوراد بھی جاری رکھے اور ان دونوں سلسلوں کی آمیزش سے طریقہ ابو العلائی کے بانی ہوئے جس میں اذکار نقشبندیہ کے ساتھ سماع کی بھی اجازت ہے۔

حضرت امیر ابو العلیٰ سید عبد اللہ احراری کی وفات کے بعد مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر مدت العمر اکبر آبادی اس مقام پر جہاں اب خانقاہ واقع ہے رونق افروز رہے البتہ عرس کے موقع پر اجمیر شریف اکثر جایا کرتے تھے۔ شاہی زمانہ میں اس جگہ بہت بڑا محلہ آباد تھا جو صوفی پورہ کے نام سے موسوم تھا۔ آپ کے علاوہ میر محمد نعمان نقشبندی۔ قاضی نور اللہ شوستری اور بہت سے علما اور مشائخین اس محلہ میں آباد تھے۔ آپ کے خوارق عادات اور کرامات کی بہت سی روایتیں کتب مندرجہ صدر اور نیز دیگر تذکروں میں منقول اور مخلوق کی زبانوں پر ہیں۔ سہ شنبہ کے دن ۹ صفر ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۰ء کو آپ نے اکہتر برس کی عمر میں بعارضہ حرقت البول رحلت فرمائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

محلہ صوفی پورہ

آپ کی درگاہ عالی کے گرد وسیع پختہ احاطہ کھچا ہوا ہے جس کا شاندار صدر دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ ایک مسجد گوشہ جنوب و مغرب میں اور ایک مسجد اور سماع خانہ مزار کے قریب بنا ہوا ہے۔ مزار کے اوپر مختصر بارہ دری اور اطراف میں سنگین جالیدار کٹہرہ اور شمال میں بلند چبوترا غدان واقع ہے۔ ایک درخت نیب اور دوسرا درخت برنا مزار مقدس کی بارہ دری پر سایہ کئے ہوئے ہے۔

سماع خانہ کے قریب ایک حوض جدید تعمیر ہو گیا ہے جس میں فوارہ بھی نصب ہے۔

حضرت امیر نور العلیٰؒ آپ کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ تھے یہ بڑے عابد و زاہد اور عالم تھے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ نے خود سجادہ نشینی قبول نہیں فرمائی اور اپنے چھوٹے بھائی کو سجادہ نشین کیا حضرت شیخ لطف اللہ صاحب اذکار الاحرار آپ کے خلیفہ تھے۔ ۷ ربیع الثانی ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء کو ۷۳ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مزار پائیں مزار شاہ ابو العلیٰؒ درخت نیب کے نیچے واقع ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا بالکل سادہ ہے۔

مزار امیر نور العلیٰ

حضرت امیر فیض اللہؒ آپ چھوٹے صاحبزادہ اور مرید و خلیفہ اور سجادہ نشین اپنے والد بزرگوار کے تھے۔ ۶۱ برس کی عمر میں ۲۹ ذیقعد ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار درگاہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمالی جانب واقع تھا جس کا اب کچھ پتہ نہیں رہا۔ تاریخ وفات یہ ہے۔

مزار امیر فیض العلیٰؒ

قطب آفاق میر فیض العلیٰ — جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْجِنَانِ مَثْوَاہ
سال ترحیل او سر دش اللہ — گفت زیب جناں بفیض اللہ

امیر تاج العلیٰؒ صاحبزادہ اور خلیفہ و سجادہ نشین امیر فیض العلیٰؒ کے تھے ۶۷ برس کی عمر میں ۱۵ شعبان ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۱ء کو آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار شاہ ابو العلیٰؒ کے مزار کے قریب واقع ہے جس کے سنگ مرمر کے تعویذ پر آیت الکرسی کندہ ہے۔

مزار امیر تاج العلیٰؒ

امیر عبد الماجدؒ ابن امیر ابو نصر حضرت شاہ ابو العلیٰ قدس سرہٗ کے چچا زاد بھتیجے اور حقیقی بھانجے اور خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلیفہ ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار بھی شاہ ابو العلیٰؒ کے مزار کے قریب واقع ہے تعویذ مزار سنگ مرمر کا ہے جس پر خواجہ حافظؒ کی یہ بیت

مزار امیر عبد الماجدؒ

کندہ ہے ؎

چشم آں دم کہ ز شوقِ تو نہد بر ملحد　　تا دمِ صبحِ قیامت نگراں خواہد بود

مزار خواجہ فولادؒ

اِن مزارات کے علاوہ اور بھی بہت سے مزارات جبوترہ درگاہ اور صحن میں واقع ہیں جن میں سب سے مشہور مزار خواجہ محمدی عرف خواجہ فولادؒ کا ہے جو شاہ ابو العلیٰ قدس سرہٗ کے داماد و مرید اور اجل خلفا سے تھے۔ آپ بڑے صاحبِ نسبت اہل کرامت و ولایت تھے۔ آپ کی ذات بابرکات میں جلال و جبروت کی شان نمایاں تھی۔ مزار شریف احاطہ درگاہ کے اندر شمالی دیوار سے ملحق واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

درگاہ شریف میں ہر جمعرات کو میلہ لگتا ہے اور سالانہ عرس بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے جس میں دور دور سے لوگ آکر شریک ہوتے ہیں۔

درگاہ میر محمد نعمان نقشبندیؒ

حضرت میر محمد نعمانؒ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کے مرید اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نقشبندی کے مشہور خلیفہ تھے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں آپ آگرہ کے صدر اور محلہ صوفی پورہ میں متصل خانقاہ شاہ ابو العلیٰؒ رہتے تھے آپ کا مفصل ذکر بوستانِ اخیار میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ آپ کا وصال ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ کو ہوا۔ عالمگیری عہد کے امیر کبیر ضیاء الدین بخشی نے جو اسلام خاں کے خطاب سے موصوف اور آگرہ کے صوبہ دار تھے آپ کا مقبرہ اور اس کے قریب عالی شان مسجد تعمیر کرائی جس کی تاریخ ۱۰۵۸ بانی اسلام خاں بہادر ہے یہ مسجد منہدم ہو گئی جس کا اب کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔ مشہور ہے کہ اس کے ملبہ سے آگرہ کی مشہور مسجد اکبری از سر نو بنائی گئی ہے۔ مقبرہ کا گنبد موجود اور متصل درگاہ حضرت شاہ ابو العلیٰؒ نگلہ دھنی کی آبادی کے قریب لب نہر خارج شدہ واقع ہے اس کے گرد چاروں طرف ۵۔۵ محراب کی سنگین غلام گردش ہے جس کا زیادہ حصہ منہدم ہو گیا تھا چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ خان بہادر چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آگرہ

مؤلف وقائع عالمگیر نے چندہ سے اس کو از سر نو تعمیر کرا دیا ہے جسکی تعمیر زیر اہتمام سید انعام علی صاحب انجنیر ڈسٹرکٹ بورڈ آگرہ ہوئی ہے۔ گنبد کے اندر حضرت کے مزار کی برابر دوسری قبر جو مشرقی جانب ہے اسلام خاں موصوف کی ہے جن کا انتقال ۱۰۱۷ھ میں ہوا تھا اور حسب وصیت اس جگہ دفن کئے گئے۔ مقبرہ کے قریب ۱۰-۱۲ سنگین قبریں اور ہیں مگر کتبہ کسی پر نہیں ہے۔

اس مقبرہ کے محاذ میں جانب شمال نہر کی دوسری جانب کچھ فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر دو تعویذ سنگین رکھے ہیں جن میں ایک پر کلمہ طیبہ اور یہ عبارت کندہ ہے۔

مزار شمس الدین ہروی

تاریخ وفات مرحومی مغفوری حاجی الحرمین شریفین شمس الدین علی الہروی فی شہور سنہ ۱۰۱۰ھ

پتہ نہیں چلا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔

مزار قاضی سید نور اللہ شوستری رح

قاضی نور اللہ شوستری مذہب امامیہ کے مشاہیر علما و فضلا سے تھے جو حکیم ابو الفتح کی سفارش سے ملازمت اکبری میں داخل ہوئے اکبر بادشاہ نے ان کو شیخ معین قاضی لاہور کی جگہ مقرر فرمایا۔ جہاں انہوں نے نہایت عمدگی سے کام انجام دیا اور مورد عنایت شاہی ہوئے صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ انصاف اور نیک نفسی۔ حیا و تقوی اور جتنی صفتیں شریفوں میں چاہئیں وہ سب قاضی صاحب کی ذات میں موجود تھیں۔ علم و حلم اور تیزی طبیعت اور صفائی ذہن میں مشہور تھے۔ بہت کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں شیخ فیضی کی بے نقط تفسیر پر انہوں نے ایک تقریظ بہت عمدہ لکھی تھی۔ شاعر بھی تھے اور شعر ان کے بہت دل نشین ہوتے تھے لاہور کے مفتیوں اور محتسبوں کو انہوں نے خوب ٹھیک کیا اور رشوت کا دروازہ بالکل بند کر دیا تھا"

قاضی صاحب نے فقہ حنفی کا بھی بخوبی مطالعہ کیا تھا اور اسی کے مطابق مقدمات فیصل فرمایا کرتے تھے۔ جہانگیر نے انہیں لاہور سے تبدیل کر کے اپنے لشکر کا میر عدل مقرر کیا مشہور ہے کہ ۱۰۱۹ھ میں بادشاہ کے روبرو آپ کی زبان سے کوئی ایسا سخت کلمہ نکلا کہ اس نے جوش میں آکر

آپ کو شہید کرادیا۔ تاریخ وفات از مخبر الواصلین ؎

میر نوراللہ عالی انتساب — زین زمانہ با دل آگہ شدہ
سال نقلش مظہر الحق زور قلم — عدن جائے میر نوراللہ شدہ

آپ کی درگاہ متصل نگلہ پدی و کچہری دیوانی حضرت شاہ ابوالعلی رح کی درگاہ سے مغربی جانب تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ درمیان میں موضع جگن پور کے سوا نہ میں ایک قدیم مسجد اور بہت سے سنگین تعویذ نظر آتے ہیں جو اس جانب کی گذشتہ اسلامی آبادی کی یادگار ہیں۔ قاضی صاحب کا مزار ایک وسیع پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے جو سنگین چبوترہ کے وسط میں ہے سنہ ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء میں سید علی نقی صاحب ڈپٹی کلکٹر و رئیس پہر سر نے مزار پر چندہ سے ایک کمرہ بنوادیا ہے جو فرش و فروش سے آراستہ رہتا ہے اسکے آگے شمالی جانب ایک دالان بھی بن گیا ہے۔ مزار کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے جس کے بالیں پر مرقد منورہ سید نوراللہ شوستری الحسینی اور پائیں پر در عہد جہانگیر بادشاہ بسعادت شہادت فائز شدند سنہ ۱۰۱۹ھ" زمانہ قدیم سے کندہ ہے اور درمیان میں یہ تاریخ جدید کندہ کرائی گئی ہے ؎

ظالمے اطفائے نوراللہ کرد — قرۃ العین نبی را سر برید
سال قتل حضرتش ضامن علی — گفت نوراللہ سید شد شہید

سنہ ۱۰۱۹ ہجری

جنوبی دیوار میں ایک قدیم پتھر نصب ہے جس پر یہ کتبہ مرقوم ہے "ہو الغفور۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مرقد مطہر و مضجع منور سید سندی عالی مقدار شہید سعید الاعتبار۔ بہار باغ امامت شہاب گلشن سیادت برق کشت زار اہل ضلالت پیشوائے فرقۂ ناجیہ یا سعادت یادگار شہسوار۔ شیر بیشہ ولیطحا۔ چشم و چراغ شہید کربلا۔ آفتاب آسمان ہدایت و رہبری۔ ابوالفضائل سید نوراللہ شوستری نوراللہ مضجعہ کہ در یکہزار نوزدہ ہجری بدرجۂ شہادت فائز گشتہ و مرمت مرقدش در سنہ ۱۱۸۸ھ بشہود رسید"

کمرہ کے شمالی دروازہ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

نور بادہ باغ مصطفےٰ نور اللہ　　شاہ ظالم شہید کردش ناگاہ
فرمود علی نقی مزارش تعمیر　　گشتند جمیع مومنین ہمراہ
سال تعمیر ایں مبارک روضہ　　جناتِ نعیم مرقد نور اللہ

سنہ ۱۲۹۰ ہجری

سنگین چبوترہ کے اوپر اور قرب و جوار میں احاطہ کے اندر اور بھی بہت سی قدیم و جدید قبریں واقع ہیں۔ دور و دراز شہروں سے مومنین قاضی صاحب کے مزار کی زیارت کے واسطے آتے اور مجالس ہوتی رہتی ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ کسی تعطیل میں خصوصیت کے ساتھ میلہ لگتا اور زائرین کا غیر معمولی ہجوم اور مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

قبرستان قدیم عیسائیان

کچہری دیوانی کے قریب اُن عیسائیوں کا قدیم قبرستان واقع ہے جو شاہی زمانہ اور مرہٹوں کے عہد میں آگرہ میں فوت ہوئے اسکے گرد وسیع چار دیواری اور درمیان میں چار پانچ گنبد اور سیکڑوں قبریں بنی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم گنبد خواجہ مرتیس ارمنی کے روضہ پر ہے جو سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر کے عہد میں فوت ہوا۔ اس کے علاوہ جوان مسیح المتوفی سنہ ۱۰۸۳ھ مشہور فرانسیسی جنرل شمرو صاحب المتوفی سنہ ۱۱۷۸ھ سنہ نظر خاں ارمنی المتوفی سنہ ۱۱۸۴ھ کرنیل جان ولیم ہینک المتوفی ۲۱ جولائی سنہ ۱۸۰۳ء وغیرہ کی قبروں پر بھی ارمنی۔ انگریزی اور فارسی میں کتبے کندہ ہیں۔ سب سے خوبصورت اور عالیشان مقبرہ کرنیل جان ولیم ہینک کا ہے جو قوم کے ڈچ اور مرہٹوں کے زمانہ میں قلعہ اور شہر آگرہ کے حاکم تھے۔ یہ مقبرہ خالص سنگ سرخ کا ہے جس کے اوپر ایک رفیع الشان گنبد اور چار خوشنما برجیاں بنی ہیں اس کے دروازہ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

کرنیل جان ولیم ہینک چوں زدنیا　　رحلت نمود بنہاد صد داغ از جدائی

ذاتش چو بدہ ہولندیز پیدائش آں ولایت — در ہند نامور شد از فضل کبریائی
گفتا بہ ملہم غیب یک قطعہ گو ز تاریخ — تا روز و سال و مہ را ایکجا بہم نمائی
چوں روز سال و مہ را از سال عیسوی جست — ملہم بگفت تاریخ بستی یکم جولائی

مقبرہ مولانا شیخ حسن شیرازی انصاری رح

مولانا شیخ حسن ابن شیخ محمود انصاری شیرازی رح اکبر آباد کے قدیم بزرگوں میں بہت بڑے اہل دل اور صاحب تقویٰ و صلاح بزرگ تھے جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل نے ایران میں خروج کیا آپ شیراز سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں سے سلطان مظفر گجراتی کے زمانہ میں احمد آباد تشریف لائے۔ سلطان مذکور نے بہت عزت و احترام سے رکھا آخر کار سکندر لودی کے عہد میں آگرہ میں رونق افروز ہو کر میر رفیع الدین صفوی رح کے قریب آباد ہوئے اور میر موصوف سے علم حدیث کی سند حاصل کر کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ ہفت قلم میں استاد اور فرقان حمید اور احادیث شریف کی کتابت سے قوت بسری کرتے تھے۔ شیخ زین الدین نے آپ کی تعریف میں یہہ بیت کہی تھی ؎

ہست شعر من ز عقل و نقل خواہم بشنود — جامع المعقول و المنقول مولانا حسن

میاں کمال الدین حسین شیرازی

۹۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا میاں کمال الدین حسین شیرازی رح آپ کے صاحبزادہ تھے جن کی نسبت صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ اُن کے کمالات اور اخلاق حد بیان سے باہر ہیں ابتدائی جوانی سے اخیر عمر تک سوائے تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن اور عبادت و ریاضت اور سخاوت کے کوئی کام اُن کو نہ تھا گویا وہ آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے علم و فضل میں کامل اور شاعری اور اور خوشنویسی اور انشا اور املا تو اُن کے موروثی علم تھے اکبر بادشاہ بھی اُن کا بڑا معتقد تھا اور چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ ملازمت میں رہیں مگر وہ دور بھاگتے تھے آخر میں بالکل تعلق قطع کر کے گوشہ نشینی اختیار کی ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۱۸ھ کو آپ نے رحلت فرمائی آپکی ایک کنیز باتمیز

بی بی نفیسہ

ملا عبداللہ سحری

تھیں جن کا نام بی بی نفیسہ تھا۔ یہہ علم و فضل اور خوشخطی کے ساتھ صاحب نسبت بھی تھیں۔ اور کتابت کرکے اپنی گذر اوقات کرتی تھیں۔ ملا عبداللہ سحری جو اکبر کے عہد کا ایک مشہور خوشنویس اور باکمال شاعر تھا انہیں رابعہ عصر کا بیٹا اور شاگرد تھا مولانا حسنؒ کا مقبرہ جھجھن کٹورے یعنی کچہری دیوانی کے احاطہ میں واقع ہے جس کے اندر سابق میں کمشنری کا گودام تھا اسکے بعد منصرم صاحب جمی کرایہ پر رہے اب ویران ہے۔ اسکے وسط میں مثمن برج ہے جس کا قطر ۴۲ فیٹ ہے اس کے اندر گرداگرد خط طغریٰ میں نہایت خوشخطی اور جلی قلم سے سورۃ الفتح کندہ ہے۔ ۸ دروازوں میں اب صرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے دروازوں کی پیشانی پر خط نستعلیق میں چند عبرت انگیز فارسی اشعار کندہ ہیں جو امتداد زمانہ سے اب پورے پڑھنے میں نہیں آتے۔ نہایت کوشش سے یہہ تین چار متفرق مصرعے پڑھے گئے۔

ع زیر گل تنگ دل اے غنچہ رعنا چو نئی ع چونکہ در زیر زمیں ساختہ جا چو نئی

ع چوں تنم از خاک برآری ز گل ع بہر عبرت بکشا ناف زمیں چوں نافہ

برج کا گنبد پٹھانی طرز کا یعنی چپٹا ہے جس کا دور ۹۷ ½ فیٹ ہے غدر کے زمانہ تک اس کے اندر تعویذ موجود تھا جس کے اوپر بقول صاحب مفتاح التواریخ یہہ اشعار کندہ تھے ؎

دُرِ عقد فضل مولانا حسن ہنرمند بے مثل عالی جناب

سرِ اہل دانش عزیز جہاں جہانی معانی و کوہِ وقار

چو کردہ ازیں دار فانی سفر بدارِ بقا آں سرِ نامدار

بعون و برحمت بہ لطفِ عمیم جہاں آفریں دادرِ کردگار

بفرمود تا روحِ پاکش برند ملائک بفردوس از اعتبار

بجنت قرارش چو شد زیں جہت شدہ سال فوتش بجنت قرار

اس مقبرہ کی موجودہ شکستہ حالت دیکھ کر سخت افسوس و صدمہ ہوتا ہے اگر مسلمانان آگرہ متفقہ طور سے کوشش کریں تو چونکہ یہہ گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے لہذا امید قوی ہے کہ

گورنمنٹ اس کو ضرور واگذاشت یا کم از کم اسکی مرمت کرا کر اصلی صورت میں کر دے گی اس مقبرہ کے قریب صاحب جج کی کوٹھی کے احاطہ میں کسی قدیم بزرگ کا مزار ہے جسکی سنگ سُرخ کی باقیماندہ عمارت عہد اکبری کی معلوم ہوتی ہے صاحب مزار کا نام باوجود تحقیقات بسیار نہ معلوم ہو سکا۔

باغ و مقبرہ قندھاری بیگم

(کوٹھی قندھاری)

قندھاری بیگم شاہجہاں کی سب سے پہلی بیگم کا خطاب تھا جو میرزا مظفر حسین قندھاری ابن سُلطان حسین میرزا ابن بہرام ابن شاہ اسمٰعیل کی دختر نیک اختر تھیں۔ ماہ رجب ۱۰۱۹ھ میں ان کی شادی ایام شاہزادگی میں شاہجہاں کے ساتھ ہوئی تھی اور شاہجہاں کی سب سے بڑی لڑکی شاہزادی پرہیز بانو بیگم انہیں کے بطن سے تھی۔ بیگم موصوف نے اس باغ کو جو اب مہاراجہ بھرت پور کا مقبوضہ اور کوٹھی قندھاری کے نام سے موسوم ہے خود تعمیر کرایا تھا۔ وسط باغ میں روضہ کی عمارت تھی جسے کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ کوٹھی نما بنا لیا گیا ہے۔ بیگم کی اصلی قبر تہ خانہ کے اندر بتائی جاتی ہے چار دیواری کے گوشوں کے سنگین بُرج اب تک اصلی حالت میں ہیں۔ اس باغ کا صدر دروازہ نہایت وسیع و عالیشان تھا جس میں غدر سے قبل کچہری صدر امینی ہوتی تھی۔ آثارات محلہ قندھاری بھی بیگم موصوف کے یادگار ہیں۔

مقبرہ نور النساء بیگم

نور النساء بیگم ابراہیم حسین میرزا کی بیٹی اور جہانگیر بادشاہ کی ایک بیگم تھیں جن کا مقبرہ کوٹھی قندھاری کے سامنے سڑک کے دوسری طرف واقع اور مہاراجہ بھرت پور کے قبضہ میں ہے اس کا گنبد بہت شکستہ حالت میں ہے جس کے اندر اب تک آیات قرآنی کندہ ہیں۔ لیکن تعویذ مزار باہر پڑا ہے اور جس جگہ خوشبوئیں سُلگائی جاتی تھیں وہاں گوبر کا انبار رہتا اور بیل باندھے جاتے ہیں

سرائے میر بدرالدین خاں

اِس عالی شان سرائے میں جسے محمد شاہ کے عہد سلطنت اور ۱۱۵۴ھ میں میر بدرالدین خاں ساکن آگرہ نے تعمیر کرا کر وقف کیا تھا اب آگرہ کالج سٹرکٹ جیل ہے۔ اس کے دروازہ کی پیشانی پر یہ کتبہ اب تک کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ در سنہ بست و سویم محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ در سنہ یکہزار و یکصد و پنجاہ و چہار ہجری بندہ میر بدرالدین خاں مخاطب بہ میر جلال الدین خاں ولد میر جلال الدین خاں مرحوم اکبر آبادی ابن میر سید محمد ایں سرائے را برائے آرام مسافرین بنا نمودہ ہر آئندہ روند حسبتہ اللہ بہ دعائے خیر یاد نمایند والسلام علی محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

مقبرہ میر عبداللہ وصفی تبریزیؒ

حضرت میر عبداللہ تبریزی شاہ نعمت اللہؒ کی اولاد میں تھے شاہ غیاث اور مولانا راقمی کے شاگرد رشید اور ہفت قلم میں اُستاد خصوصاً خط نستعلیق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ وصفی تخلص تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے مشکیں قلم خطاب دیا تھا خود فرماتے ہیں ؎

وصفی تخلص من و مشکیں قلم خطاب ایں نامہا ز شاہ شہنشاہ یافتم

اکبر و جہانگیر کے عہد میں ملازمت شاہی میں داخل تھے چنانچہ جہانگیر کے عہد کے اکثر کتبے انکی جادو نگاری کی یادگار ہیں۔ آپ شیخ فیض اللہؒ سہارنپوری کے مُرید اور دست بکار اور دل بیار کے مصداق تھے۔ پانچ مثنویاں اور ایک دیوان آپ کی تصنیف سے ہیں ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

میر محمد صالح کشفی۔ میر عبداللہ وصفی کے بیٹے تھے علم و فضل خوشخطی اور اخلاق حمیدہ اور اوصاف

میر محمد عالم

پسندیدہ سے موصوف تھے۔ ابتدائے حال میں فقر و قناعت میں ایام گذاری کرتے تھے آخر کار شاہجہاں بادشاہ نے نہایت اصرار سے منصب پانصدی پر سرفراز کر کے خطاب مشکیں قلم سے موصوف کیا ایک دن بادشاہ نے آپ کی عمر دریافت کی آپ نے پانچ برس کی عمر بتلائی۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر اس جواب کی تشریح چاہی آپ نے فرمایا کہ اصلی عمر وہی ہے کہ جو سعادت بندگی اور حضرت کی خدمت میں بسر ہوئی۔ یہہ لطیفہ بادشاہ کو بہت پسند آیا اور اُس دن سے مزید الطاف و عنایت مبذول فرمائی۔ کتاب مناقب مرتضوی اور مجموعۂ راز آپ کی تصنیف سے ہیں۔ یہہ شعر آپ کا بہت مشہور ہے

نظر بہ بیکسیم کن کہ قطرۂ آبے ۔۔۔ بکام من نہ دہد کس بغیر چشم ترم

۵ شعبان ۱۰۶۰ھ / ۱۶۴۹ء کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات یہہ ہے ؎

میر صالح کہ اہل عرفاں بود ۔۔۔ صاحب کشف راز یزداں بود
ذات پاکش کہ از حق آگاہ است ۔۔۔ لمعۂ نور نعمت اللہ است
عقل تاریخ آں ستودہ نژاد ۔۔۔ گفت کشفی بخلد آب بداد

میر محمد مومن عرشی

میر محمد مومن عرشی۔ آپ چھوٹے بھائی میر محمد صالح کشفی کے تھے شاعری میں یگانۂ روزگار اور خط نستعلیق میں شہرۂ آفاق تھے صاحب ذوق و شوق اور عاشق و جد و سماع تھے شاہجہاں کے عہد میں شاہزادہ سلیمان شکوہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے اس کے بعد قناعت و گوشہ نشینی اختیار کی۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۰ء میں انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات

شب پنجشنبہ بتاریخ ۱۸ دہ ۔۔۔ رواں شد بقصر جناں میر مومن
چو پرسند سال وصالش محباں ۔۔۔ بگو سید عرشیاں میر مومن

میر محمد شریف کاتب السلطان

میر محمد شریف۔ آپ عبداللہ وصفی کے بھانجے اور سجادہ نشین تھے۔ خط نستعلیق میں آپ کو بھی کمال حاصل تھا اور جہانگیر کے عہد میں کاتب السلطان کے خطاب سے موصوف اور نہایت نیک و بابرکت بزرگ تھے۔ ۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

میر عبداللہ کا مقبرہ کوٹھی قندھاری سے تھوڑے فاصلہ پر نگلہ جواہر کے قریب واقع

لہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس کا ایک نہایت خوشخط اور مصلا نسخہ کتب خانہ وقف حاجی ضامن علی صاحب مرحوم شاہ گنج آگرہ میں موجود ہے علم موسیقی پر بھی ایک مختصر رسالہ آپ کی تصنیف سے ہے جو کتب خانہ محمد یہ آگرہ میں موجود ہے۔

ہے جس کے احاطہ میں ان کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ چار دیواری کے اندر مغربی جانب ایک مسجد۔ درمیان میں روضہ کا گنبد اور آس پاس بہت سی سنگین قبریں ہیں۔ گنبد کے اندر میر عبداللہ کا مزار ہے اور گرداگرد نہایت خوشخط بخط نستعلیق یہہ اشعار مرقوم ہیں ؎

منم غمگین ازیں معنی کہ میرم — ازیں دار فنا سوئے جناں رفت
بحمداللہ کہ عرفاں کرد حاصل — نہ پنداری کہ کشفی را بجاں رفت
چو تاریخ وفاتش جستم از دل — ازیں ماتم فغاں بر آسماں رفت
ولم گفتا بصد درد و بصد آہ — ز دنیائے دنی قطب ماں رفت

دیگر

شیخ زمانہ مظہر انوار جاوداں — کز خواجگان چشت یکے بے نشانہ بود
دریائے جود و کان سخا قطب وقت میر — عبداللہ آنکہ در ہمہ فنہا یگانہ بود
کشفی سوال کرد ز تاریخ رحلتش — ہم خود جواب داد کہ شیخے زمانہ بود

دیگر

کشفیا سر بریں جناب بتہ — کہ ازیں باب کس نہ شد نومید
گرد ایں روضہ روز و شب گردانست — چرخ با انجم و مہ و خورشید
سال اتمام ایں مکان شریف — ہاتف گفت۔ روضۂ جاوید

گنبد سے ملحق مشرقی جانب چوکھنڈی کے نیچے بانی روضہ یعنی میر محمد صالح کشفی کا مزار ہے

مزار مولانا مقصود علی تبریزی

میر عبداللہ کے مقبرہ کے قریب ایک قدیم قبرستان ہے جس میں بہت سی سنگین و پختہ و قدیم قبریں واقع ہیں۔ اسی قبرستان میں ایک چبوترہ پر تین قبریں ہیں جن میں درمیانی قبر کے تعویذ مزار پر مولانا مقصود علی تبریزی اور برابر کے دوسرے تعویذ پر فاطمہ سلطان بنت

مولانا عبدالحی نیشاپوری" کندہ ہے۔ یہ مولانا مقصود علی ملا فضل اللہ بیگ بیٹے اور اکبر کے عہد کے ایک عمدہ اور صاحب دیوان شاعر تھے انہوں نے خواجہ سلمان کے مشہور قصیدہ کے مقابلہ میں ایک قصیدہ قاضی یحییٰ کی تعریف میں لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

علی خصال دمحمد شعار یحییٰ نام چو روشن است کمالش چہ حاجت القاب

۹۷۶ھ / ۱۵۶۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ فاطمہ سلطان غالباً ان کی بیوی تھیں۔

دہلی دروازہ

آگرہ کی شہر پناہ کا اب کوئی قابل لذکر وجود باقی نہیں رہا محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ صوبہ دار نے اسکی مرمت کرائی تھی۔ غدر کے زمانہ تک دیوار شہر پناہ کا کچھ حصہ متصل گوکل پورہ[1] دلو ہامندی اور دروازہ جات پل چھنگا مودی۔ کنس دروازہ۔ اجمیری دروازہ اور دہلی دروازہ موجود تھے اب صرف اجمیری دروازہ۔ نیم دروازہ۔ مدار دروازہ اور نوری دروازہ کا نام اور صرف دہلی دروازہ کی عمارت باقی ہے یہ سنگ سرخ کا شاندار دروازہ ہے جسکے اوپر چار خوشنما برجیاں بنی ہیں اندر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہے

سینٹ جونس کالج

محلہ باغ مظفر خاں میں لب سڑک پختہ (ڈربینڈ روڈ یا ٹھنڈی سڑک) سینٹ جونس کالج کی جدید سنگ سرخ کی عالی شان عمارت واقع ہے۔ جو کئی لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۹۰۰ برس کا عرصہ ہوا کہ تعمیر کی گئی ہے جس پر مشرقی طرز کے گنبد اور متعدد برجیاں بنی ہیں۔

مقبرہ بی بی جیونی شاہ

بی بی جیونی شاہ اکبر آباد کی ایک کاملہ روزگار اور رابعہ عصر خاتون اور قوم کی تیلن تھیں جنہوں نے

[1] گوکل پورہ کے قریب کے کسی قدر آثار اب تک نمایاں ہیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۲۰۱ھ کو وفات پائی۔ نواب نجف خاں نے اپنے ایام حکومت میں موضع ریپورہ جاگیر پرگنہ فرح آپ کی خانقاہ کے مصارف کے واسطے وقف کیا تھا۔ آپ کا مزار محلہ عالم گنج میں دو مسجدوں کے درمیان میں ایک چھوٹے سے گنبد کے اندر واقع ہے جس کی لوح پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

ہوا اللہ

جیونی شاہ معرفت آئین — بود ثابت قدم براہ یقین
چونکہ رحلت نمود از عالم — شد از آں خاطر جہاں غمگین
ہاتف غیب گفت تاریخش — جائے او باد در بہشت بریں

یوم یکشنبہ بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۰۱ سنہ ہجری

خانقاہ میں علاوہ اس گنبد کے ایک گنبد اور ہے اور اس میں بھی چند قبریں بنی ہیں۔

مزار پیر بہاء الدینؒ

پیر بہاء الدینؒ افغانستان کے مشاہیر اولیا اللہ سے تھے جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان میں وارد ہو کر اکبر آباد میں سکونت پذیر ہوئے آپ کا مزار محلہ پیر بہاء الدین منجملات عالم گنج کی مسجد کے صحن میں واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے محلہ بھی آپ ہی کے نام سے موسوم ہے

مزار شاہ شوقاؒ

لوہا منڈی اور عالم گنج کے قریب متصل تالاب طوطہ لب سڑک ایک قبرستان واقع ہے جس میں سب سے بلندی پر شاہ شوقا صاحب کا مزار واقع ہے جو اکبر کے زمانہ کے بزرگ بیان کئے جاتے ہیں۔ عوام الناس آپ کو لال سید کہتے ہیں۔ یہ مزار ایک وسیع چبوترہ پر بنا ہوا ہے جس کے تعویذ پر آیت الکرسی مرقوم ہے اور پائنتی پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

شاہ بود سے شجاع ملت و دین — آنکہ داد داد مردی را

سال فوتش چو از تاریخ جستم گفت۔ آمرزشاہ مردے را

مسجد مخنّثان

یہ خوشنما مسجد محلہ لوہا منڈی میں واقع ہے جو صاف و شفاف سنگ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔ اسکی تعمیر کی نسبت یہہ روایت مشہور ہے کہ اسے اکبر بادشاہ نے یتیم نام ایک خواجہ سرا کی یادگار میں بنوایا تھا جس کی دعا سے ایّام قحط خشک سالی میں بارش ہوئی تھی۔ یہ مسجد ۱۰ فیٹ بلند چبوترہ پر بنی ہے جس کے نیچے دو کانیں ہیں۔ اس میں تین محرابیں۔ تین سنگین گنبد اور دو ہشت پہل برج ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۴۶ ½ فیٹ اور چوڑائی ۲۰ فیٹ اور صحن ۹۴ فیٹ × ۶۵ فیٹ ۸ انچہ ہے جس میں ۲۵ × ۲۵ فیٹ حوض بنا ہوا ہے۔ کل صحن میں سنگ سُرخ کا فرش ہے۔ مغربی دیوار کے دو محرابوں میں جالیاں لگی ہیں اور مسجد کے اندر چونے پر نہایت نفیس جالدار کام بنا ہوا تھا جس کا کچھ حصّہ اب تک باقی ہے یہہ مسجد کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے

مسجد میر رفیع الزماں

یہ مسجد راجہ منڈی کے ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے جسے اورنگ زیب کے زمانہ کے ایک بزرگ میر رفیع الزماں نے ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء میں تعمیر کرایا تھا۔ یہہ مسجد ۱۰۔۱۲ فیٹ بلند چبوترہ پر بنی ہے جس کے نیچے تہ خانے وغیرہ بنے ہیں۔ اس کی لمبائی ۳۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۶ فیٹ ہے۔ اس میں تین محرابیں اور گچکاری کے تین گنبد اور جنوبی جانب پختہ کنواں واقع ہے۔ محرابوں کی پیشانی پر یہہ کتبہ مرقوم ہے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(یا حی) شکر کہ در دو رشہ دیں پناہ (یا قیوم) غازی حشم مرتبہ اورنگ شاہ

(یا کریم) میر فلک قدر رفیع الزماں (یا بدیع) ساختہ از عون حق ایں سجدگاہ

(یا رفیعؑ) سال نیایش خردم زدم قدم (یا غفارؑ) باد اید معدن فیض الٰہ
(یا ستارؑ) اللہ و محمدؐ و ابو بکرؓ و عمرؓ (یا باسطؑ) عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ باد دگر
(یا اولؑ) از جان و دل صدق و یقیں پیوستہ (یا آخرؑ) این است مرا ورد بہر شام و سحر
(یا ظاہرؑ) سوئے مسجد کسے برائے نماز (یا باطنؑ) گر بیا بد زر رئے عجز و نیاز
(یا حافظؑ) حق گناہان او چہل سالہ (یا رزاقؑ) محو ساز د مشابہ زالہ
(یا حفیظؑ) ہست این ترجمہ قول نبیؐ (یا حکیمؑ) بشنو از گوش دل چو حق طلبی

شمالی جانب دیوار پر یہہ تاریخ تحریر ہے "سنہ ۳۷ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۰۴ ھجری" مسجد کے قریب شمالی جانب بانی مسجد کا مزار املی کے درخت کے نیچے واقع ہے اور اس سے تھوڑے فاصلہ پر شمالی جانب اور مسجد کے جنوبی جانب میر محبوب عالم اور میر سید عالم نام دو بزرگوں کے مزارات واقع ہیں۔ یہہ مسجد بھی کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے۔

عمارات دیال باغ

دیال باغ کی نو آبادی کا سلسلہ شہر سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر شروع ہوتا ہے یہ ہندوؤں کے ایک مشہور روحانی فرقہ رادھا سوامی کا مستقر ہے جس کے پیرو ست سنگی کہلاتے ہیں۔ اس فرقہ کو سنہ ۱۸۶۱ء میں ایک صوفی بزرگ سوامی بشن دیال سنگھ صاحب نے جو ذات کے چھتری اور سوامی جی مہاراج کے لقب سے موصوف تھے قائم کیا تھا۔ سوامی جی مہاراج کا سال پیدائش سنہ ۱۸۱۸ء اور سنہ وفات جون سنہ ۱۸۷۸ء ہے۔ آپ ایک خوش حال خاندان کے فرزند رشید تھے آپ نے عربی۔ فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ ایام طفولیت ہی سے خدا شناسی کا جذبہ موجود تھا جس نے رفتہ رفتہ ترقی کر کے آپ کو مذہبی خدمات کے واسطے مخصوص کر دیا سنہ ۱۸۶۱ء سے آپ نے اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی جسکی رفتار آپ کے زمانہ حیات میں تو سست رہی لیکن وفات کے بعد سے روز افزوں ترقی پر ہے۔ آپ حیات بعد الممات کے قائل اور توحید شہودی

یعنی انسانی ذات کو مظہر ایزدی سمجھتے تھے۔

سوامی جی مہاراج کے انتقال کے بعد رائے بہادر بابو سالگرام پوسٹماسٹر جنرل صوبہ متحدہ راد ہاسوامی جماعت کے صدر اور حضور صاحب کے لقب سے مفتخر ہوئے۔ آپ کی سمادھ محلہ راوت پاڑہ میں واقع ہے۔ اُن کے بعد ۱۸۹۸ء میں پنڈت برہم شنکر صاحب اُن کے جانشین اور اس فرقہ کے پیشوائے اعظم مقرر ہوئے اور جماعت کا صدر مقام اول الہ آباد اور اُس کے بعد بنارس منتقل ہوا آپ کا خطاب مہاراج صاحب ہے ۱۹۰۷ء میں بابو کاشی پرشاد جی وکیل غازی پور سرکار صاحب کے خطاب سے مسندِ صدارت پر رونق افروز ہوئے۔

مارچ ۱۹۱۱ء میں اس فرقہ کی ایک مرکزی جماعت ست سنگ سبھا کے نام سے قائم ہوئی جس نے ۱۹۱۳ء میں آگرہ کو مستقل طور سے اپنا صدر مقام قرار دیا کیونکہ سوامی جی مہاراج بانی فرقہ کا مقبرہ (سمادھ) اسی جگہ موجود تھا۔ جنوری ۱۹۱۵ء میں موجودہ نوآبادی کی بنیاد قائم ہوئی جسکی ابتدا پانچ ہزار روپیہ کے چندہ اور چار ایکڑ زمین کی خریداری سے ہوئی۔

موجودہ پیشوائے مذہب کا نام نامی شری انند سروپ صاحب ہے آپ سرکار صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۱۳ء میں اُن کے جانشین قرار پائے اور صاحب جی مہاراج کے خطاب سے موصوف ہیں۔

ست سنگی بھائیوں کا جوشِ مذہبی۔ اُخوتِ باہمی۔ سادگی اور اپنے پیشوائے مذہب کی مخلصانہ فرماں برداری اور سب سے زیادہ ایثار والوالعظمی موجودہ دور میں کم از کم ہندوستان میں بے نظیر اور اُن کی تمام موجودہ ترقیوں کا باعث ہے۔ جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ دیال باغ کی نوآبادی نے ترقی کی ہے۔ اُس کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اب اُس کی حیثیت ایک نہایت شاندار مستقل چھاؤنی کی ہے جس کے قبضہ میں اس وقت ڈھائی ہزار ایکڑ آراضی ہے اور اُسکی عالی شان عمارتوں کی تعمیر پر پچیس لاکھ کے قریب روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ کل نوآبادی جو دو ہزار چار سو نفوس پر مشتمل اور ایک پختہ احاطہ سے محصور ہے۔

پبلک عمارتیں ایک جداگانہ وسیع احاطہ میں ہیں اور قیام کے مکانات علیحدہ حصوں میں ہیں۔ اس کا اپنا میونسپل انتظام جو نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے جداگانہ ہے۔ اعلیٰ درجہ کی سڑکیں۔ سرسبز باغات۔ کارخانۂ آب رسانی کارخانہ برقی روشنی اور وہ سب انتظامات موجود ہیں جو انسانی ضروریات زندگی کے واسطے لازمی ہیں رادھا سوامی جماعت کی موجودہ تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور اُن کی مرکزی جماعت ست سنگ سبھا کی ۲۳۸ شاخیں مختلف شہروں اور قصبات میں موجود ہیں۔ وسیع جائدادیں وقف ہیں۔

حسب ذیل عمارتیں عالیشان قابل الذکر اور لایق دید ہیں رادھا سوامی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ اسکی بُنیاد یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو بحیثیت مڈل اسکول رکھی گئی تھی اب انٹرمیڈیٹ کالج ہے جو غالباً عنقریب اعلیٰ درجہ کا کالج ہو جائیگا اس میں پانچ سو کے قریب طالب علم ہیں جن میں ۲۸۶ بورڈر ہیں اسکی لائبریری میں ساڑھے سات ہزار کتابیں ہیں اس کے متعلق ایک عجائب خانہ بھی ہے۔

پریم ودیالیہ یہ لڑکیوں کا مدرسہ ہے جس میں ۱۲۹ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں یہ بھی عنقریب زنانہ کالج ہو جائیگا۔

ٹیکنیکل کالج۔ یہ ۱۹۲۷ء میں اسکول کی حیثیت سے جاری کیا گیا تھا جو تین ہی سال میں کالج کے درجہ پر پہنچا دیا گیا اس میں میکنیکل اور الیکٹرک انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی دو منزلہ عمارت نہایت خوبصورت ہے درسگاہوں کے علاوہ متعدد عمارات کارخانہ جات صنعتی کی ہیں جن کی ابتدا چار ہزار روپیہ کے سرمایہ سے ۱۹۱۷ء میں کی گئی تھی اب اس کی عمارات پر ایک لاکھ روپیہ اور کلوں پر چار لاکھ روپیہ صرف ہو چکا ہے۔

۱۹۳۰ء میں دو لاکھ اٹھتر ہزار روپیہ مالیت کا سامان ان کارخانہ جات میں تیار کیا گیا سائنٹفک لیوریٹریوں اور سرجری کے آلات۔ برقی چولھے۔ سونے چاندی کی زنجیریں۔ چاقو چھری۔ برقی پنکھے۔ گراموفون۔ جوتے۔ ہر قسم کے کپڑے اور بیسیوں دوسری چیزیں یہاں تیار کی جاتی ہیں۔

ڈیری فارم - زراعتی فارم - مرکزی تالاب - شفاخانہ - زچہ خانہ - ہومیوپیتھیک فارمیسی نہر - بینک اور بہت سے دیگر مفید عام کارخانجات اور انجمنیں قائم اور روز افزوں ترقی پر ہیں۔ دیال باغ کے باشندے خصوصاً اور اس مت کے دیگر پیرو عموماً اس امر کے پابند اور عامل ہیں کہ وہ اپنی ضروریات کے واسطے دیال باغ ہی کی بنی ہوئی چیزیں خرید کر استعمال کریں۔

تمام ہندوستان کے باشندوں کو عموماً اور ارض تاج کے باشندوں اور سیاحوں کو خصوصاً اس مختصر جماعت کے ایثار و باہمی اخوت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے جس نے اس قلیل عرصہ میں محض اپنے اتحاد باہمی کی بدولت یہ حیرت انگیز ترقی حاصل کی ہے۔

باب ہشتم

سکندرہ اور اُسکے قرب و جوار کی عمارتیں

سکندرہ اصل میں ایک گاؤں کا نام ہے جو سکندر لودی کے زمانہ میں آگرہ کا ایک محلہ تھا اور اب شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر منتصرا اور دہلی کی پختہ سڑک پر واقع اور سرکاری کاغذات میں میں سکندرہ بہشت آباد کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن عرف عام میں سکندرہ اکبر کے روضہ کو کہتے ہیں۔ ایک سڑک پختہ محلہ شاہ گنج سے بھی سکندرہ تک گئی ہے اور جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن بھی سکندرہ میں ہے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد میں سکندرہ سے آگے رنکتہ تک جو اب شہر سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے مسلسل آبادی اور باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا جس کے بہت سے آثار لب جمنا اور سڑک کے آس پاس اب تک نظر آتے ہیں۔ شہر کے قدیم دہلی دروازہ سے گذر کر سب سے پہلے باگل خانہ

کا وسیع احاطہ اور عمارات ملتی ہیں جس کے اندر اور قرب وجوار میں اکثر آثار قدیمہ باقی ہیں جن میں سب سے زیادہ پُرحسرت آثار نواب اعظم خاں کو کلتاش (مرزا مظفر حسین) کے سنگ مرمری مقبرہ کے ہیں یہ موضع کھتیہ کے رقبہ میں تھا جس کے اب صرف تہ خانہ کے کھنڈر باقی ہیں موضع مئو کے سوانہ میں سیتلا کی پختہ سڑک پر للو سیڈھو کے باغ کے پاس لاڈلی کے نام سے ایک ٹیلہ مشہور ہے جہاں شیخ مبارک اور ملک الشعرا فیضی اور اُن کے خاندان کی ہڈیاں دفن ہیں یا دفن تھیں درمیان میں منشی چندر بھان کا باغ ہے جواب ایک ساہوکار کے قبضہ میں ہے۔ تیسری اور چوتھے میل کے درمیان میں سڑک کے شمالی جانب تھوڑے فاصلہ پر نواب صادق خاں میر بخشی شاہجہانی کے مقبرہ کا گنبد اور اُس کے بیٹے صلابت خاں کی سنگ سُرخ کی بارہ دری نظر آتی ہے۔ چوتھے میل پر پہنچکر اعتباری خاں خواجہ سرا کی مسجد اور قبر اور تالاب ہے اور ایک سنگین گھوڑا الضب ہے۔ اس کے آس پاس متعدد شکستہ گنبد موجود ہیں۔ اس کے بعد روضہ کی عالی شان عمارت ہے۔ بازار سے آگے مریم الزمانی بیگم کا باغ اور روضہ کا وسیع احاطہ واقع ہے۔ اس کے آگے بھی دور تک کھنڈرات کا سلسلہ چلا گیا ہے بیسیوں سنگین قبروں کے تعویذ سڑک کے قرب وجوار کے کھیتوں میں اِدھر اُدھر پڑے ہیں جن میں اکثر خوشنما اور بیش قیمت ہیں کئی مسجدیں کس مپرسی کی حالت میں نظر آتی ہیں۔

جہانگیر بادشاہ نے آگرہ سے لاہور اور آگرہ سے بنگال تک سڑک پر دو رویہ میوہ دار درخت ہر کوس پر ایک منارہ اور ہر نیم کوس پر ایک چاہ پختہ تعمیر کرایا تھا۔ اکثر منارہ اور چاہ اب تک موجود ہیں۔

لہ دوسرے اور تیسرے میل کے درمیان اور ساتویں فرلانگ کے محاذ میں لب سڑک ایک نیم کے درخت کے نیچے چبوترہ پر ایک الضب ہے جس پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

دریں باغ طرب داشتم گلے یک چند — کہ بدز عشرت و آرام روز و شب مستم
زتند باد اجل رفت و من ز اجز الش — ہنوز با الم و رنج و درد و غم جستم
پس از سہ سال لیلو فی مزار او دختم — ہزار حیف جوان رفت از جہاں کشتم
۱۱ھ ۱۵

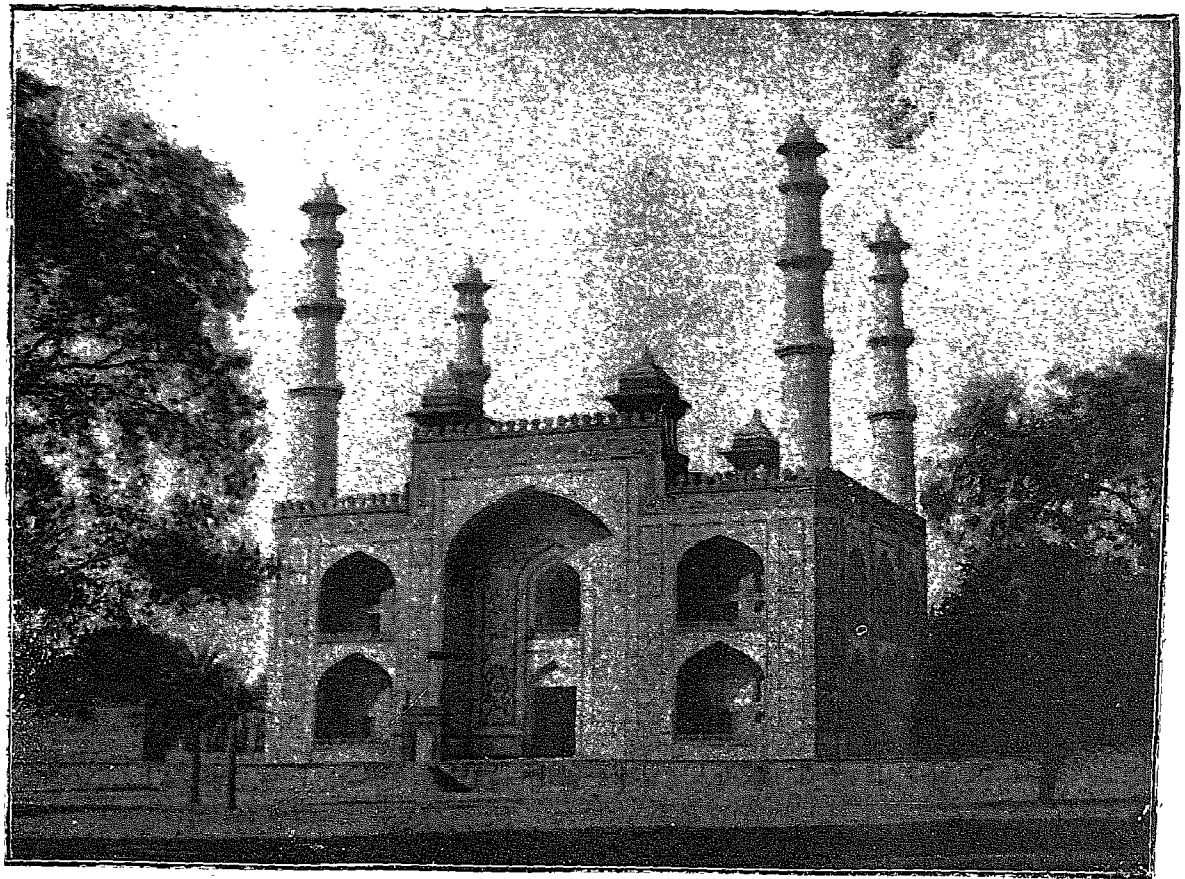

صدر دروازہ مقبرہ شہنشاہ اکبر

مقبرہ شہنشاہ اکبر اعظم (سکندرہ)

سلاطین مغلیہ میں اکبر سب سے زیادہ مشہور اور صاحب اقبال بادشاہ تھا جو نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں بمقام امرکوٹ (سندھ) شب یکشنبہ ۵ رجب ۹۴۹ھ / ۱۵۴۲ء کو پیدا ہوا اور صغیر سنی کی حالت میں جمعہ کے دن ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کو بمقام کلانور تخت نشین ہوا۔ ۵۱ سال۔ ۲۔ ماہ اور ۱۱ یوم سلطنت کر کے شب چہار شنبہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء کو ۶۴ برس ۱۱ ماہ ۸ یوم کی عمر میں بمقام آگرہ وفات پائی۔ الف کشید ملائک زفوت اکبر شاہ وفات کی تاریخ ہے۔

اکبر اعظم کا مقبرہ دہلی اور متھرا کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ٹھیک ۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پختہ سڑک اور چبوترہ سنگین پیش دروازہ کے درمیان میں سبزہ زار ہے جو تار سے محصور ہے۔ اسکے بعد ۸ فیٹ بلند سنگین چبوترہ ہے جس کا ہر ضلع ۲۴۳ فیٹ ہے۔

یہ مقبرہ ایک بلند کنگورہ دار چہار دیواری سے محصور ہے جس کا کل رقبہ ۱۱۹۹ ایکڑ ہے ہر ضلع کے وسط میں دروازہ ہے۔ ان میں جنوبی ضلع کا دروازہ صدر دروازہ اور نہایت شاندار ہے بقیہ تینوں دروازے برائے نمود اور بند ہیں۔ شمالی دروازہ زیادہ تر منہدم ہو گیا ہے جنوبی فصیل کے مشرقی حصہ میں حصہ میں اب ایک جدید سنگین دروازہ ڈاک بنگلہ کے جانے واسطے بنا لیا گیا ہے جو باغ کے اندر واقع ہے۔

صدر دروازہ

صدر دروازہ کی عمارت نہایت بلند اور خوشنما ہے۔ اس کے اندر متعدد صفہ نشینیں بنی ہیں اور درجہ بدرجہ دو منزلہ۔ سہ منزلہ۔ چہار منزلہ بنتی چلی گئی ہیں۔ بالائی منزل کے گوشوں پر چار بلند سنگ مرمر کے سہ منزلہ مینار ہیں یہ مینار کوسوں سے نظر آتے ہیں۔ ان کا بالائی حصہ جاٹ گردی میں منہدم کرا دیا گیا تھا جو اب از سر نو بنایا گیا ہے دروازہ کے دونوں جانب سنگ مرمر سنگ موسی اور سنگ زرد وغیرہ کی پچکاری کی ہوئی ہے۔ بیرونی جانب نہایت خوشخط یا شعار کندہ ہیں

مرحبا خرم فضائے خوش تر از باغ بہشت — مرحبا عالی بنائے برتر از عرش بریں
جنتے اور اہزاراں روضۂ رضواں غلام — روضۂ اور اہزاراں جنت الماوی زمیں
کلک معمار قضا بنوشت بر درگاہ او — ھٰذِہٖ جَنَّتُ عَدْنٍ فَادْخُلُوْھَا خَالِدِیْنَ
کتبۂ عبدالحق الشیرازی سنہ ۱۰۳۳ھ

اندرونی جانب یہ اشعار تحریر ہیں ؎

شاہِ اکبر ز روئے دانائی — گر بظاہر ز دہر فانی رفت
دولتش بود بے زوال ازاں — دل بہ دنیائے بازوال نہ بست
مرغ روحش چو بود طائر عرش — رفت بر آشیانِ خویش نشست

اسی جانب پیش طاق پر یہ رباعی کندہ ہے۔

طاقیکہ از رواقِ نہم چرخ برتر است — روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است
ایں طاق زیب نہ فلک ہفت کشور است — از روضۂ منورۂ شاہ اکبر است

دروازہ کے اندر محرابوں کے اطراف میں یہ اشعار کندہ ہیں جو سب عبدالحق الشیرازی کے پُرزور قلم کی بہترین یادگار ہیں یہ وہی عبدالحق ہیں جو شاہجہاں کے عہد میں امانت خاں کے خطاب سے موصوف ہوئے روضہ تاج محل کے کتبے بھی انہیں کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں ؎

بہ فرمان شہنشاہ ذوالجلال — کہ باشد شہنشاہیش بے زوال
شد آراستہ آں چناں روزگار — کہ حیران شد اندیشۂ ہوشیار
بہ گیتی ز فیض ازل بادشاہ — بود سایۂ نور داور الٰہ
چو از وے ہر آں سایہ گردد نہاں — فتد سایہ دیگر اندر جہاں
بہ تیغ زبان بود تا سرانجام کار — بہ نزد خرد گردش روزگار
زماند دگرگوں شود ہر نفس — نگردد بہیچ گونہ با ہیچ کس
فلک رتبہ شاہ اکبر عرش گاہ — کہ از ہیبتش کوہ گشتی چہ کاہ

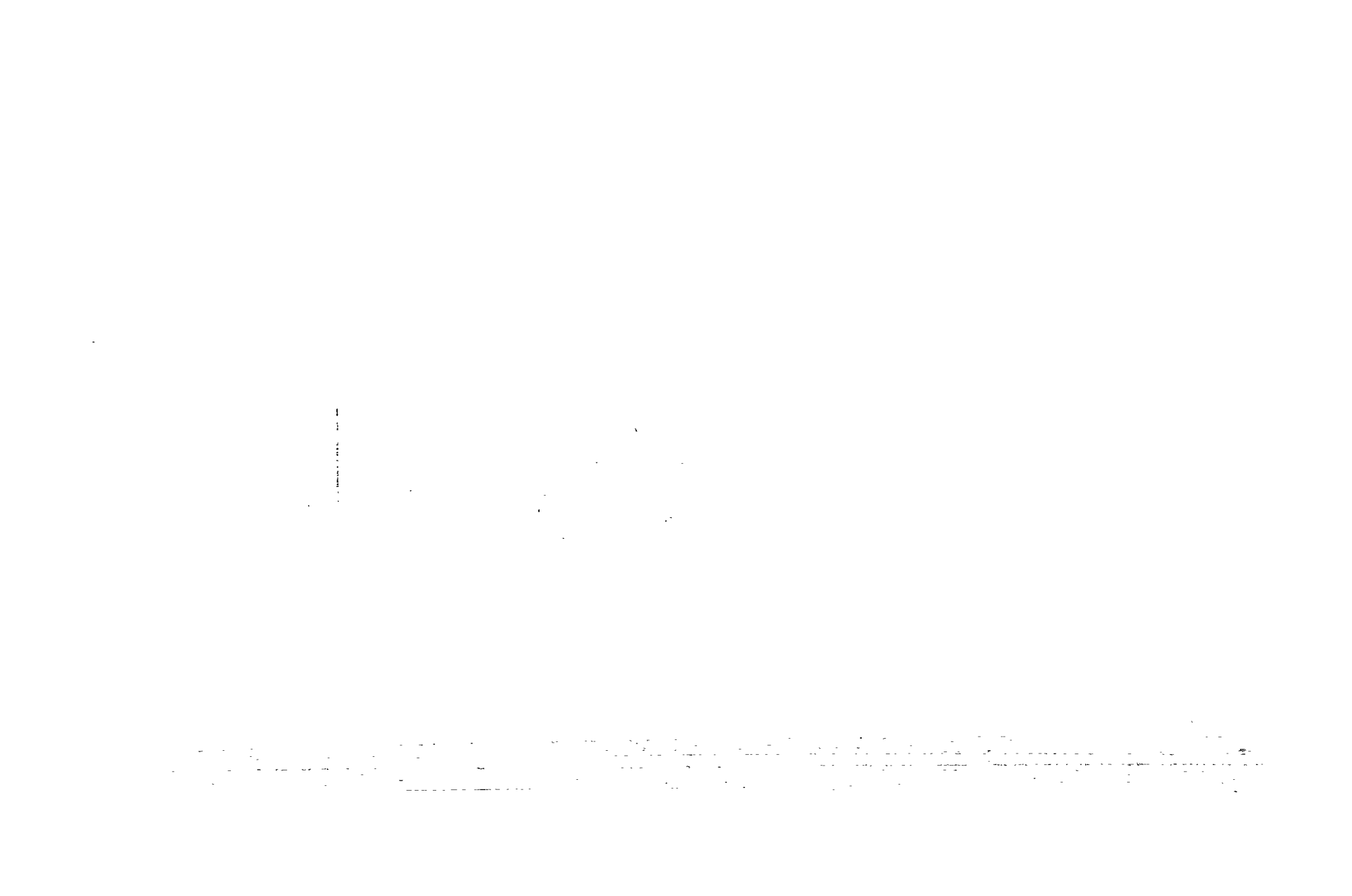

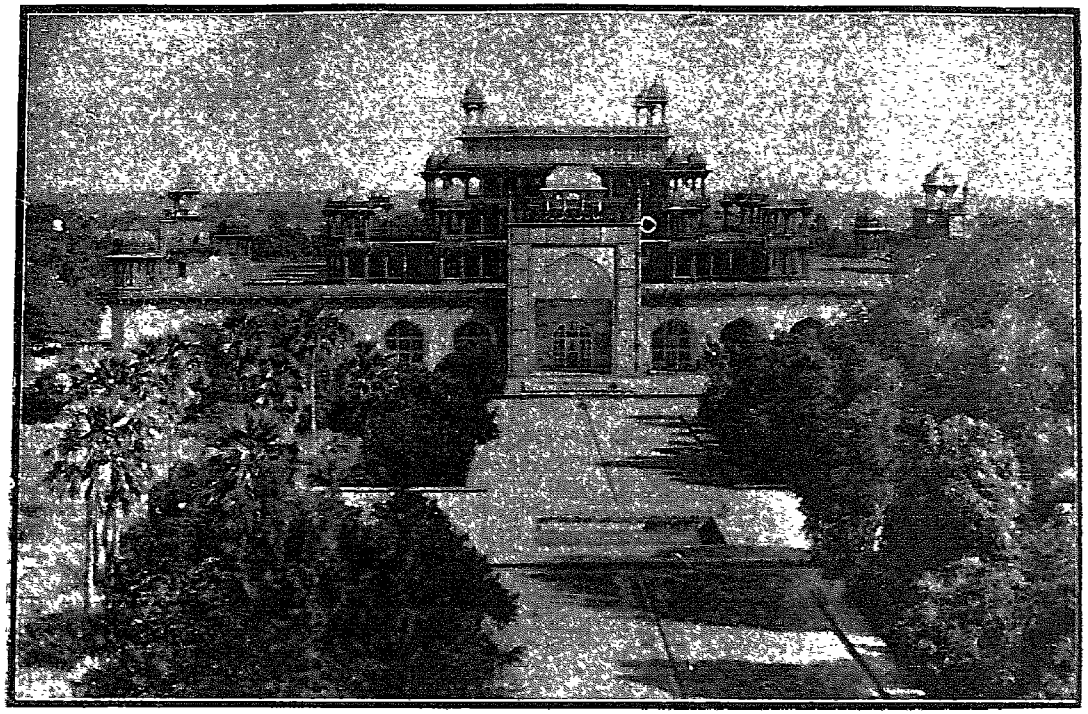

مقبرہ اکبر اعظم

نشستے چو بر تخت شاہنشہی — گرفتی جہاں قرطل اللہی
فروزندۂ اقبال دولت بود — کریم و رحیم و جواں بخت بود
دلِ روشن و جانِ آگاہ داشت — جہاں خورد و داد و گرفت و گذاشت
بہ باغِ جہاں تخمِ نیکی بکشت — بر آں گرفت از ریاضِ بہشت
روانش چو انوار خورشید و ماہ — فروزندہ باد از فروغِ الٰہ

خاص روضہ کی عمارت باغ کے وسط میں ہے۔ دروازوں اور روضہ کے درمیان میں ۶۱ فیٹ چوڑا سنگین فرش۔ درمیان میں فوارہ دار حوض اور پانی کی آمد و رفت کے واسطے نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ شمالی جانب کا فرش و حوض منہدم ہو گیا جو غالباً اب از سرِ نو بنایا جائیگا۔ اس تقسیم سے باغ چار تختوں میں منقسم ہو گیا ہے ہر تختہ میں چاہ پختہ۔ حوض اور سنگین چبوترہ ہیں۔ جنوبی و مشرقی تختہ میں اب ڈاک بنگلہ کی عمارت بن گئی ہے۔ دروازہ اور مقبرہ کی عمارت کا درمیانی فاصلہ ۹۶۰ فیٹ ہے۔

روضہ

خاص روضہ کی عمارت پانچ منزل کی ہے جس کا طرزِ تعمیر بودھ اور جینی عمارتوں سے ملتا جلتا ہے ہر منزل کی برج برجیاں ملکر دور سے نہایت شاندار منظر پیدا کرتی ہیں۔ ہر بالائی منزل اپنے نیچے کی منزل سے چھوٹی ہوتی گئی ہے۔

منزل اول

پہلی منزل کا ہر ضلع ۳۲۰ فیٹ ہے۔ ہر ضلع کے وسط میں ایک ایک خوشنما اور شاندار محراب ہے جس کے اطراف میں پچیکاری کا کام ہے ہر محراب کے اطراف میں ۵-۵ در کے دالان ہیں۔

جنوبی محراب کے اندر سنگ مرمر کے جالیدار دروازہ میں داخل ہو کر ایک مختصر کمرہ ہے جس کا ہر ضلع ۱۴½ فیٹ ہے۔ اس کے در و دیوار اور چھت پر نہایت خوشنما طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی۔ نہایت خوبصورت بیل بوٹے اور جھاڑ بنے ہیں اور سورہ تبارک الذی بخط نسخ کندہ ہے۔ اب یہ نقش و نگار ماند ہو گئے ہیں لیکن کچھ حصہ پر بطور نمونہ از سرِ نو طلائی

گلکاری کی گئی ہے۔
اس کمرہ کے بعد ۶۰ فیٹ لمبی گھٹیا نما گیلری سے گذر کر خاص قبر کے حجرہ تک پہنچتے ہیں جس کا ہر ضلع ۳۹ فیٹ ۹۔ انچہ ہے۔ وسط میں ۸ ½ فیٹ لمبا اور ۸ فیٹ چوڑا قبر کا سنگ مرمری تعویذ ہے۔ اب یہ کمرہ اور تعویذ بالکل سادہ ہے ممکن ہے کہ پہلے اس پر بھی کچھ کام ہو۔ باوجود اسکے کہ کمرہ کے چاروں طرف روشندان ہیں مگر روشنی برائے نام ہے۔ یہاں پہنچکر اکبری جاہ و جلال کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔

مقبرہ آرام بانو بیگم

جنوبی درمیانی محراب کے برابر مشرقی جانب ایک محراب کو خوشنما جالیوں سے بند کر دیا گیا ہے اس کا فرش بہت خوشنما پچیکاری کا ہے۔ درمیان میں آرام بانو دختر اکبر بادشاہ کی قبر ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا بہت خوبصورت منبّت کار ہے جسکے اطراف میں آیت الکرسی سرہانے اللّٰھُمَّ اغفرلی ذنوبی اور پائنتی ہذا القبر آرام بانو کندہ ہے اس کے برابر ایک سنگ مرمر کی سادہ قبر اور ہے جو کسی شاہزادی کی بتائی جاتی ہے۔

مقبرہ شکر النساء بیگم

اسی محراب کے مغربی جانب کی محراب میں جسکی جالیاں اور فرش خوبصورت سنگ مرمر کا ہے تین قبریں ہیں کمرہ کی درمیانی قبر کا تعویذ آرام بانو کے تعویذ کی طرح خوشنما نقش و نگار سے مزیّن اور لایق دید ہے اس پر بھی آیت الکرسی۔ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی اور ھذا القبر شکر النساء بیگم منقوش ہے۔ یہ شکر النسا بیگم بھی اکبر بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی مرزا شاہ رُخ ابن ابراہیم مرزا کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کی ماں کا نام بی بی دولت شاہ تھا ۹۳ برس کی عمر اور شاہجہاں کے زمانہ میں ماہ صفر ۱۰۶۳ھ میں بمقام متھرا ان کا انتقال ہوا تھا۔[۵۱]

اسی کمرہ میں شاہزادہ سلیمان شکوہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں۔ سلیمان شکوہ کی قبر کے تعویذ پر اللہ۔ محمدؐ۔ علیؓ۔ فاطمہ رضؓ حسینؓ رضؓ و حسنؓ اور تاریخ کندہ ہے ؎

چو فرمود رحلت سلیمان شکوہ — ز دارِ فنا سوئے ملکِ بقا
بسالِ دو صد الف و پنجاہ و سہ — بہ ذیقعدہ بست دہم زیں سرا

[۵۱] عمل صالح صفحہ ۱۵۲

در اں دم ز ہاتف ندا ایں رسید بگو کرد بر شاہ رحمت خدا

لوح مصوّر مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر ابن محمد شاہ عالم بادشاہ غازی

مقبرہ سلطان النسا بیگم

اِس کمرہ کے برابر والے دوسرے کمرہ میں جو اسی طرح خوشنما جالیوں اور فرش اور تعویذ سے مزین ہے ایک قبر ہے۔ تعویذ کے سرہانے محمد رسول اللہ اور شمالی دیوار پر ایک طاق کے اندر نود نہ نام اور کلمہ طیبہ وغیرہ کندہ ہے۔ اس میں جہانگیر بادشاہ کی بڑی لڑکی سلطان النسا بیگم دفن ہیں جو شاہزادہ خسرو کی بہن تھیں ان کا انتقال ۴ شعبان ۱۰۵۶ھ کو بعہد شاہجہاں بادشاہ ہوا تھا

چاہ پختہ

جنوبی جانب کے مشرقی دالانوں کے اندر ایک پختہ کنواں موجود ہے جو پانی تک ۶۳ فیٹ گہرا ہے معلوم نہیں کہ اس مقام پر یہ کنواں کس غرض سے بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے مقبرہ کی بنیاد کی گہرائی دکھانا مقصود تھا اسی جانب ایک سنگ مرمر کی سادہ قبر اور ہے۔

دوسری منزل

مقبرہ کی بالائی منزلوں پر چڑھنے کے واسطے ہر جانب ۲-۲ زینے بنے ہیں ۳۸ یا ۳۹ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک ہشت پہل برج اور جنوب میں صدر محراب کی برجیاں اور اطراف میں دالان ہیں۔

تیسری منزل

اس کے بعد ۱۴ یا ۱۵ سیڑھیاں چڑھکر تیسری منزل ہے جس کے اطراف میں ۲۰ برجیاں سنگ سُرخ کی ہیں جن کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں درمیان میں دالان ہیں۔

چوتھی منزل

اس کے بعد ۱۵ سیڑھیاں طے کرکے چوتھی منزل آتی ہے اس میں ۱۲ مربع برجیاں ہیں جن میں ۴ کے گنبد سنگ مرمر کے اور ۸ کے گنبد مختلف رنگ کی چینی کے ہیں۔

پانچویں منزل

چوتھی اور پانچویں منزل کے درمیان میں ۱۴ سیڑھیاں ہیں۔ پانچویں اور سب سے بالائی منزل اس روضہ کی روح ہے جو خالص سنگ مرمر کی ہے اور سطح باغ سے ۱۰۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کا ہر ضلع ۱۵۷ فیٹ ہے اس کے ہر سمت میں ۹-۹ محرابوں کے دالان ہیں جن میں بیرونی جانب ۱۱-۱۱ خوشنما جالیاں نصب ہیں جن کے جھروکوں سے کوسوں تک کا خوشنما منظر نظر آتا ہے۔ وسط صحن میں ۲½ فیٹ بلند چبوترہ ہے جس کے درمیان میں نہایت عالی شان بلند اور مُنبّت کا ایک پتھر کا تعویذ رکھا ہے جو

اصلی قبر کے بالکل اوپر ہے اس کی خوشنمائی اور نقش و نگار دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے اوپر بخط نستعلیق زود نہ نام اور سرہانے اللہ اکبر اور پائنتی جل جلالہ کندہ ہے۔

اس درجہ کا فرش مختلف رنگ پتھروں کا ہے دالانوں کی محرابوں پر اندرو باہر دو دو جگہ اللہ۔ اللہ منقوش ہے اور یہ اشعار بخطِ نستعلیق کندہ ہیں۔

بر محرابہائے غربی

بنام شہنشاہِ ملکِ قدم — کہ ذاتش مبرّا بود از عدم
ہمہ بادشاہان روئے زمیں — از و صاحبِ تاج و تخت نگین
کند از عدم آشکارا وجود — بود ذاتِ او مظہرِ عدل و جود
ز لطفش کہ دہ مطلب گار کام — بود درگہش قبلۂ خاص و عام
نگارندۂ جواہرِ آب و خاک — طرازندۂ گوہرِ جانِ پاک
دو عالم ز فیضِ ازل آفرید — یکے کرد پنہاں و دیگر پدید
بہ بخشید انگہ سرائے سپنج — بشاہانِ با افسر و تاج گنج
کہ از عدل ایشاں شود روزگار — شگفتہ تر از باغ در نوبہار
رہِ دادری را چو گیرند پیش — ثنا مستند بیگانہ را ہمچو خویش

بر محرابہائے جنوبی

شہے کو چناں زیبد در روزگار — بود سایۂ ذات پروردگار
ز تہ صد فزوں بود حصت دو سال — کہ شاہ اکبر آں سایۂ ذوالجلال
بہ بالائے زرّیں منہ نشست — بر تخت او گشت افلاک پست
جہاں را بیاراست از عدل و داد — دل اہلِ عالم از و گشت شاد
بر و پایۂ تختش از ہر گروہ — شدہ جمع مردانِ صاحب شکوہ
بہ ہر ار فگندے نظر سوئے خاک — بہ گوہر شدے بہتر از جانِ پاک

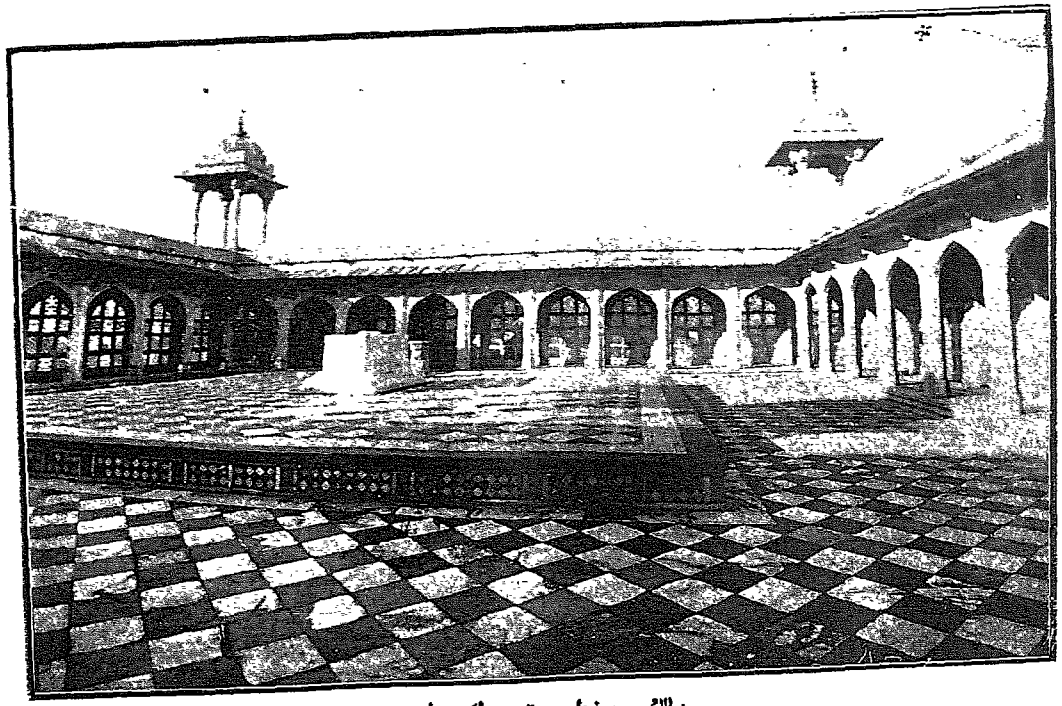

بالائی منزل مقبرہ اکبر اعظم

گرفتی بیک حملہ ملکے بہ رزم — بہ ایمائے ابرو بہ دادی بہ بزم
چو لطفِ خدا لطفِ او عام بود — بہ ہر کار چشمش بہ انجام بود

بر محرابہائے مشرقی

بدرگاہ او ہر کہ بُردے پناہ — چہ اندیشہ رفتی ز ماہی بہ ماہ
چنان شد آوازہ اش در جہان — کہ در دل نہ گنجید رازِ نہان
بپرداخت آں گونہ روئے زمیں — کہ کرد آفرینش جہاں آفریں
بہ گیتی دو افزود زیں پنجاہ سال — چنیں کرد شاہی ز روئے جلال
چو از عدل آباد کرد ایں جہاں — سوئے آں جہاں رفت روشن دلاں
شہِ ہفت کشور ازیں پیش بود — کنوں ہشت جنت مسخر نمود
بہ نزدِ خردمند ہشیار دل — سرائیست ایں عالم و آب و گل
مجو مہر از جوہرِ نہ سپہر — کہ یاکس بپایاں نبرد است مہر
سپہر است پُر کینہ مہرش مدار — کہ با کینہ در مہر ناید بکار
جہان ست مانند موجِ سراب — ازاں تشنہ دل کے شود کامیاب

بر محرابہائے شمالی

نہ بست است پیماں بہ کس روزگار — کہ نہ شکست آں را بہ ہنگام کار
نماند بہ گیتی کسے جاوداں — ز دستِ اجل کس نبرد است جاں
چہ خوش گفت آں کامل نکتہ سنج — کہ از گوہر دانش اندوخت گنج
جہاں اے برادر نہ ماند بکس — دل اندر جہاں آفریں بند و بس
شد از عدل شاہ اکبر کامگار — بساں بہشتِ بریں روزگار
جہاں گشت خورم بدورانِ او — زمین و زماں شد بہ فرمانِ او
دلے دہر بے مہر پیماں گسل — ز کیں مہر او کرد بیروں ز دل

ز تاثیر بے مہری ایں جہاں رواں شد سوئے عالم جاوداں
ز دانش ہمیشہ ز حق شاد باد از و عالم قدس آباد باد

مشرقی دالان کے جھروکوں اور جالیوں سے شہر آگرہ اور دریائے جمنا کا منظر نہایت پر لطف اور دل کش ہے جہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا۔ دالانوں کے اشعار پڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ دنیا مٹنے والی اور دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں فنا ہونے والی ہیں۔ نہ اکبر رہا نہ جہانگیر فنا کا زبردست ہاتھ ایک دن اس عمارت کو بھی نیست و نابود کر دیگا پس۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اکثر جدید کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ اس مقبرہ کی بنیاد خود اکبر نے رکھی تھی اور باغ کا نام بہشت آباد بھی اسی کا رکھا ہوا ہے لیکن کتابات موجودہ اور تزک جہانگیری یا اس عہد کی کسی فارسی تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بواقعات سنہ ۳ جلوس اسکی تعمیر کا حال لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ تاریخ کو پاپیادہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے روضہ منورہ کی زیارت کے واسطے گیا۔ چونکہ والد بزرگوار میری پیدائش کی خوشی میں فتحپور سے اجمیر تک جن کا درمیانی فاصلہ ۱۲۰ کوس ہے پاپیادہ بغرض زیارت خواجہ معین الدین سنجری چشتی تشریف لے گئے تھے لہذا اگر ممکن ہوتا تو میں بسر و چشم اس راہ کو طے کرتا۔ روضہ کی زیارت سے مشرف ہوا لیکن دلخواہ نہ پایا میرا ارادہ تھا کہ مقبرہ کی ایسی عالی شان عمارت تعمیر کی جائے جس کی دوسری نظیر دنیا میں موجود نہ ہو خسرو کی بغاوت کی وجہ سے میں لاہور چلا گیا میرے پیچھے تین چار برس کے عرصہ میں معماران نے بطور خود اس عمارت کو تعمیر کیا بعدہٗ میں نے تجربہ کار معمار تلاش کرا کر عمارت میں جدید تصرفات کئے اور خوشنما باغ نصب کرایا۔ عالی شان دروازہ اور رفیع الشان سنگ مرمر کے مینار بنوائے۔ پندرہ لاکھ روپیہ کے صرف سے موجودہ عمارت تیار ہوئی ہے"

اس کے بعد بواقعات سنہ ۱۴ جلوس تحریر کیا ہے "یکم ماہ آبان الٰہی کو حضرت عرش آشیانی

انار اللہ برہانہ کے روضہ کی زیارت کے واسطے گیا تھا اشرفیاں نذر گذرانیں۔ جملہ بیگمات اور اہل محل نے بھی روضہ کا طواف کرکے نذریں پیش کیں۔ شب جمعہ کو مجلس سماع منعقد ہوئی جس میں بہت سے مشائخین اور حفاظ اور اہل نغمہ شریک تھے سب کو مناسب حال خلعت وغیرہ دیے گئے اور روضہ کی عمارت میں مزید تر بہم کی گئی۔ شہ جلوس کے سالانہ عرس کے حال میں لکھا ہے کہ ایک ہفتہ تک عرس ہوتا رہا فقرا اور مساکین کو دس ہزار روپیہ خیرات میں تقسیم کئے گئے۔

کانچ محل

مقبرہ کے صدر دروازہ کے قریب مشرقی جانب جہانگیری محل تھا جسکی عمارت بہت شاندار اور خوبصورت تھی اس کی یادگار اب صرف ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے جو اب کانچ محل کے نام سے مشہور ہے اس پر نہایت نفیس و باریک منبت کاری اور پچیکاری اور کاشی کاری کا کام کیا ہوا ہے اور لائق دید ہے۔ منشی سیل چند اور منشی قمرالدین کی قلمی تاریخوں میں اسے راجہ بیربل کی عمارت کا دروازہ بتایا گیا ہے۔ اس کے نقش و نگار فتح پور سیکری کی عمارات سے ملتے جلتے ہیں قیاس ہوتا ہے کہ یہ محل بطور ڈاک بنگلہ جہانگیر کے واسطے بنایا گیا تھا۔

مقبرہ مریم الزمانی بیگم

مریم الزمانی بیگم راجہ بھارامل والی امبیر (جے پور) کی بیٹی راجہ مان سنگھ کی بھتیجی جہانگیر بادشاہ کی ماں اور اکبر بادشاہ کی سب سے پہلی راجپوت بیگم کا خطاب تھا جو ۹۶۹ھ / ۱۵۶۱ء میں بمقام ساہنیر مغلیہ حرم سرا میں داخل ہوئی۔ ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں حضرت شیخ سلیم چشتی فتحپوری کے مکان پر جہانگیر ان کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۳ء میں انتقال ہوا۔ فتحپور سیکری کا سنہرا مکان انہیں کی یادگار ہے یہ مقبرہ اکبر کے روضہ کے قریب بلکہ اس کے احاطہ کے جنوب مغربی گوشے سے ملا ہوا واقع

ہے اس کے احاطہ کا رقبہ ایک سو چالیس بیگہ ہے۔ خاص مقبرہ کی عمارت سلطان سکندر لودی کے عہد کی یادگار اور بارہ دری تھی جسے خفیف تغیر کے ساتھ مقبرہ بنالیا گیا ہے۔ شاہی زمانہ میں اس کا باغ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ جب آگرہ میں لفٹنی قائم ہوئی تو اس میں گورنمنٹ پریس قائم کیا گیا۔ لفٹنی کے منتقل ہونے پر یہ کل عمارت معہ اراضی باغ عیسائیوں کو دیدی گئی جس میں ان کا یتیم خانہ قائم اور گرجا وغیرہ تعمیر ہوا۔ چند سال پیشتر تک خاص مقبرہ کی عمارت میں مشن کا کارخانہ پارچہ بافی تھا اور عمارت میں بھی متعدد تصرفات کر لئے گئے تھے اب مقبرہ کی عمارت خالی کرا کر اسکی مرمت کردی گئی ہے اور اسکے گرد ایک جداگانہ مختصر احاطہ بنا دیا گیا ہے۔ بارہ دری کے چاروں گوشوں پر ہشت پہل برجیاں ہیں۔ چاروں طرف درمیان میں ایک بڑی اور ۳-۳ اوسط درجہ کی اور ایک ایک چھوٹی محراب ہے اور ہر ضلع کے وسط میں ایک ایک برجی ہے اس طرح کل ۸ برجیاں یا گنبد ہیں۔ اصلی قبر خانہ میں تھی جس کا موجودہ خشتی تعویذ جدید بنا ہوا ہے اوپر نشان تعویذ کی جگہ جالیوں سے محصور کردی گئی ہے۔ کہیں کہیں گذشتہ رنگ آمیزی کے نشانات نظر آتے ہیں۔

احاطہ باغ کے اندر ایک مختصر مسجد اور چند آثار قدیمہ کے علاوہ مشن کے نو تعمیر گرجا بنگلے اور متعدد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

مقبرہ صادق خاں میر بخشی

صادق خاں آقا طاہر ابن محمد شریف ہروی کا بیٹا اور اعتماد الدولہ پدر نور جہاں بیگم کا بھتیجہ اور داماد تھا۔ جہانگیر کے عہد میں پنجاب کا صوبہ دار اور شاہجہاں کے زمانہ میں منصب چہار ہزاری پر سرفراز اور خدمت میر بخشی پر مامور تھا۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو وفات پائی۔ اس کا مقبرہ متھرا کی پختہ سڑک کے شمالی جانب موضع کیلاتہ کے سوانہ میں واقع ہے جو تیسرے اور چوتھے میل کے درمیان سے دکھائی دیتا ہے۔ اسکی عمارت ہشت پہل ہے جس کا قطر

۲۸ فیٹ ۷ انچ ہے۔ ہر ضلع میں ایک ایک دروازہ ہے۔ چھت اور ابتدائی عمارت کے درمیان میں ایک خوشنما گیلری بنی ہے۔ چھت پر چاروں طرف گلدستے اور درمیان میں کمر کھی طرز کا گنبد واقع ہے جو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اصلی قبر تہ خانہ میں ہے۔ اور اوپر کا تعویذ بھی غائب ہے۔

بارہ دری صلابت خاں

صلابت خاں کا اصلی نام روشن ضمیر تھا یہ صادق خاں میر بخشی کا بیٹا اور شاہجہاں کے زمانہ میں منصب چہار ہزاری پر سرفراز اور خدمت بخشگری دوم سے مفتخر تھا۔ یکم جمادی الاول ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء کو راؤ امر سنگھ کے ہمدہر سے شہید ہوا۔ اس کی بارہ دری صادق خاں کے مقبرہ کے قریب واقع ہے جو سنگ سرخ کی اور نہایت ہوادار ہے۔ اس کے قرب وجوار کے آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ باغ تھا اور باغ میں یہ عمارت بطور تفریح گاہ کے بنائی گئی تھی۔ یہ مربع شکل کی ہے جس کا ہر ضلع ۶۹ فیٹ ۴ انچ ہے چاروں اضلاع میں ۵-۵ بلند محرابیں دو ہرے ستونوں کی ہیں۔ درمیان میں ۳-۳ محرابوں کی بارہ دری اور اس کے بیچ میں چار محرابوں کی چھتری ہے عمارت کے چبوترہ کے چاروں گوشوں پر چار خوشنما سنگین برج بنے ہیں جن کے اندر چھت پر بہت عمدہ گلکاری کی ہوئی ہے۔ بعض نقش ونگار ایسے تازہ ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی معماران نے اس کام کو ختم کیا ہے۔

مسجد وتالاب اعتباری خاں خواجہ سرا

اعتباری خاں خواجہ سرا جہانگیر بادشاہ کا نہایت معتمد اور اس عہد کے امرائے عالیشان سے تھا جو اخیر زمانہ میں منصب شش ہزاری پر سرفراز اور مستقر الخلافت آگرہ کا صوبہ دار اور قلعہ اور شاہی خزانہ کا محافظ تھا قلعہ تارا گڈھ اجمیر میں میراں سید حسین خنگ سوار کی درگاہ اسی

اعتبار خاں کی بنوائی ہوئی ہے آگرہ میں محلہ کٹرہ اعتباری خاں منحلات نائی منڈی اُسکی یادگار ہے اس کے علاوہ یہہ چھوٹی سی مسجد بھی ہے جو منتھرائی پختہ سڑک پر چوتھے میل کے برابر سڑک پختہ اور سڑک ریلوے کے درمیان میں واقع ہے۔ مسجد و تالاب کے علاوہ اعتباری خاں کا محل اور باغ[۵] بھی اسی جگہ واقع تھا جس کے قریب یہہ مختصر مسجد بنائی گئی تھی۔ یہہ ایک گنبد اور تین محرابوں کی مسجد ہے جو ۳۰ فیٹ لمبی اور ۱۰ فیٹ چوڑی ہے۔ اسی کے قریب قریب اس کا صحن تھا جس کا احاطہ اب منہدم ہوگیا مسجد کے اندر تمام در و دیوار پر نہایت عمدہ طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جس کے نشانات اب تک بخوبی نمایاں ہیں مناسب موقعوں پر خط نستعلیق میں یا فتاح نہایت خوشخط تحریر ہے اور بیرونی محرابوں پر کتبہ کندہ ہے ؎

شمالی محراب پر

اعتباری خاں کہ ہست عالی جاہ　　از طفیلِ حضرتِ ظلِّ الٰہ

اللہ کافی

درمیانی محراب

مُہیّا ساخت مسجد خواجہ کافور　　کہ باشد خیر او ہموارہ در راہ

پئے تاریخ سال از عقل جستم　　بگفتا مسجد جا محض اللہ

یا مالک الملک

جنوبی محراب پر

خان محرم ہست از سرِ ناظراں　　محسن الخلق است در اہلِ زماں

قائلہ در راقمہ ولی ابن آدم در سنہ ۱۰۱۵ھ

مسجد کے قریب ایک چاہ پختہ اور چبوترہ پر اعتباری خاں کی سنگین قبر بنی ہے جسکے تعویذ پر آیت الکرسی تحریر ہے۔ شمالی جانب ایک وسیع تالاب کے آثار ہیں جو اب گرد کا تال کہلاتا ہے

[۵] اس محل کے کھنڈر اور کچھ آثار اب تک موجود ہیں جس میں چار آباد ہیں باغ کا دروازہ بھی باقی ہے اُس میں بھی ایک کاشتکار ہے یہہ آثار موضع کگرتیہ میں ہیں ۱۲

یہ بھی اعتباری خاں کا بنایا ہوا تھا۔ زمانہ مابعد میں ایک ہندو فقیر اس جگہ عرصہ تک مقیم رہا لہذا اس وقت سے یہ گرو کا تال مشہور ہو گیا اس کے آٹھ سنگین دو منزلہ گنبد اور چار دیواری اب تک موجود ہے۔ تالاب میں اب زراعت ہوتی ہے۔ قرب وجوار میں بہت سی سنگین قبروں کے تعویذ اور چند گنبد شکستہ موجود ہیں۔

سنگین گھوڑا

اعتباری خاں کی مسجد سے ملا ہوا یہ سنگ سرخ کا گھوڑا نصب ہے جو کسی گھوڑے کی قبر پر بطور یادگار بنایا گیا تھا۔ اس کے متعلق کوئی تاریخی بیان نظر سے نہیں گذرا زبانی روایت مشہور ہے کہ کسی سوداگر کا عزیز گھوڑا اس جگہ یکایک مر گیا اس کی قبر پر یہ یادگار بنائی گئی تھی۔

مقبرہ سکندر لودی

مسجد اور تالاب اعتباری خاں کے قریب شمال و مشرقی جانب یہ منہدمہ مگر عالی شان مقبرہ واقع ہے جو سلطان سکندر لودی کا مقبرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھی کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں سکندر لودی کا مقبرہ دہلی میں ہے ممکن ہے کہ اس نے اپنے مقبرہ کے واسطے یہ عمارت بنوائی ہو لیکن یہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا ہو اسکی عمارت دو منزلہ تھی جس کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے مگر چبوترہ کے گوشوں کے چاروں سنگین گنبد اور درمیانی سنگین بارہ دری ابتک موجود ہے جس کے چھت پر ۵ گول اور چار مستطیل گنبد واقع ہیں۔ تہ خانہ میں اب کوئی نشان قبر باقی نہیں ہے۔

درگاہ قدم رسولؐ

سکندرہ سے ایک میل کے فاصلہ پر شاہ گنج و سکندرہ کی پختہ سڑک پر نبی کریم (نبی صاحب) مزرعہ موضع بودلہ واقع ہے جس کے گرد خشتی چار دیواری اور درمیان میں یہ درگاہ قدم

رسول بنی ہوئی ہے جسے ۱۰۳۷ھ میں خدمت پرست خاں نے تعمیر کرایا تھا۔ خدمت پرست خاں کا اصلی نام رضا بہادر تھا یہ لڑکپن سے شاہجہاں بادشاہ کی خدمت گاری میں تھا جو رفتہ رفتہ امارت کے درجہ پر پہنچکر تخت نشینی کے بعد خدمت میر توزک اور اسکے بعد میر آتشی (مہتمم توپخانہ) سے مفتخر ہوا۔

مسجد

اس درگاہ کے نیچے حجرے اور مغربی ضلع میں مسجد اور باقی اضلاع میں دو ہرے دالان بنے ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۴۵ فیٹ ۸ انچہ اور چوڑائی ۱۹ فیٹ ہے اس میں تین محرابیں اور چھت پر تین گنبد ہیں۔ درمیانی محراب پر یہہ کتبہ کندہ ہے۔ ہوالحی الدائم ۵

توفیق رفیق کلست خدمت خاں را — کو یافت زحق سخاوت و احساں را
تاریخ بنائے مسجدش گفت خرد — آباد نمود خانہ یزداں را

حجرہ قدم شریف

درمیانی صحن مربع ہے جس کا ہر ضلع ۸۶ ½ فیٹ ہے۔ اس میں ایک حوض اور درمیان میں قدم شریف کا ایک خوشنما حجرہ بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۲۰ فیٹ ہے ہر ضلع میں ۵-۵ محرابدار سنگین جالیاں نصب ہیں اور اوپر کنگورے اور گلدستے بنے ہیں۔ حجرہ کے وسط میں چبوترہ بنا ہے جس کے اوپر چار ستونوں پر گنبد قائم ہے۔ اس چبوترہ کا ہر ضلع ۹ فیٹ ۱۰ انچہ ہے۔ درمیان میں ایک پتھر میں قدم شریف نصب ہے اس کے نیچے ایک تاریک تہ خانہ ہے جس میں خدمت پرست خاں کی قبر بتائی جاتی ہے لیکن مآثر الامرا سے واضح ہے کہ اس کا مقبرہ نخاس آگرہ کے قریب تھا جس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ یہہ کل عمارت سنگ سرخ کی ہے اور صحن میں فرش بھی سنگ سرخ کا ہے بارھویں ربیع الاول کو یہاں عرس ہوتا ہے اور ۱۱ بسوہ ۶۷ سکہ آراضی اخراجات درگاہ کے واسطے معاف چلی آتی ہے۔

گنبد دو منزلہ

موضع بودلہ کے قریب دو گنبد واقع ہیں جن کے بانی کا پتہ نہیں چلتا۔ انہی میں یہہ

دو منزلہ گنبد بھی ہے جو بھرت پور اور متھرا کی پختہ سڑکوں کے درمیان میں واقع اور باوجود نہایت شکستگی کے خاص شان رکھتا ہے۔ اس کے اطراف میں باغ کی روشوں کے آثار اب تک نمایاں اور قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد کے کھنڈر اور ایک چوپہرا پختہ کنواں موجود ہے۔ اسکی عمارت باہر سے مربع اور اندر سے ہشت پہل ہے چاروں طرف ۳-۳ در کی غلام گردش بنی تھی جس کا صرف شمالی درجہ باقی رہ گیا ہے اس کے اندر زنانہ سنگین تعویذ ہے جس پر تختی بنی ہے۔ دوسری منزل مربع ہے جس میں نقلی پختہ قبر بنی ہے۔ جملہ بیرونی محرابوں اور طاقوں کے اطراف میں چونہ پر سفید حرفوں سے دائروں کے اندر کلمہ طیبہ مرقوم تھے جو اب تک پڑھے جاتے ہیں۔ تمام درد دیواروں پر نفیس رنگ آمیزی کا کام تھا جس کا کچھ حصہ اب تک باقی ہے۔ اس کے اندر کئی دستی کتبے سیاحوں کے لکھے ہوئے موجود ہیں جن میں سب سے پرانی تحریر یہ ہے ؎

نوشتم من بریں دیوار خانہ — کہ باشد از من مسکین نشانہ
اگر پرسند آں مسکیں کجا شد — بگو بگریخت از دشت زمانہ

راقم احقر العباد بلدیو سنگھ سوداگر ساکن دارالامان ملتان تاریخ ہیژدہم جمادالثانی ۱۲۲۷ھ سنہ ۱۳۱ جلوس محمد شاہی

دھاکڑی کا محل

شہر کے قریب بھرت پور کی پختہ سڑک پر موضع گوپال پور واقع ہے جو راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ کا آباد کیا ہوا اور عام طور سے بھدوریہ گڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں سنگ سرخ کا ایک قدیم مقبرہ واقع ہے جو اب دھاکڑی کے محل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ طرز تعمیر سے اکبری یا جہانگیری عہد کی عمارت معلوم ہوتی ہے جو ۳۰ فیٹ بلند مربع چبوترہ پر بنی ہے جس کا ہر ضلع ۴۰ فیٹ ہے چاروں طرف ۵-۵ در کی غلام گردش اور درمیان میں مقبرہ کا حجرہ ہے

جس کا ہر ضلع باہر سے ۲۱ فیٹ ۳ انچہ اور اندر سے ۱۲ فیٹ ہے۔ اس میں نہایت مضبوط اور اعلیٰ درجہ کا سنگ سُرخ لگا ہے۔ جس پر فتحپور سیکری کے محل مریم الزمانی کی طرح رنگ بھر کر گلکاری کی گئی تھی جس کا بہت خفیف حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ محرابوں اور طاقوں کے اطراف میں رنگ برنگ کی خوشنما بیلیں پھول پتّے وغیرہ بنے ہیں۔ چاروں طرف چونہ پر خوشخط اشعار مرقوم تھے جو قریب قریب سب مٹ گئے صرف چند الفاظ اور یہہ دو تین مختلف مصرعہ پڑھے جاتے ہیں۔

(زہے خجستہ مکانے کہ در مشاہدۂ اش) (درست گشت چو ایں منزل آخنایت حق)

(بکام صاحبِ خود باد عاقبت محمود) (کہ گشت صاحبِ دنیا و دین بحرات و جود)

زہر عاقبت ایں خانہ بی بی الیشردی

اِس کتبہ سے واضح ہے کہ یہہ مقبرہ بی بی الیشردی کا ہے۔ جو غالباً اکبر یا جہانگیر کی کوئی راجپوت بیگم تھیں چھت کے چاروں گوشوں پر ایک ایک مُربع اور وسط میں ۲ فیٹ ۱۰ انچہ بلند چبوترہ پر مُثمّن بُرج بنا ہے جس کا قطر ۱۶ فیٹ اور ہر ضلع ۶ فیٹ ۳ انچہ ہے۔ اسکے ستون چھ مختلف الوضع پہلوں کے اور توڑے بھی خوبصورت ہیں۔ گنبد کے اندر کی چھت نہایت خوشنما بنی ہے جس پر نہایت نفیس و بے نظیر گلکاری کی ہوئی ہے۔ ۱۶ محرابدار طاقوں کے گرد مختلف رنگوں کی بیلیں بنی ہیں جن کے رنگ اب تک تر و تازہ ہیں۔ نیچے یا اوپر اب کوئی فیر یا تویذ باقی نہیں۔ سیّاحوں اور سیلانیوں کے ہاتھ کی اکثر تحریریں اس مقبرہ پر موجود ہیں جن میں سب سے پُرانی تحریر غرہ رجب سنہ ۱۴ جلوس (عالمگیری) مبارک سنہ ۱۰۸۲ھ کی ہے۔ آس پاس باغ کی روشوں کے کچھ نشانات نمایاں ہیں۔

مقبرہ لاڈلی بیگم و شیخ فیضی و شیخ مبارک

لاڈلی بیگم شیخ مبارک کی بیٹی اور علّامی ابوالفضل اور ملک الشعرا فیضی کی بہن تھیں جنکی شادی اعتقاد الدولہ نواب اسلام خاں چشتی قاروقی (شیخ علاء الدین ابن شیخ بدر الدین

ابن شیخ سلیم چشتی فتحپوری) صوبہدار بنگالہ سے ہوئی تھی چونکہ جہانگیر کے زمانہ میں وہ اپنے باپ شیخ مبارک کے مقبرہ کی متولی تھیں اور خود بھی وفات کے بعد وہیں دفن ہوئیں لہذا یہ مقبرہ انہیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقبرہ کو علامی ابوالفضل نے ۱۵۹۵ء میں تعمیر کرایا تھا شیخ مبارک فیضی لاڈلی بیگم اور اُن کے خاندان کے سب لوگ باستثنائے شیخ ابوالفضل اسی میں مدفون ہیں مقبرہ کی عالی شان عمارت ایک وسیع باغ کے وسط میں بنی تھی جس کا ہر ضلع ۳۰۵ فیٹ تھا۔ گوشوں پر چار برج اور صدر دروازہ نہایت شاندار تھا جس کی محراب پر یہ کتبہ کندہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ونستعین۔ هذه الروضة للعالم الربانی والعارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک اللہ قدس سرہ وقد وقعت بنیانه بحر العلوم شیخ ابوالفضل سلمه اللہ تعالی فی ظل دولت الملک العادل یطلبه المجد والاقبال والکرم جلال الدین والدنیا اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ تعالی اظلال سلطنته باہتمام حضرت ابی البرکات فی سنه اربع والف افسوس کہ ابوالفضل و فیضی اور شیخ مبارک سے فضلا کی یہ قدیم یادگار نہایت کس مپرسی کی حالت میں کھد کھدا کر بالکل نیست و نابود ہو گئی۔ اُس کی چہار دیواری اور روضہ کی عمارت غدر سے پیشتر تک موجود تھی اصلی عمارت کا چبوترہ اور ایک عالیشان تکیہ یا دلی بیس برس پیشتر تک موجود تھی جسے راقم الحروف نے بچشم خود دیکھا تھا۔ کئی برس بعد جب دوبارہ گذر ہوا تو ان آثار کو بھی نہ پایا۔ تمام خشت و پتھر کھود لیا گیا۔ یہ مقام اب تک لاڈلی کے نام سے موسوم اور موضع مئو کے سوا نہ میں متصل باغ للو سیٹھ ہو سڑک پختہ سیتلا واقع ہے

باغ چندر بھان

منشی چندر بھان ذات کا برہمن اور اصل میں لاہور کا رہنے والا تھا حساب کتاب معاملہ فہمی۔ تحریر و تقریر میں کارگذار اہلکار اور شاعری اور انشا پردازی میں شہرۂ آفاق تھا۔ دیوان برہمن و منشآت برہمن کے علاوہ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں اوّل سرکار شاہزادہ دارا شکوہ اور اُس کے بعد شاہی متصدیوں کے زمرہ میں منسلک

اور خطاب رائے سے مفتخر تھا خط شکستہ میں اسے کمال حاصل تھا۔ ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ء میں بمقام بنارس انتقال کیا آگرہ میں ایک تالاب اور باغ تعمیر کرایا تھا جس میں باغ اب تک موجود اور سکندرہ کے راستہ میں لب سڑک واقع ہے۔ غدر کے ایام میں یہ باغ ایک انگریز کے قبضہ میں تھا اس نے محلہ بیلنگنج کے ایک ساہوکار لالہ سورج بھان کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کر دیا کہ باقیماندہ قدیم عمارت میں کوئی دست اندازی نہ کیجائے اور وہ بدستور اپنی اصلی حالت پر قائم رکھی جائے چنانچہ وہ عمارت جو سنگ سرخ کا ایک عالیشان دخوشنما منقش دروازہ ہے باغ کے اندر اب تک موجود ہے اس باغ کے موجودہ مالک بانی کے ہمنام یعنی لالہ چندر بھان پسر سورج بھان ہیں۔

مقبرہ نواب اعظم خاں کوکلتاش

نواب اعظم خاں کا اصلی نام مرزا مظفر حسین اور خطاب فدائی خاں اور اعظم خاں تھا یہ عالمگیر بادشاہ کے کوکلتاش یعنی دودھ شریک بھائی اور شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے مشہور امیر تھے۔ لاہور میں انہوں نے نہایت عالی شان حویلی تعمیر کرائی تھی۔ آگرہ میں رفیع الشان باغ اور اپنا مقبرہ بنوایا تھا۔ مشہور ہے کہ یہ مقبرہ بہت خوبصورت اور سنگ مرمر کا تھا اب نہ باغ موجود نہ مقبرہ باقی ہے صرف نہ خانہ اور چبوترہ کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں جو موضع کھتیہ کے سوانہ میں متصل پاگل خانہ واقع ہیں۔

باب نہم

عمارات جانب جنوب محلہ نائی منڈی چھاؤنی وغیرہ

مسجد میراں حسینی و مزار شاہ عارف حسینی

حضرت شیخ عارف حسینیؒ شاہ اسمٰعیل صفوی کے اولاد میں تھے۔ آپ بہت بڑے بزرگ اور عامل کامل تھے اور آپ نے بے انتہا ریاضت اور مجاہدے کئے تھے۔ آپ ہمیشہ جو کی جلی ہوئی سوکھی روٹی اور کڑوی گھاس کھایا کرتے تھے شریعت کے اتباع میں بڑے ثابت قدم اور بادشاہ تک کا کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ ہر چند اکبر بادشاہ نے اصرار کیا کہ کچھ نقد روپیہ یا جاگیر قبول کیجئے مگر آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ مجھے روپیہ کی کیا ضرورت ہے روپیہ اپنے اعدیوں کو دو کہ وہ بہت تباہ و خستہ حال ہیں۔ جب آپ حسب الطلب اکبر کی ملاقات کے واسطے آتے تھے تو بادشاہ ایک زرین پیالہ میں مشک و کافور اور بہت سی خوشبوئیں ڈالکر بطور تحفہ پیش کیا کرتا تھا۔ آپ کے خوارق عجیب و غریب اور نہایت تعجب خیز ہیں مثلاً اشرفیوں کی برابر کاغذ کے گول ٹکڑے کنڑے کے جلتی ہوئی انگیٹھی میں ڈال دیتے تھے اور اس میں سے اشرفیاں نکالکر سب حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیتے تھے۔ درختوں پر سے روپیہ اور اشرفیاں برسا دیتے تھے جاڑوں کے موسم کے میوے گرمیوں میں اور موسم گرما کے میوے جاڑوں میں منگوا دیتے تھے۔ اگر آپ کو کسی حجرہ میں بند کر کے مقفل کر دیا جاتا تھا تو خود بخود دوسری جگہ ظاہر ہو جاتے تھے آپ ہمیشہ منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے کسی وقت منہ نہ کھولتے تھے ایک مرتبہ شیخ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح شیرازی نے اکبر کے اشارہ سے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ اگر آپ اس نقاب کو منہ پر سے ہٹا لیں تو ہم بھی آپ کے

جمالِ مبارک کے دیدار سے مشرف ہوں آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ ہم فقیروں کو زیادہ مت ستاؤ۔ حکیم ابوالفتح کے مزاج میں شوخی اور گستاخی زیادہ تھی اُس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آپ کا نقاب اُتارنا چاہا اس پر آپ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ معاذ اللہ میں مجذوب اور معیوب نہیں ہوں لو میرا منہ دیکھ لو یہ فرما کر نقاب اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ حکیم تو نے میرا منہ تو دیکھ لیا مگر اس کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ دو ہفتہ کے اندر دیکھے گا چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ پورے دو ہفتہ نہ گذرے تھے کہ حکیم ابوالفتح نے یکایک اسہال کیدی میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔

آپ نے عرب و ایران اور تمام ہندوستان کی کشمیر و تبت تک سیاحت فرمائی اور ہر مقام پر بے انتہا خوارق آپ سے ظاہر ہوئے آخر کار ۱۰۵۹ھ میں بمقام آگرہ سفر آخرت اختیار فرمایا آگرہ میں جس مقام پر آپ کی خانقاہ واقع تھی وہاں اب ایک محلہ آباد ہے جو محلہ میراں حسینی کے نام مشہور اور نائی منڈی کے قریب واقع ہے۔ اس محلہ میں ایک مسجد کے اندر جو مسجد میراں حسینی کے نام سے موسوم ہے آپ کا مزار واقع ہے یہاں سالانہ عرس ہوتا ہے محلہ کی اراضی درگاہ اور مسجد کے اخراجات کے واسطے وقف اور کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے مزار ایک چبوترہ پر بنا ہے جس پر اب کوئی عمارت نہیں۔ مسجد کی عمارت بھی جدید معلوم ہوتی ہے اور مزارات کے تعویذ بھی جدید بنوائے گئے ہیں۔ مسجد کے اندر اور اُس کے قریب اور آبادی میں کئی پرانی قبریں موجود ہیں جن میں ایک مزار جو مسجد کے دروازہ کے قریب ایک چبوترہ پر واقع اور سید پہلوان کے نام سے مشہور ہے بہت قدیم معلوم ہوتا ہے اِس پر کتبہ بھی کندہ تھا جو اب پڑھنے میں نہیں آتا۔

مسجد لشکر خاں یا مسجد کچہری کلکٹری

لشکر خاں کا اصلی نام خواجہ ابوالحسن مشہدی تھا اکبر بادشاہ کے عہد میں اوّل شاہزادہ سلطان مُراد کا دیوان تھا اس کے بعد شاہزادہ سلطان سلیم (جہانگیر) کی سرکار میں ملازمت

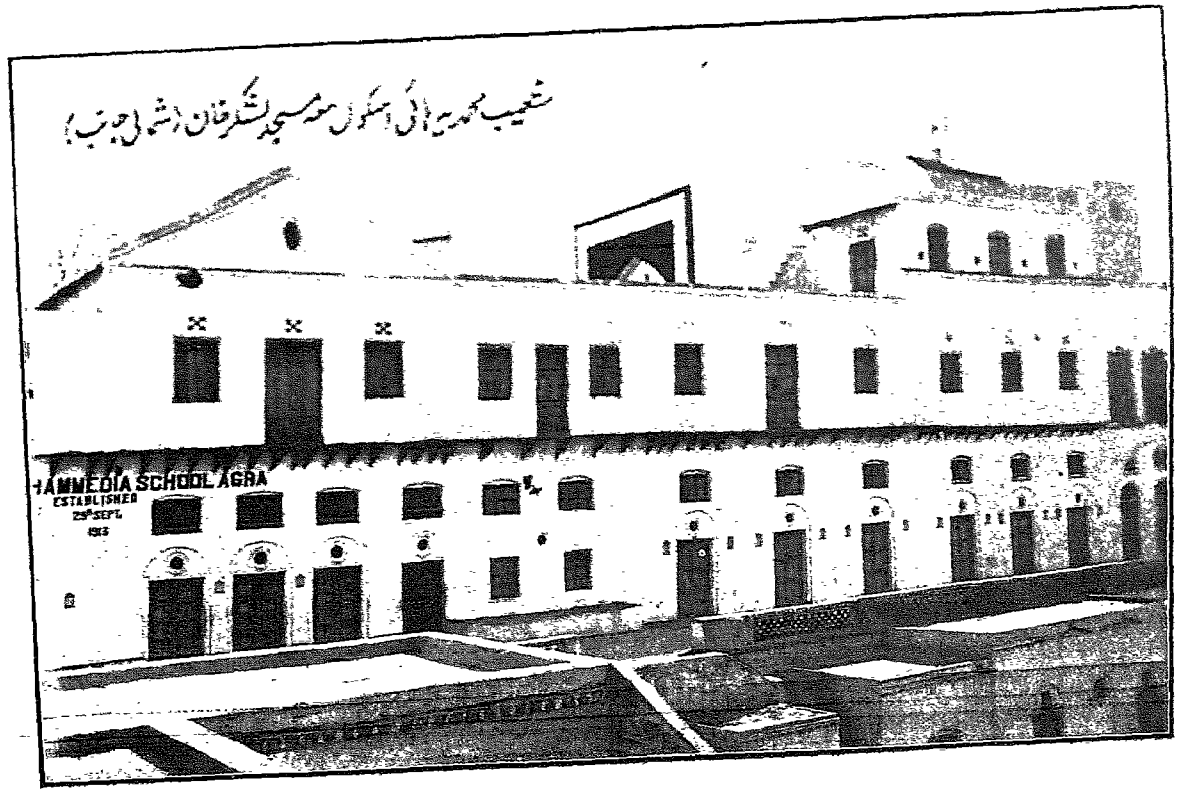
شعیب محمدیہ ہائی اسکول عقب مسجد لشکر خان (شمالی جانب)
AHMEDIA SCHOOL AGRA
ESTABLISHED
25th SEPT.
1913

اختیار کی۔ شاہزادہ موصوف نے تخت نشین ہو کر صوبہ کابل کا دیوان وبخشی مقرر فرما کر لشکر خاں کے خطاب سے مفتخر کیا۔ سنہ ۱۴ جلوس میں دار الخلافت آگرہ کا حاکم مقرر ہوا۔ شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر دس لاکھ روپیہ جو ایام شاہزادگی میں اس سے بطور قرض لئے تھے مرحمت فرما کر منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار پر سرفراز کیا اور صوبہ کابل کا صوبہ دار مقرر فرمایا۔ سنہ ۵ جلوس میں دہلی کی حراست پر مامور ہوا اور سنہ ۶ جلوس میں بوجہ ضعیفی پنشن مقرر ہو گئی اس کے بعد حج کے واسطے روانہ ہوا اور بعد زیارت حرمین شریفین اپنے وطن مشہد مقدس میں پہنچکر سرائے اور مسافر خانہ تعمیر کرایا آخر کار اسی جگہ وفات پائی۔ اس کے بیٹے سزاوار خاں اور لطف اللہ ہندوستان میں ملازمت شاہی میں رہے۔ موضع لشکر پور جس کے سوانہ میں کربلا اور درگاہ شاہ ابو العلی واقع ہے انہیں لشکر خاں کا آباد کیا ہوا ہے۔

حویلی لشکر خاں

جس جگہ اب کچہری کلکٹری واقع ہے یہاں لشکر خاں کی عالیشان حویلی بیس بیگہ اراضی میں واقع تھی جس کا رفیع الشان صدر دروازہ سنہ ۱۸۴۴ء تک موجود تھا۔ اب سوائے اس قدیم عمارت کے جس میں پہلے تحصیل اور اب سپرنٹنڈنٹ پولیس کا دفتر ہے یا مسجد کے کوئی اور پرانی عمارت باقی نہیں۔ اس عمارت میں شاہی زمانہ میں ٹکسال تھی لہذا یہ ٹکسال کے نام سے مدت تک مشہور رہی اور اس کے سامنے ڈریمنڈ روڈ پر جو نالہ کا پل سنہ ۱۸۲۳ء کا بنا ہوا ہے اس پل پر اسی عمارت کی مناسبت سے ٹکسال برج لکھا ہوا ہے۔ یہہ عمارت مع کچہری کلکٹری کے کل احاطہ کے درگاہ شاہ ولایتؒ کے اخراجات کے واسطے قدیم سے معاف چلی آتی ہے اور گورنمنٹ صرف ماہوار اس عمارت کا اور کچھ سالانہ اراضی کلکٹری کا کرایہ متولیان درگاہ مذکور کو ادا کرتی ہے

مسجد نالہ کے کنارہ پر واقع اور نہایت شاندار ہے اس کا طول و عرض ۷۵ فیٹ ۷ انچ × ۲۵ فیٹ ۵ انچ ہے۔ اس میں تین محرابیں اور چھت پر تین گنبد ہیں جو بہت خوش وضع اور خوبصورت ہیں۔ پیش طاق جو ۲۷ فیٹ چوڑا اور ۳۴ فیٹ بلند ہے بہت ہی خوشنما اور ایسا شاندار ہے کہ اس نے مسجد کی خوشنمائی کو دوبالا کر دیا ہے۔ مسجد کے در و دیوار اور محرابوں پر نہایت نفیس و

بے نظیر گلکاری کی ہوئی تھی اور حاشیوں پر رنگ برنگ کی بیلیں بنی تھیں۔ تمام نقش و نگار اور بیلیں چونے میں پچیکاری کر کے اور مختلف رنگوں کی پٹریاں مثل جیپی کے کام کے اس کے اندر جما کر بنائی گئی تھیں بعض جگہ ایسا باریک کام بنایا ہے کہ پتھر پر پچیکاری کا دھوکا ہوتا ہے۔ پھولوں کی پتیاں کئی کئی رنگ سے بنائی گئی ہیں افسوس کہ امتداد زمانہ اور کس مپرسی کی وجہ سے اس کا یہ تمام خوشنما کام تمیت و نابود ہو گیا صرف کہیں کہیں بطور نمونہ کسی قدر کام باقی رہ گیا ہے جو جدید مرمت کے وقت سفیدی کی کئی کئی تہوں کو کھرچ کر نکالا گیا ہے۔ مغربی دیوار کی جنوبی محراب پر دو جگہ اسی کام میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا برآمد ہوا ہے۔

مسجد کی عمارت کے آگے ۱۹ فیٹ چوڑا صحن ہے۔ اس کے بعد ۲۷ فیٹ ۶ انچہ لمبا اور ۲۲ انچہ چوڑا حوض ہے جو مولانا محمد شعیب ٹونکی نور اللہ مرقدہ کی یادگار میں ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں تعمیر کیا گیا ہے۔ بوستانِ اختیار اس حوض کی تعمیر کی تاریخ ہے اس حوض کے وسط میں ایک محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے

کسے کو شد بنام نیک مشہور پس از مرگش بزرگان زندہ دانند

التماس دعائے خیر

این حوضِ نفیس بیادگار محب قلبی مولانا محمد شعیب ٹونکی المتوفی ۱۰ شعبان ۱۳۳۱ھ نور اللہ مرقدہ کہ آں مرحوم بسعی بلیغ این مسجد کہنہ و ویران را از سرِ نو حیات تازہ بخشید و برائے تعلیم دینی در مسجد ہذا مدرسہ محمدیہ اجرا کرد از زمرہ توفہ آں مرحوم تعمیر نمود از جمیع صغیر و کبیر بصد عجز التماس دارم کہ روح پر فتوح آں مرحوم را از تحفۂ درود و فاتحہ مسرور و شاد کام کنند۔ اللھم اغفرہ مغفرۃ کثیرۃ و اجرہ اجرا عظیما۔

دستِ دعا دراز کن و فاتحہ بخواں بر آں غریق رحمتِ افضال ذوالجلال

عبد ذلیل سعید احمد کانپوری

رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

شمالی جانب سنگین خوشنما دروازہ ہے جو حسین خاں ولد رستم خاں کی عالی ہمتی کی یادگار اور ۱۹۰۹ء کا تعمیر شدہ ہے ۱۸۵۲ء میں اس مسجد میں صدر تحصیل آگرہ کا دفتر قائم ہوا ۱۸۵۷ء کے بعد سرکاری مطبع اور اس کے بعد چنگی کا مطبع رہا ۱۸۶۲ء میں یہہ مسجد واگذاشت ہوئی اور منشی عنایت علی خاں مرحوم مختار کلکٹری کی ہمت سے کسی قدر اسکی مرمت کی گئی لیکن چونکہ عمارت وسیع اور صدہا سال سے بے مرمت تھی اور تحصیل و مطبع کے زمانہ میں متعدد تغیر و تبدل اس میں ہو چکے تھے لہذا پوری مرمت کا انتظام نہ ہو سکا اور روز بروز اسکی حالت خراب ہوتی گئی - اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ آخرکار رحمت الٰہی جوش میں آئی اور تائید ایزدی نے چند غریب و گمنام بندوں کے ہاتھوں سے ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۰۹ء کو اسکی مرمت شروع کرادی جس کے اختتام کی یہہ تاریخ پیش طاق پر کندہ ہے ؎

بود لشکر خاں امیر شاہ اکبر محتشم — کرد این مسجد بنا از بسکہ بد عالی ہمم
گنبد و دیوار و در این مسجد زیبا مقام — ہست از آثار نایاب صنا و بدیع عجم
انقلاب دور دوراں ہم ز اوضاع فلک — جائے مطبع گشت جائے سجدہ گاہ محترم
نیک نیت بود بانی زاں سبب بعد از غدر — باز مسجد شد ز لطف شاہ والا محتشم
بست و ہفت و سہ صد و الف ہست از ہجری — ختم شد ترمیم آں در ماہ رمضان محترم
در مرمت ہر کہ شرکت کرد یارب غفور — بخش او را از رہ لطف و کرم باغ ارم

مسجد کے قرب جوار کی جدید عمارت میں شعیب محمدیہ ہائی اسکول - مدرسہ محمدیہ اور صغیر فاطمہ نسواں اسکول جاری ہیں -

درگاہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ

حضرت شاہ علاء الدین مجذوب قدس سرہٗ عرف شاہ علاول بلاول ابن سید سلیمان عام طور سے شاہ ولایت کے لقب سے مشہور ہیں تائی منڈی میں جس مقام پر آپ کی درگاہ واقع

ہے وہ محلہ بھی شاہ ولایت کے نام سے موسوم ہے اوائل حال میں آپ سامانہ دہلی اور چندے پانی پت میں طالبعلمی میں مشغول رہے اس کے بعد یکایک جذبہ پیدا ہوگیا اور حالت جذبہ میں آگرہ میں تشریف لاکر اوّل میر رفیع الدین صفوی کے محلہ میں مقیم ہوئے۔ اس کے بعد اس مقام پر جہاں اب درگاہ واقع ہے قیام فرمایا۔ آپ کے کشف و کرامات اور خوارق عادات کے بیان کے واسطے ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ والد ماجد (شیخ مبارک) ۶ محرم سنہ ۹۵۵ھ / ۱۵۴۳ء کو دارالخلافہ آگرہ میں آکر اترے اس معمورۂ دولت میں شیخ علاءالدین مجذوب سے کہ جو صفائح قلوب اور خفایائے قبور سے آگاہی رکھتے تھے صحبت کا اتفاق ہوا انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ سفر کا خاتمہ کرکے اسی شہر میں قیام کرو اور ایسی بشارتیں دیں کہ والد بزرگوار نے وہاں سے قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ آیندہ کا حال سب کو معلوم ہے کہ آپ کی بشارتوں کا کیا ظہور ہوا اور شیخ مبارک۔ ابوالفضل اور فیضی وغیرہ کس مرتبہ پر پہنچے۔ آپ کی زبان سے حالت مستی میں بھی کبھی قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف کوئی بات نہ نکلتی تھی صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ میرے چچا شیخ رزق اللہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میرے بچے گم ہوگئے میں اُن کے غائب ہوجانے کی وجہ سے سخت پریشان اور اس سوچ میں تھا کہ اُن کے ملنے کے واسطے قرآن مجید پڑھوں یا اسمائے الٰہی کا دور کروں یا خیرات بانٹوں اسی تردد میں شیخ علاءالدینؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر بلا کسی عرض حاجت کے فرمایا قرآن مجید ازہمہ افضل است فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ پس میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی جس کی برکت سے میرے بچے مل گئے۔

۱۷ ذیقعدہ سنہ ۹۵۳ھ / ۱۵۴۶ء کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخ

عارفِ راہ حق بعلم و یقیں — شاہ عالی نسب علاءالدین
ذات او بود سالک و مجذوب — بلکہ خود بود طالب و مطلوب
لفظ مجذوب باء علاءالدین — ضم کن و سال انتقالش بیں

آپ کے مزار عالی پر ایک گنبد بنا ہے جو آٹھ ستونوں پر قائم ہے اس پر سنہرا کلس نصب ہے گنبد کے اندر پانچ پھول بنے ہیں اور اطراف میں آیات قرآنی مرقوم ہیں ایک ستون پر تاریخ وفات لکھی ہے ؎

علاؤ الدین مجذوب آں خردمند — کزو گشتے روا مقصود و مطلوب
بناگہ شد نہاں از چشم مردم — چو نورے کو شود از دیدہ محجوب
چو گفتم جیبت تاریخ وفاتش — خرد گفتا۔ علاؤ الدین مجذوب

مسجد

مزار کے قریب ہی وہ مسجد واقع ہے جس کے دیکھنے کے واسطے بہت سے انگریز سیاح آیا کرتے ہیں اس مسجد کی تعمیر میں شاہ صاحب خود بھی شریک کار تھے۔ یہ ۴۶ فیٹ لمبی اور ۱۹ فیٹ چوڑی ہے جس میں تین محرابیں اور تین گنبد ہیں۔ نصف مسجد آپ کی دعا سے زمین میں دھنس گئی ہے جسکی نسبت مختلف روایتیں مشہور و منقول ہیں۔

درگاہ کے صحن میں کئی دالان بھی بنے ہیں اور بہت سی قبریں واقع ہیں کچہری کلکٹری کی اراضی کے علاوہ اس محلہ کی بہت سی اراضی درگاہ خانقاہ کے اخراجات کے واسطے وقف ہے اور ہر موم دھام سے سالانہ عرس ہوتا ہے شہر کے ہندو مسلمان سب اس درگاہ سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔

حکیم ذکا خاں

احاطہ درگاہ میں حکیم ذکا خاں و حکیم لقا خاں کی قبریں بھی ہیں جن کے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں یہ دونوں بھائی مہاراجہ مادھوجی سندھیہ دولت رائے سندھیہ کے ملازم تھے۔ حکیم ذکا خاں کے تعویذ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

ذکا خاں عالم قانون حکمت — کہ وادی عقل کل بر دست او بوس
شب آدینہ دلستم ز شوال — بعزم کوچ زد زیں کہنہ کوس
خرد گفت از سر افسوس تاریخ — شد از دنیا مسیح وقت افسوس

حکیم لقا خاں

حکیم لقا خاں کی قبر پر یہ تاریخ منقوش ہے ؎

بجنت بفردوس بریں رفت از جہاں — بوعلی ثانی لقا خاں محترم

کلک مشکیں سال وماہ وروز نقل شہر شوال و دو ۱۵ شنبہ ۱۲ زور قم

مقبرہ محمدؐ مجاہد شہید

محمدؐ مجاہد شہید کا مزار ایک خوشنما گنبد کے اندر واقع ہے جو درگاہ شاہ ولایت کے قریب واقع ہے۔ اب اس کے اطراف میں مکانات تعمیر ہو گئے ہیں اور گنبد درمیان میں آگیا ہے۔ گنبد کے اندر کلمہ طیبہ اور اللہ محمدؐ اور بیرونی محرابوں پر آیات قرانی مرقوم ہیں جنوبی محراب پر یہہ کتبہ تحریر ہے ؎

محمدؐ مجاہد جوانِ ہزبر — رہیرانِ دیریں چو اوکس ندید
گریزاں شدے رستم داستاں — چو در معرکہ تیغ کیں مے کشید
عدو دید چوں در کفِ او کماں — ہماں دم ز سر مرغ روحش پرید
بہ کف تیغ تیزش بروز نبرد — ..... سر برید
چو گوئی جوانِ بخوبی او — خدائے جہاں کم و گر آفرید
بسے آں جواں بود چوں نیکبخت — ازاں گشت در دست کافر شہید
رساندند باما درش ایں خبر — کشید آہ از دل گریباں درید
چو شد کشتہ ناگاہ تاریخ او — رقم کردہ خامہ۔ شہادت رسید

اس تاریخ سے واضح ہے کہ محمدؐ مجاہد نے اکبر کے زمانہ اور ۹۸۴ھ ۱۵۷۶ء میں شہادت پائی اب اس گنبد کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں اور تعویذ مزار بھی باقی نہیں ہے۔

مسجد محلہ اتھائیں

(عہد ابراہیم لودی)

محلہ اتھائیں میں جو شاہ ولایت کے قریب واقع ہے لب راہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس

جودہ عمارت محض معمولی ہے مگر اس کی مغربی دیوار میں جو کتبہ کندہ ہے اگر وہ اسی مسجد کا ہی یا آگرہ کی سب سے پرانی مسجد بھی جا سکتی ہے۔ یہ کتبہ خط نسخ و طغریٰ میں ہے اور اس کا ر حصہ دیوار میں دب گیا ہے جو کچھ پڑھا گیا وہ حسب ذیل ہے

لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ بتاریخ بست و یکم ماہ ذالحجہ سنہ ستہ و عشرین و تسعمائہ (۹۲۶ھ / ۱۵۲۰ء) در عہد سلطان ابراہیم شاہ ابن سکندر شاہ ابن بہلول شاہ لودی .... محمد ظفر ادی متعلق مجلس عالی ظفر خاں عرف میاں کلن این مسجد بنا کنانید۔ ہر کہ دریں مسجد نماز ارد باقی را دعائے ایمان و مغفرت .....“

مسجد اجمیری دروازہ

اجمیری دروازہ

بیکر باغ کے قریب ڈربیٹڈ روڈ (ٹھنڈی سڑک) سے جو سڑک شاہ گنج کو گئی ہے اس مقام پر شاہی زمانہ کا ایک دروازہ بنا ہوا تھا جو اجمیری دروازہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس دروازہ کے قریب جہانگیر کے عہد میں حاجی سلطان نام ایک سوداگر نے ایک مسجد و گنبد ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء میں بنوایا تھا۔ اب نہ مسجد باقی ہے نہ گنبد کا کوئی نشان رہا البتہ مسجد کا کتبہ موجود ہے جو نکو نیہ باغیچہ کی دیوار میں ایک قناتی مسجد کے نشان پر نصب ہے۔ اس پر آیت الکرسی کے نیچے یہ عبارت کندہ ہے ”بنا کرد ایں عصر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ ایں مسجد و گنبد بندۂ احقر حاجی سلطان در سنہ یکہزار سی و یک ۱۰۳۱

قبرستان پنج کیاں

پنج کیاں آگرہ میں خفتگانِ خاک کی سب سے بڑی اور قدیم بستی ہے جو محلہ نائی منڈی اور شاہ گنج کے درمیان میں واقع ہے۔ اس قدیم بستی میں ہزاروں لاکھوں۔ علما۔ فضلا حکما۔ شعرا۔ مشائخ۔ سیاح۔ مؤرخ۔ مصنف۔ امیر۔ غریب غرضکہ ہر درجے اور طبقے

کے لوگ علائق دُنیا سے پاک ہوکر بستر خاک پر اور گیتی کے آغوش میں آرام فرما رہے ہیں لیکن اس لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں دس بیس کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں حالات معلوم ہونا تو بڑی بات ہے۔

جن کے نقشِ پا کو رکھتی تھی زمیں سر پر سنبھال — تربتوں میں خاک آلودہ ہیں وہ عالی گہر
نام اُن کا کوئی لب بھولے سے بھی لیتا نہیں — جن کے دروازوں پہ ٹکا بجتا تھا شام و سحر
تھا مگس کا بیٹھنا بھی تن پہ جن کو ناگوار — فرق پر جن کے ہلایا کرتے تھے خادم چنور
خاک میں مر کر ملے افسوس وہ عالی دماغ — اب نشانِ قبر بھی اُن کے نہیں آتے نظر

اس وسیع شہر خموشاں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا جس میں صدہا سنگین و پختہ قبریں سیکڑوں چبوترے بیسیوں بارہ دریاں اور مسجدیں وغیرہ بنی ہوئی ہیں۔ اکثر قبروں کے سنگ مزار کی صفائی و منبت کاری زبان حال سے گویا ہے کہ ہم ذی مرتبہ لوگوں کی آرامگاہ ہیں مگر لوح مزار علی العموم نقشِ مدعا سے خالی ہیں۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں قبریں اپنی پائداری اور چونہ کی مضبوطی سے تین تین چار چار سو برس کی عمروں کا اظہار کر رہی ہیں لیکن سب پر مہر سکوت کا عالم ہے۔ قدیم مقابر میں صرف تین چار قبروں پر کتبہ ہے جن کا حال ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

مزار حضرت ابو الفتاح رح

اس وسیع قبرستان میں سب سے زیادہ آپ کے مزار کا اعتقاد لوگوں کو گرویدہ کئے ہوئے ہے۔ کسی تاریخ میں آپ کا حال نظر سے نہیں گذرا مگر آپ کے کمالات اور بزرگی کے متعلق بہت سی زبانی روایتیں مشہور ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ آپ نے چھ سات حج ادا فرمائے تھے آپ کا مزار گوشہ جنوب و مغرب میں ایک بلند چبوترہ پر واقع اور نہایت پر فضا منظر رکھتا ہے کئی درخت مزار پر سایہ کئے ہوئے ہیں مزار کا تعویذ اور لوح مزار منقش ہیں تعویذ کے سینہ پر کلمہ طیبہ اور اطراف میں آیت الکرسی منقوش ہے تعویذ کے دونوں طرف بلند لوح مزار نصب ہیں۔ بالیں لوح پر

کلمہ طیبہ اور آیات قرآنی اور پائیں پر یہہ عبارت کندہ ہے "بتاریخ یازدہم شوال سنہ نہصد ہفتاد و ہشت ہجری (۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) رحومی مغفوری ابو الفتاح ابن باری سلطان در آغاز جوانی ازیں عالم فانی برحمت حق پیوست" یہ باعی

اے شمع دو دیدۂ جہاں افروزم — رفتی دور فراق تو شب شد روزم
گویا من و تو دو شمع بودیم بہم — کہ آیام تُرا بکشت من می سوزم

کتبہ عبد الہادی

اس چبوترہ پر کئی قبریں ہیں اور حافظ عبد الکریم صاحب مرحوم اور اُن کے والد ڈاکٹر وزیر الدین صاحب بھی اسی جگہ مدفون ہیں لہذا چبوترہ کے ارد گرد حافظ عبد العزیز صاحب تحصیلدار برادر حافظ عبد الکریم مرحوم نے ایک سنگین مقبرہ بنوا دیا ہے۔

مزار شیخ محمد عارفؒ

حضرت شیخ محمد عارفؒ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ کے ایک بزرگ تھے۔ آپ کا مزار مشرقی جانب اُس حصہ میں جو پختہ سڑک کے قریب ہو واقع ہے۔ مزار کا تعویذ سنگ سرخ کا ہے جس پر بخط نستعلیق یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

چوں محمد عارف غفراں پناہ — جامۂ تن در رہ حق بود و شق
سال تاریخش شنیدم از خرد — عارف حق نیک و اصل شد بحق

(۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء)

مزار ابو الفتح شہید

یہ مزار گوشہ جنوب و مشرق میں واقع ہے کھیت کے درمیان میں ایک چبوترہ پر پانچ چھ قبریں برابر برابر بنی ہیں ان میں جنوبی جانب کی آخری قبر پر نہایت خوبصورت اور پائدار لوح نصب ہے جس پر آیات قرآنی کے نیچے یہہ تاریخ منقوش ہے ؎

هزار افسوس از مرگ ابوالفتح — که داغش یک جهان ردم فرود
به باغ عدن از دست شهادت — در رحمت بروئے خود کشیده
چو چشمش خفت تاریخ وفاتش — بگفتا با تنم مظلوم بوده

۱۵ محرم پنجشنبه سنہ ۱۰۳۳ھ (سنہ ۱۶۲۳ء)

مغزی خاں کا گمٹ (گنبد)

قبرستان بیگم کیاں کی یہ سب سے زیادہ خوشنما عمارت ہے جو ایک ہشت پہل وسیع چبوترہ کے وسط میں بنی ہے جس کا ہر ضلع ۳۵ فیٹ اور بلندی ۲ ½ فیٹ ہے۔ اندر سے یہ گنبد مربع ہے جس کا ہر ضلع ۱۶ فیٹ ۱۰ انچہ اور باہر سے مثمن ہے جس کا ہر ضلع ۱۵ فیٹ ہے چاروں طرف ایک ایک دروازہ اور بیرونی جانب ۸ بڑی بڑی محرابیں ہیں۔ اندرونی جانب محرابوں کے دونوں گوشوں پر دو دو جگہ دائروں کے اندر چونے پر نہایت خوشخطی سے کلمہ طیبہ مرقوم ہے۔ دروازوں کے درمیان میں دو دو طاق ہیں جن کی محرابوں کے آس پاس اسی طرح خوشنما دائروں کے اندر یا فتاح تحریر ہے۔ گنبد کے اندر چھت پر بہت بڑا اور خوبصورت دائرہ بنا ہے جس میں نہایت نفیس نقاشی کا کام تھا۔ محرابوں کے اوپر بھی خوشنما بیلیں چونے میں بنی ہوئی تھیں چونکہ صدیوں سے اس گنبد میں سیل ہوتی رہتی ہے اور کھانے پکائے جاتے ہیں لہذا اندر کے تمام بیل بوٹے سیاہ ہو رہے ہیں۔ جنوبی محراب میں چھت پر جانے کے واسطے زینہ بنا ہے گنبد کے نیچے چھ قبریں بنی ہیں۔ صاحب مقبرہ کا اصلی نام گوشہ گمنامی میں ہے مگر سخاوت و دریا دلی کی اکثر روایتیں مشہور ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ جب صاحب مقبرہ اپنی زندگی میں اپنا یہ مقبرہ تعمیر کرا رہے تھے ولایت سے ایک عطر فروش بادشاہ کے واسطے نفیس و نایاب عطر لیکر آیا تھا مگر کسی وجہ سے دربار شاہی میں عطر نہ خریدا گیا عطر فروش سخت پریشان و رنجیدہ خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے یہ حال سنکر اس کا سب عطر منہ مانگی قیمت پر خرید کر کے چونہ میں ڈلوا دیا

جس سے مدت مدید تک یہہ مقبرہ معطر رہا۔ کیا عجب ہے کہ یہہ غازی خاں بدخشی کا مقبرہ ہو جو اکبری عہد کا مشہور امیر تھا اور غازی خاں سے مغزی خاں ہو گیا ہو۔

مزار نواب عبدل شاہ غازی

ڈریمنڈ روڈ قبرستان تیج کیاں اور سڑک پولیس لین کے درمیان میں محلہ دھاکڑان کے قریب نالہ میں یہہ مزار واقع ہے جو ایک وسیع و بلند پختہ چبوترہ پر بنا ہوا ہے۔ اس کا گنبد پٹھانی طرز کا ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ چبوترہ پر کئی نیب کے درخت سایہ کئے ہوئے ہیں اگرچہ اب یہہ گنبد و چبوترہ بہت شکستہ حال ہو رہا ہے مگر اس مقام پر فیض و برکت کے آثار نمایاں ہیں اور یہاں کا منظر کچھ ایسا دلکش و خوشنما ہے کہ یہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔ صاحب مزار کے اصلی نام و تاریخی حالات کا باوجود تحقیقات بسیار کچھ پتہ نہیں چلا مگر اس مزار سے لوگوں کو خاص عقیدت ہے اور برابر فیض جاری ہے۔ پرانے بخار کے واسطے لوگ یہاں کی اینٹ اٹھا کر مکان پر لیجاتے ہیں اور بعد صحت ملیدہ (مالیدہ) پر آپ کی نیاز دلاتے ہیں۔

چبوترہ کے قرب و جوار میں کھیتوں کے اندر کئی سنگین تعویذ پڑے ہیں جن میں پانچ تعویذوں پر یہہ نام کندہ ہیں آقا محمد باقر ولد آقا علی رضا ۱۰۹۶ھ۔ آقا محمد طاہر ولد آقا علی رضا۔ اسد اللہ عرف مرزا ولد لہ ۱۰۹۳ھ ہوری بنت سلطان میرزا۔ محمد باقر ۱۰۷۰ھ۔ یہ محمد طاہر عالمگیر کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر سرفراز۔ توپ خانہ شاہی کا افسر اعلیٰ اور صف شکن خاں کے خطاب سے موصوف تھا۔ ۱۰۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

مرزا محمد طاہر صف شکن خاں

آقا محمد باقر ولد علی رضا یہہ بھی امرائے عہد عالمگیری سے تھے دوشنبہ کے دن ۲ شوال ۱۰۹۶ھ کو وفات پائی تاریخ وفات یہہ ہے

محمد باقر

دوم بود از مہ عید دوشنبہ — کہ آقا باقر از دنیا برآمد
ملک تاریخ فوتش بر فلک گفت — بادج خلد آقا باقر آمد

عیدگاہ

محلہ کٹ گھر میں عیدگاہ کی عالیشان عمارت واقع ہے اس کی خشتی چاردیواری کی لمبائی ۵۷۰ فیٹ اور چوڑائی ۵۳۰ فیٹ ہے چاردیواری کے چاروں گوشوں پر سنگین برج بنے تھے جن میں اب صرف مغربی برجوں کی نمود باقی ہے۔ تینوں ضلعوں میں ایک ایک دروازہ اور مغربی ضلع کے وسط میں سنگ سرخ کی سات در کی مسجد بنی ہے جس کی لمبائی ۱۴۹ فیٹ اور چوڑائی ۴۰ فیٹ ہے۔ چھت پتھر سے پٹی ہے جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک مثمن برج اور پیش طاق پر دو برجیاں بنی ہیں۔ مسجد کے شمال و جنوب اور مشرق میں وسیع چبوترے بنے ہیں۔ اس عیدگاہ کو اکبر بادشاہ نے چالیس دن کے عرصہ میں تعمیر کرایا تھا۔ سنہ ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء نواب کلب علیخاں مرحوم جنت آشیاں والئی رامپور نے اسکی مرمت کرائی تھی چنانچہ مسجد کے شمالی چبوترہ پر زینہ کے قریب ایک پتھر پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

معدنِ جود و کرم نواب عالی بارگاہ — حضرتِ کلب علیخاں سرورِ انجم سپاہ
ساختہ ایں عیدگاہ ہے کو ز عہدِ اکبری — بود کہنہ تر لسانِ پیر چرخ دداغ ماہ
اہتمام او گزیدہ بر خودش صدر الصدور — عیدِ قیوم است نامِ حاکمِ عالم پناہ
مصرعِ تاریخ ہجری خامہ فکرت نوشت — تا قیامت باد لطفِ جلوہ ایں عیدگاہ

سنہ ۱۲۹۳ ھجری

چبوتروں کے نیچے وسیع صحن ہے اور ایک حوض بھی بنا ہوا ہے۔

مرزا سید محمد معروف قادریؒ

سید محمد معروف قادریؒ اکبرآباد کے مشائخین عظام سے ہیں۔ آپ کا مزار شریف عیدگاہ کے جنوب و مغربی گوشہ کے برج کے نیچے ایک چاردیواری کے اندر واقع ہے جنب

کے تین درخت مزار پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کی تاریخ وصال کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری مگر آپ کا عرس ماہ ربیع الثانی میں ہوتا ہے۔ مزار نہایت بافیض اور پُر فضا ہے۔

مزار شاہ عبدالرحمٰن قادریؒ

شاہی زمانہ میں چار سو پچاس بیگہ سولہ بسوہ اراضی میں اُمرائے ہفت ہزاری کے محلات بنے ہوئے تھے وہ اراضی اب تک مٹیا محل کے نام سے مشہور اور تھانہ رکاب گنج کے قریب واقع ہے۔ اس اراضی میں اب کاشت ہوتی ہے اور بنگلہ جات تعمیر ہو گئے ہیں۔ درمیان میں ایک قبرستان اور تین در کی چھوٹی سی مسجد بنی ہے جس کے قریب شاہ عبدالرحمٰن قادری کا مزار واقع ہے جو اکبر آباد کے مشاہیر اولیا اور صاحب خوارق عادات اور کرامات سے تھے۔ آپ کا عرس اب بھی ہوتا ہے اور مصارف کے واسطے چک اوّل میں للعبہ اراضی ۹۲ بسوہ سے معاف چلی آتی ہے۔

حمّام الہ وردی خاں

الہ وردی خاں جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ کا ایک مشہور و معروف پنجہزاری سردار تھا جس کا سلسلہ نسب سلطان سنجر سلجوقی تک پہنچتا ہے اُس نے جہانگیر کے عہد اور ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء میں آگرہ میں ایک عالیشان و بے نظیر حمّام تعمیر کرایا تھا جو محلہ چھیلی ٹولہ میں لب سڑک پختہ واقع ہے۔ یہ حمّام اس صفت سے بنایا گیا تھا کہ اس میں خود بخود پانی گرم ہو جاتا تھا مشہور ہے کہ انگریزی زمانہ میں اس صنّاعی کی تحقیقات کے واسطے اُس درجہ کو کھود آگیا تھا تو اُس کے نیچے ایک جلتی ہوئی بتّی برآمد ہوئی جو ہوا لگتے ہی فوراً گل ہو گئی۔ پھر ہر چند اُسے جلایا گیا مگر وہ روشن نہ ہوئی۔ اب اس حمّام کے اندر آبادی ہے اور ایک دروازہ[۱] پر بخط نستعلیق

[۱] اب اس دروازہ کی محراب بند کر دی گئی ہے اور کتبہ اندر آکر نا معلوم ہو گیا۔

یہہ کتبہ کندہ ہے۔

در ایام شہنشاہ جہانگیر	کہ می زیبد بہ او عالم پناہی
بشہر آگرہ دار الخلافت	کہ باشد پائے تختِ بادشاہی
بخیر الہ وردی خاں بنا کرد	چنیں پاکیزہ حمامے کہ خواہی
صفائش رو برد با روئے خورشید	فضائش تا فلک دربارگاہی
ز موج آب و عکس قرص گلجام	ہمیشہ حوض او پر ماہ و ماہی
پئے تاریخ بنیادش دلم را	بغسل فکر شسم از سیاہی
گرفتم دامنِ پاکان و گفتم	بنائے خیر حمامے مُباہی

مسجد الہ وردی خاں

حمام کے قریب یہہ عالیشان سنگ سرخ کی مسجد واقع ہے جو اب کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے اسکی قدیم چھت اور ستون و محرابیں سب منہدم ہوگئیں صرف شمال و جنوب اور مغربی دیواریں باقی رہ گئی تھیں اب کمیٹی نے اس کو از سر نو تعمیر کرایا ہے اس مسجد کے نیچے تہ خانے اور مشرقی جانب لبِ سڑک دوکانیں بنی ہیں دروازہ بھی قائم ہے۔ یہہ مسجد ۲۵ ½ فیٹ لمبی اور ۲۸ فیٹ چوڑی تھی جس میں ۵-۵ محراب کے دالان در دالان تھے۔ مغربی دیوار میں پانچ اور شمالی و جنوب میں دو دو محرابیں بنی ہیں۔

گنبد عہد شاہجہانی

یہ گنبد شاہ گنج کے قریب موضع بھوگی پورہ کے سوانہ میں سڑک پختہ سکندرہ و ریلوے سڑک کے درمیان میں واقع ہے جس کے اندر ایک کاشتکار آباد ہے۔ اس کے اندر سنگین قبر موجود ہے اور شمالی دیوار پر درمیان میں کلمہ طیبہ اور اردگرد اللہ محمد۔ ابوبکر عمر عثمان علی

کے نیچے کارفرما میر محمد الحسینی غفرلہٗ شہر رجب ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء) دو جگہ چونہ پر گلکاری کے درمیان میں مرقوم ہے اس کا اندرونی درجہ مربع ہے جس کا ہر ضلع ۱۵ فیٹ ۲ انچ ہے۔ چبوترے کی اینٹیں لوگ نکالکر لے گئے۔

مقبرہ جودھا بائی

جودھا بائی کو عام طور سے سب لوگ اکبر کی بیگم اور جہانگیر کی ماں سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جہانگیر کی بیگم اور شاہجہاں کی ماں تھی ان کا اصلی نام مان متی اور خطاب جگت گسائین تھا۔ یہ راجہ اودے سنگھ عرف موٹا راجہ ولد راجہ مالدیو راٹھور والی ماڑواڑ (جودھپور) کی بیٹی تھی۔ ۹۹۴ھ/۱۵۸۵ء میں ایام شاہزادگی میں جہانگیر کے ساتھ شادی ہوئی اکبر معہ امرائے دربار اور بیگمات کے راجہ کے مکان پر گیا۔ وہیں مجلس عقد منعقد ہوئی اور اسلامی اور ہندوانی دونوں مذہب کی رسومات ادا کی گئیں۔ ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء یا ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء میں اسی کے بطن سے شاہزادہ خورم (شاہجہاں) پیدا ہوا[1] ۳۰ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء کو اس نے وفات پائی۔ اکثر مورخین نے غلطی سے جودھا بائی اور مریم الزمانی کو ایک ہی خیال کیا ہے حالانکہ مریم الزمانی جہانگیر کی ماں اور راجہ بھارامل والئی آنبیر کی بیٹی تھی جس کا حال مناسب موقع پر بیان ہو چکا ہے۔

جودھا بائی نے آگرہ میں ایک محلہ سہاگ پورہ آباد کیا تھا اور اس میں اپنا مقبرہ اور عمدہ عمدہ عمارتیں تعمیر کرائی تھیں اب نہ محلہ رہا نہ مقبرہ باقی ہے۔ البتہ وہ مقام اب تک جودھا بائی کے نام سے مشہور اور موضع بھوگی پورہ اور سرائے خواجہ کے درمیان میں چاندماری کے قریب واقع ہے اصل مقبرہ کی عمارت مربع تھی جس کا ہر ضلع ۷۸ فیٹ تھا۔ گورنمنٹ نے ۱۸۳۲ء میں اس کو منہدم کرا کر بارگیں بنوائیں تھیں چند عرصہ کے بعد وہ بھی منہدم کرا دی گئیں۔ مقبرہ کے گنبد کے جو آثار باقی رہ گئے تھے وہ بھی عرصہ ہوا کھد گئے اب ہمارا جہ

[1] ثزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ ۸ و اکبرنامہ و دربار اکبری وغیرہ

بردوان نے اس جگہ بطور یادگار ایک مختصر سنگین چھتری بنوادی ہے جس پر ایک کتبہ بھی کندہ کرادیا ہے۔

مقبرہ زین خاں

خواجہ سرائے کی آبادی سے مغربی جانب تھوڑے فاصلہ پر ایک چبوترہ پر برابر تین قبریں واقع ہیں جن میں درمیانی قبر زین خاں کے نام سے مشہور ہے۔ ان قبروں پر پیشتر عالیشان گنبد بنا ہوا تھا جو مدت ہوئی کہ منجانب نزدل نیلام ہوکر گھد گیا۔

زین خاں کوکہ پیچہ جان اکبر بادشاہ کی آتا (دودھ پلائی یا انگہ) اور خواجہ مقصود علی ہروی کا بیٹا اور اکبری عہد کا مشہور و معروف پنجہزاری امیر تھا۔ یہ کبت اور راگ کا شیفتہ اور اکثر ساز خود بجاتا تھا۔ موزوں طبع بھی تھا یہ شعر اس کا مشہور ہے ؎

آرامشم نمید ہد ایں چرخ کج خرام　　تا رشتۂ مراد بسوزاں در آورم

زین خانہ

اس نے آگرہ میں ایک باغ اور ایک رفیع الشان حویلی تعمیر کرائی تھی جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا لیکن وہ مقام جہاں اب ایک محلہ آباد ہے اب تک زین خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ جب یہ حویلی بن کر آراستہ ہوگئی تو اس تکلف اور دھوم دھام سے بادشاہ کی ضیافت کی گئی کہ سب امیر دنگ رہ گئے۔ شاہانہ طرز سے جو نہایت قیمتی اور اس زمانہ میں کمیاب تھے ایک طول وطویل چبوترہ آراستہ کیا تھا۔ اس کے آگے تین حوض تھے جن میں ایک گلاب یزدی دوسرا رنگ زعفران اور تیسرا ارگجہ سے پر کیا گیا تھا ایک ہزار طوائفیں ان حوضوں کے اندر اور اطراف میں گانے بجانے میں مشغول تھیں۔ شیر و شکر کی نہریں جاری اور تمام صحن میں آبپاشی کی جگہ گلاب پاشی کی گئی۔ جب بادشاہ تشریف لائے تو بے نظیر جواہرات اور مرصع آلات اور فیلان نامی پیشکش کئے گئے۔

زین خاں کوکہ نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی لیکن درمیانی قبر پر جو زین خاں کے

نام سے مشہور ہے سنہ اربع وتسعین وتسعمائۃ یعنی سنہ ۹۹۴ھ کندہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہہ زین خاں کی قبر نہیں ہے۔ اس کے برابر مشرقی جانب جو قبر ہے اس کے پائیں پر "ایں قبر از ضعیفہ بیچہ کل درستہ یکہزار ویازدہم رحلت نمود" کندہ ہے اس لفظ بیچہ سے جس کے اب نکتے باقی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بیچہ جان زین خاں کی ماں کی قبر ہے پس کیا تعجب ہے کہ دوسری یعنی درمیانی قبر زین خاں کے باپ خواجہ مقصود علی کی ہو اور چونکہ مقبرہ تعمیر کردہ زین خاں تھا لہذا اب تک اسی کا نام مشہور چلا آتا ہو۔ اس چبوترہ کے اس پاس دس بارہ سنگین تعویذ اور بھی پڑے ہیں ممکن ہے کہ انھیں میں کوئی تعویذ زین خاں کا بھی ہو یہ تینوں تعویذ منقش اور بہت خوبصورت سنگ سرخ کے ہیں۔ مشرقی تعویذ پر سرہانے اللہ کافی اطراف میں آیت الکرسی۔ اوپر درمیان میں تختی پر یا فتاح۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ اور گوشوں پر تینوں قل اور العبد سید عالم اور پائنتی پر ایں قبر از ضعیفہ بیچہ کل درستہ یکہزار ویازدہم رحلت نمود کندہ ہے۔

درمیانی تعویذ کے بالیں پر بسم اللہ۔ اطراف میں آیت الکرسی سینہ پر کلمہ طیبہ اور یا فتاح اور پائیں پر سنہ اربع وتسعین وتسعمائۃ (یعنی سنہ ۹۹۴ھ) اور اوپر گوشوں پر یہہ اشعار کندہ ہیں ؎

قبرم ز بعد مرگ دیراں خوشتر است ۔۔۔ نامرادی ہمچو من با خاک بنہاں خوشتر است

آنکہ ہرگاہ سبزہ در بستان ۔۔۔ بدمیدی چہ خوش شدی دل من

گذرے دوست تا بوقت بہار ۔۔۔ سبزہ بینی دمیدہ از گل من

بعد صد سال اگر بر سر خاکم گذری ۔۔۔ پارہ سازم کفن و زندگی از سر گیرم

بگشائے تربتم را بعد از ..... بنگر ۔۔۔ کہ آتش در دلم دود از کفن برآید

چہ بندی دل دریں دنیا کہ روزے چند مہمانی ۔۔۔ کہ ناگہ وقت مرگ آید خوری بر دم پشیمانی

نیاری باد از مردن کہ روز مرگ پیش است ۔۔۔ چہ مغروری دریں دنیا مگر مردن نمیدانی

یکے اندیش کن بنگر کیاں بودند در دنیا ۔۔۔ کجا رفتند آں یاراں کہ بودند قوتش جانی

نہ اندیشی ازاں ساعت کہ درگورت فرود آنند　　عزیزاں جملہ باز آیند لوتنہا در آں مانی

تیسری یعنی مغربی جانب کی قبر کے تعویذ پر بعینہٖ یہ ہی آیات اور اشعار مرقوم ہیں صرف پائیں پر فی شہر ربیع الاول سنہ الف (سنہ ۱۰۰۰ھ) کندہ ہے۔ چبوترہ کے قرب وجوار میں جو تعویذ پڑے ہیں اُن میں ایک تعویذ جو مغربی جانب کھیت کی مینڈ پر رکھا ہے منقش اور بہت خوشنما ہے اس پر بھی بسم اللہ۔ کلمہ طیبہ آیت الکرسی اور تینوں قل کندہ ہیں اور پائیں پر "ایں مزار ضعیفہ گلعذار بتاریخ ہشتم جمادی الاول سنہ یکہزار شصت و دو (سنہ ۱۰۶۲ھ) رحلت نمود" لکھا ہوا ہے۔

باغ نُور منزل یا ڈیرہ باغ

چاہ کمال خاں

یہ باغ پلپورہ اور کھیراگڈھ کی سڑک پر آگرہ کنٹونمنٹ ریلوے اسٹیشن اور موضع رسولپور کے قریب واقع ہے جس کا بادن ۵۲ پیرہ عالی شان کنواں کمال خاں کے کنوئے کے نام سے مشہور اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا زیارت گاہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کمال خاں قصبہ باڑی ریاست دھولپور کا باشندہ اکبر یا جہانگیر بادشاہ کا ایک فیلبان تھا جو کسی طرح ایک دن مع اپنے ہاتھی کے اس کنوئے میں غرق ہوگیا اور کچھ ایسا اپنا کمال دکھا گیا کہ اب تک ہزاروں لاکھوں دیہاتی ہندو مرد عورت دور دور سے آکر کمال خاں کی نذر میں کوڑی پیسے۔ دوانّی۔ چوانّی۔ روپیہ پیسہ وغیرہ اس کنوئے میں پھینکتے ہیں متمول لوگ چاندی کا چھوٹا سا ہاتھی بنوا کر اس میں ڈالتے ہیں۔ ہر جمعرات کو معمولی اور سال میں ایک مرتبہ بہت دھوم دھام سے یہاں میلہ لگتا ہے جس میں لوگ دور دور سے آکر شریک ہوتے ہیں کنوئے کے قریب باغ کی باقیماندہ پرانی عمارت میں کمال خاں کی درگاہ بھی بنالی گئی ہے۔ کنوئے پر بھی چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔

اس باغ کو سنہ ۱۰۲۷ھ میں نورالدین جہانگیر بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا جو نمونۂ فردوس بریں اور آگرہ کا سب سے زیادہ خوبصورت عالیشان اور سرسبز و شاداب باغ تھا جس میں شاہی

محلات کے علاوہ ایوان خاص وعام۔ ساون۔ بھادوں اور بہت سے حوض ونہریں بنائی گئی تھیں۔ بادشاہ کا جب دارالخلافت سے کہیں کوچ ہوتا تھا اُس وقت اور نیز واپسی کے وقت پہلا اور اخیر مقام اسی باغ میں ہوتا تھا اسی وجہ سے اس کا نام ڈیرہ باغ مشہور ہوگیا اب اِس میں زراعت ہوتی ہے اور سوائے ایک شکستہ عمارت کے جس میں کمال خاں کی درگاہ واقع ہے یا چند شکستہ حوض وچبوتروں کنوؤں کے اور کوئی قدیم عمارت باقی نہیں رہی۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں اس باغ کا حال بواقعات سنہ ۱۳ جلوس اس طرح لکھا ہے۔

چوں تعریف باغ نور منزل وعمارات کہ بنا زگی احداث یافتہ مکرر بعرض رسیدہ بود روز دوشنبہ برہارگی شوق سوار شدہ در باغ بوستاں سرا منزل گردیدم روز سہ شنبہ دراں گلشن دلکشا بعیش وفراغت گذرانیدہ شب کم شنبہ (چہار شنبہ) باغ نور منزل بورود موکب مسعود آراستگی یافت ۳۳۰ ایں باغیست مشتمل بر سیصد وسی جریب بہ گزالہی ودر آں را دیوار عریض ورفیع از خشت پختہ آھک ریختہ برآوردہ در غایت استحکام ودر میان باغ عمارت عالی ونشیمن گاہ بہ تکلف وحوضہائے لطیف ساختہ شدہ ودر بیرون دروازہ چاہ کمانے (چاہ کمال خاں) ترتیب یافتہ کہ سی و دو جفت گاؤ متصل آب می کشند وشاہ جوئے در میان باغ درآمدہ بہ حوضہا میریزد وغیر ازیں چندیں چاہ دیگر است کہ آب آنہا بحوض ہا وچمن ہا تقسیم می باید بہ انواع واقسام فوارہ وآبشار زینت افزودہ وتالابے در میان حقیقی باغ واقع است کہ بہ آب باراں پُر میشود اگر احیاناً در شدت گرما آب آں رود بکمی نہد از آب چاہ مردمیر سانند کہ پیوستہ لبریز باشد قریب یک لک وپنجاہ ہزار روپیہ تا حال صرف ایں باغ شدہ وہنوز ناتمام است ومبلغہا بساختن خیابانہا ونشانیدن نہال ہا صرف خواہد شد۔ منشی چندر بھان میر منشی دارا شکوہ نے شاہجہاں کے عہد میں اس کی نسبت لکھا ہے کہ در سواد شہر اگرچہ باغات سرسبز وشاداب مشتمل بر عمارات عالی واقع شدہ لیکن باغ نور منزل عرف بہ دیرہ کہ متعلق سرکار بادشاہیست بمقتضائے طول وعرض وطراوت ونظارت وسرابی وشادابی وحسن عمارت وتالابہا وحوضہا ونہرہا وجویہا ودیگر خصوصیات نظیر خود

مزار نواب آغر خاں شہید

آغر خاں کا اصلی نام پیر محمد تھا یہ قوم آغر سے تھے جن کا سلسلہ نسب یافث بن نوح علیہ السّلام تک پہنچتا ہے۔ یہہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ کے نہایت شجاع و شیر دل امیر تھے جنہوں نے اکثر مہمات میں اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے تھے ۳۵ جلوس میں جبکہ یہ صوبہ کابل میں متعین تھے حسب الطلب بادشاہ کی خدمت میں دکن کو جا رہے تھے کہ اکبر آباد کے قریب جاٹ ڈاکوؤں نے ایک سادات کے قافلہ کو جو حج کے واسطے جا رہا تھا لوٹ لیا۔ یہہ حال سُنکر اُنہوں نے ڈاکوؤں کے دیہات پر حملہ کیا اور بہت سے سادات کو ان کفّار کی قید سے چھوڑا کر دوسری گڈھی پر حملہ آور ہوئے اسی عرصہ میں ایک گولی سے آپ نے شہادت پائی یہہ واقع ۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۰ء کا ہے آپ کا مزار آگرہ کنٹونمنٹ (آگرہ روڈ) ریلوے اسٹیشن کے قریب سڑک ملپورہ سے جنوبی جانب ایک چبوترہ پر واقع ہے جو اب حدود ریلوے میں آگیا ہے۔ چبوترہ پر نیب کے تین چار درخت سایہ کئے ہوئے ہیں۔ لوح مزار پر ایک طرف آیت الکرسی اور دوسری جانب یہہ عبارت کندہ ہے "بتاریخ سال یکہزار و یکصد و دواز ہجرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ خاں غفراں نشاں نواب آغر خاں از صوبہ کابل بموجب فرمان بادشاہ عالمگیر بہ ہندوستان روانہ شدہ در سرائے جاجمو رسید۔ دور پیشتر مردم قافلہ سادات کہ بہ حج میرفتند کفّار آنہا بغاوت بردہ اسیر کردہ بودند چوں ہمت عالی ایں دیندار غازی مصروف در تقویت دین سید المرسلین بود سواری نمودہ۔ دیہات آں کفّار را سوختہ بسیار کافراں را بجہنم فرستادہ اسیران اسلام را خلاص نمودہ ثواب غزا یافتہ برائے مرتبۂ شہادت کہ اعلیٰ معارج است تلاش کردہ کام خود را بہ شہد شہادت شیریں گردانید۔ در سال یکہزار و یکصد و نوزدہ ۱۱۱۹ احقر جزو کل بندۂ مغل کہ بخطاب موردثی پدر مخاطب گردیدہ ایں لوح را برائے یادگار بہ دستخط خود نوشتہ گذاشت۔ تاریخ شہادت ازیں ابیات حاصل میگردد کہ میر ہویدائے بلخی گفتہ بود ایں ست ؎

مقبرہ فیروزخان

چرخ گردوں ماند نقشے داغ حسرت ریا ۔۔۔ حیف ازیں دنیائے فانی دے دریغا از جہاں
از برائے شیداں شد آں شہید راہ حق ۔۔۔ لالہ داغ ماتم خاں در بہار و در خزاں
یک طرف میرزا عشور بیگ آں شہید شریف ۔۔۔ رفت با صد داغ آخر آں شجاع نکتہ داں
سال تاریخ شہیداں را خرد برما بگفت ۔۔۔ دو حروف جیم و بے بہتر ز شد از باغ جناں
۱۰۰۲ = ۱۰۰۷

کتبہ سال ۷ جلوس عالمگیر بادشاہ غازی شاہ عالم پسر کلاں بر تخت سلطنت ہندوستان

میرزا عشور بیگ شہید

پہلو تہ پر جو دوسرا مزار ہے وہ میرزا عشور بیگ شہید کا ہے جو نواب آغر خاں کے ساتھ اسی معرکہ میں شہید ہوئے تھے۔

سہیلی خانہ یا فیل خانہ

ان مزارات اور باغ نور منزل کے درمیان میں ایک عالی شان سہ منزلہ عمارت اٹھارہ بیگہ اراضی میں واقع تھی جو اکبری عہد کی یادگار اور سہیلی خانہ کے نام سے موسوم تھی انگریزی عہد میں جب اسے فیل خانہ بنا لیا گیا تو یہ فیل خانہ کے نام سے مشہور ہو گئی اس کا کچھ حصہ اسٹیشن تعمیر ہونے سے پیشتر تک موجود تھا چنانچہ اب تک کثر لوگ اس اسٹیشن کو فیل خانہ کا اسٹیشن کہتے ہیں۔

سلطان پورہ

اسٹیشن سے تھوڑے ہی فاصلہ پر سلطان پورہ آباد ہے جو شاہزادہ سلطان پرویز ابن جہانگیر بادشاہ کی یادگار ہے۔ یہاں چار سو پچاسی (۴۸۵) بیگھہ لبسوہ اراضی میں شاہزادہ مذکور اور امراء کے محلات اور باغات اور متعلقین کے مکانات بنے ہوئے تھے۔

مقبرہ و تالاب فیروز خاں

فیروز خاں جہانگیر بادشاہ کا نہایت معتمد خواجہ سرا تھا جو پہلے سال جلوس شاہجہانی میں منصب دو ہزاری اور سنہ ۱۰ جلوس میں منصب سہ ہزاری پر سرفراز ہوا نظارت مشکوئی بادشاہی اس کے متعلق تھی۔ ۱۰ رمضان ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء کو اس نے وفات پائی قصبہ فیروز آباد ضلع آگرہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے کشمیر میں دریائے بہت کے کنارہ پر اس نے ایک بے نظیر باغ آراستہ کیا تھا فیروز خاں کا مقبرہ اور تالاب سڑک گوالیار پر تیسرے اور چوتھے میل کے درمیان میں

واقع ہے جس کے قریب ایک گاؤں آباد ہے جو تال فیروز خاں کے نام سے مشہور ہے۔ شاہی زمانہ
میں شہر سے یہاں تک برابر باغات اور عمارات کا سلسلہ تھا۔ شاہزادی منڈی سے جو شاہزادی
جہاں آرا بیگم کی آباد کی ہوئی ہے آگے بڑھ کر ایک نہایت وسیع و رفیع الشان شاہی باغ تھا
جو نولکھا کے نام سے موسوم تھا اب وہاں ایک محلہ آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے۔ اس سے نولکھا
بڑھ کر کشمیری بیگم اور فیروز خاں مذکور اور تارا بیگم اور محمد یار خاں وغیرہ کے باغات تھے اب
سوائے باغات کے پختہ کنوؤں کے اور کوئی عمارت باقی نہیں چہاردیواری کے علاوہ سب اراضی نزول
میں داخل اور چک دوم سواد شہر کے نام موسوم ہے تیسرے میل کے قریب لب سڑک تین گنبد کی
ایک قدیم مسجد باقی ہے فیروز خاں کا مقبرہ جو جہانگیری عہد کی تعمیر ہے ایک ہشت پہل چہاردیواری
کے اندر واقع ہے جو آگرہ کی خوشنما اور قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک ہشت پہل چبوترہ
کے وسط میں بنا ہے جس کی بلندی ۱۴ فیٹ اور ہر ضلع ۴۳ فیٹ ہے ہر ضلع کے نیچے تین تین
محرابیں اور درمیان میں نہ خانہ ہے جس کے اندر اصلی قبر تھی۔ خاص مقبرہ کا سنگ سرخ کا چبوترہ بھی
ہشت پہل ہے جس کی بلندی قریب ایک فیٹ اور ہر ضلع ۱۹ فیٹ ہے۔ اس کے درمیان میں
۴½ فیٹ کی کرسی پر روضہ کی متمن عمارت ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۱۰ فیٹ ۳ انچہ اور قطر
۲۶ فیٹ ۱۴ انچہ ہے۔ ہر ضلع میں ۴ فیٹ ۵ انچہ کے آثار میں ایک ایک محراب بنی ہے۔ مقبرہ کے
اندر سطح سے محرابوں کی پیشانی تک اور اسی طرح بیرونی جانب سنگ سرخ میں نہایت نفیس و
بے نظیر بیل بوٹے پھول پتے طاق طاقچے ترشے ہوئے ہیں گنبد بہت بلند اور نوٹرے نہایت
خوشنما اور منقش ہیں۔ اوپر سے گنبد پچکاری کا ہے جس کے اردگرد سنگ سفید کے ۸ کلدستے مزین
ہیں گنبد کے چبوترہ پر چینی کے کام کا خوشنما حاشیہ تھا جس کا کچھ کام اب بھی باقی ہے۔

گنبد کے شمال و جنوب میں ۴-۴ محرابوں کی برجی اور مغربی جانب تین در کا دالان بنا ہے
جن کی چھتوں پر چینی کا کام تھا جس کا اب بہت خفیف حصہ باقی رہ گیا ہے۔ مشرقی جانب صدر
دروازہ ہے جو بہت ہی خوبصورت اور شاندار ہے اس میں بھی تین محرابیں ہیں۔ درمیانی محراب

نواب خان خاناں

CALCUTTA
ART PG WORKS
LAHORE

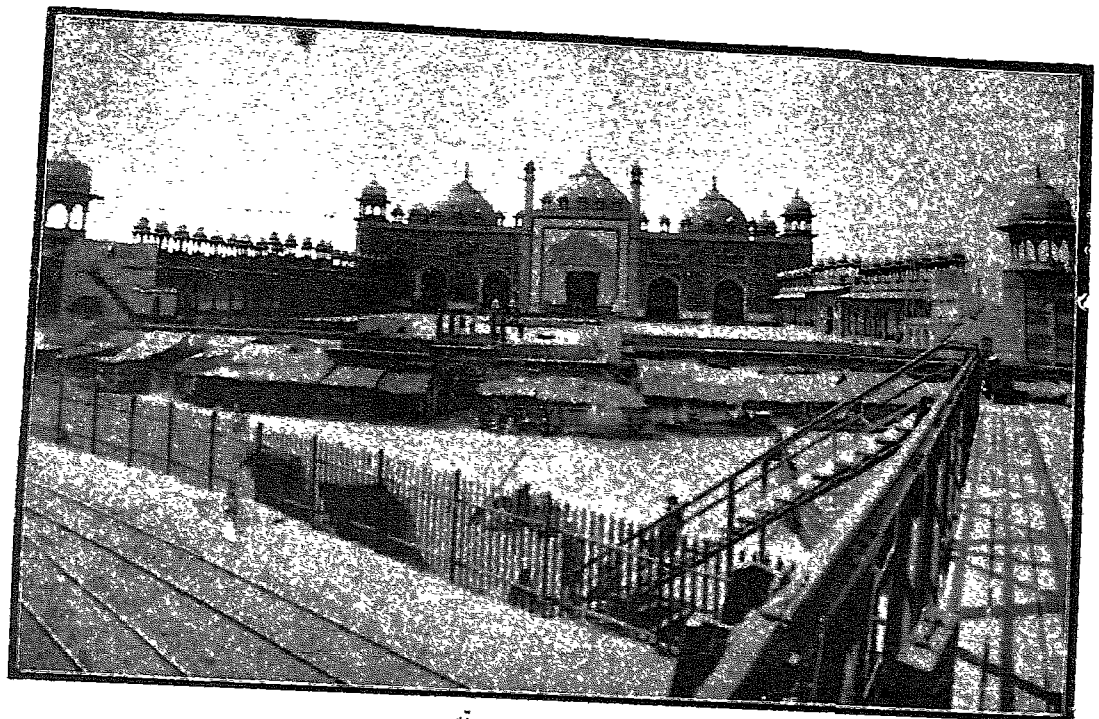

جامع مسجد آگرہ

ہیں زینہ اور ارد گرد ایک نشستگاہ بنی ہے۔ دونوں گوشوں پر چھت پر چڑھنے کے واسطے ۱۴-۱۴ سیڑھیوں کے زینے بنے ہیں۔ درمیانی محراب کے زینہ میں بھی ۱۴ سیڑھیاں ہیں جن کے آگے لب تالاب ایک وسیع پختہ چبوترہ بنا ہوا ہے۔ دروازہ کی کل عمارت نیچے سے اوپر تک منقش ہے اور اس میں نہایت باریک دلفریب بیلیں پھول پتے خوشنما صراحیاں گلدستے اور مور وغیرہ ترشے ہوئے ہیں۔ کل عمارت میں نہایت مضبوط اور اعلیٰ درجہ کا سنگ سرخ لگایا گیا ہے جس کے نقش و نگار فتحپور سیکری کے بیربل اور ترکی سلطانہ کے مکانات اور سکندرہ کے کانچ محل کی طرح باریک و خوشنما ہیں اس کے سامنے پانسو دو بیگہ دس بسوہ اراضی میں تالاب فیروز خاں واقع ہے جس میں اب کھیتی ہوتی ہے جب یہ پختہ تالاب پانی سے لبریز ہوتا ہوگا اس وقت یہاں کا منظر کیسا دلکش اور خوشنما ہوگا۔ تالاب

گنبد و تخت پہلوان

مقبرہ فیروز خاں سے تھوڑے فاصلہ پر سڑک کے مشرقی جانب گنبد تخت پہلوان واقع ہے جو ایک موضع کے وسط میں جو اسی نام (تخت پہلوان) سے موسوم ہے واقع ہے اس میں چونکہ مدت سے کاشتکار آباد تھے لہذا اندر سے یہ نہایت خراب حالت میں ہے۔ اس کے نیچے چاروں طرف دالان اور درمیان میں تہ خانہ ہے جس کے اندر اصلی قبر تھی۔ اوپر درمیان میں گنبد اور چاروں گوشوں پر ۴-۴ ہلالی محرابوں کے چار برج تھے جن میں اب تین باقی ہیں۔ گنبد کے اندر کا طول و عرض ۱۵½ × ۱۵½ فیٹ ہے۔ اس کا کلس سنگ سفید کا اور خوشنما ہے۔ گنبد کے اطراف میں چار سنگ سرخ کی برجیاں بنی تھیں جن میں ایک منہدم ہو گئی اور تین موجود ہیں۔

صاحب مقبرہ کا اصلی نام شیر علی اور خطاب پہلوان سرخ دردیش تھا۔ یہ قوم کا مغل اور بیجاپور کا باشندہ تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے عادل شاہ والئی بیجاپور سے ایک شمشیر باز کشتی گیر طلب کیا تھا سنہ ۱۱ جلوس میں اس نے کئی نامی پہلوان اور شمشیر باز روانہ کئے جس میں شیر علی بھی تھا۔ بادشاہ نے سب کا امتحان لیا۔ شیر علی مذکور مجملہ پہلوانان پایہ تخت پر غالب

آکر منظور نظر عنایت شاہی ہوا اور خلعت و انعام اور جاگیر مرحمت ہو کر پہلوان پائے تخت خطاب ملا۔ شاہجہاں کے عہد میں یہ منصب شش صدی پر سرفراز اور پہلوان سُرخ درویش کے لقب سے موسوم ہوا۔ یہ شخص فن پہلوانی کے علاوہ پنجہ کشی میں شہرۂ آفاق اور شجاعت و بہادری میں مشہور تھا۔ کئی معرکوں میں اُس نے اپنی شجاعت و شیر دلی کے جوہر دکھائے اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔ گاؤں کے قریب مغربی جانب ایک کھیت میں اُس کا سنگ سُرخ کا وزنی تخت اب تک رکھا ہے جس کا طول و عرض ۸ × ۸ فیٹ ہے۔

مزار شیخ بایزید خویشگی رح

تخت پہلوان کے قریب متصل نگلہ سنگن حضرت شیخ بایزید خویشگی رح کی درگاہ واقع ہے جس کی جنوبی دیوار و دروازہ باقی ہے۔ آپ کا مزار ایک سنگین چبوترہ پر بنا ہے جس کے متعلق ۱۲ بیگھہ اراضی معاف چلی آتی ہے۔ آپ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں نہایت صاحب تقویٰ اور اہل کرامت بزرگ تھے ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء میں آپ نے وفات پائی تاریخ وفات یہ ہے ؎

ہوں گذشت از دار فانی بایزید — یافت قصر جاودانی بایزید
سال نقلش مظہر الحق زد رقم — شد ز آفاق آہ ثانی بایزید
۱۰۹۴

مزار میر رستم خاں

آپ میر رستم خاں ترکستانی کے بیٹے اور اکبر بادشاہ کے عہد کے سہ ہزاری امیر تھے ۹۹۰ھ میں جبکہ اجمیر کی صوبہ داری پر سرفراز تھے ایک لڑائی میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار کالی پلٹن کے قریب متصل سڑک پختہ ایک چبوترہ پر واقع ہے جس کے تعویذ پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

رستم کہ بفہم بود در دہر علم — ناگاہ سفر کرد سوئے ملک عدم
چوں سال وفاتش ز خرد جستم گفتا — تاریخ وفات اوست فوت رستم
۹۹۰

اسی چبوترہ پر آپ کی والدہ ماجدہ بی بی بخیہ بیگی اور والد بزرگوار میر رستم خاں کی قبریں بھی ہیں میر رستم کی قبر کے تعویذ پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

سپہر کرم میر رستم کہ چوں — قضا مدت عمر آخر رساند
چو تاریخ فوتش طلب شد مرا — خرد گفت رستم بعالم نماند
۱۰۸۸

باب دہم

متفرق معلومات

آگرہ کی مسجدیں

شہر آگرہ اور اس کے قرب وجوار میں چھوٹی بڑی آباد و ویران تین سو کے قریب مسجدیں ہیں جن میں سے ۲۸۵ مسجدوں کا حال رپورٹ مساجد آگرہ مطبوعہ فروری سنہ ۱۹۱۲ء میں قلمبند کیا جا چکا ہے۔ مشہور شاہی مساجد کا حال جداگانہ مرقع اکبر آباد میں بھی لکھا گیا ہے۔ جامع مسجد۔ اکبر آبادی مسجد۔ مسجد معتمد خاں۔ موتی مسجد قلعہ۔ نگینہ مسجد قلعہ۔ زنانی مسجد قلعہ مسجد سلطان پرویز۔ مسجد خواجہ وفا۔ مسجد مختستان (لوہا منڈی) مسجد بہرے شاہ (لوہا منڈی) مسجد لشکر خاں متصل کلکٹری۔ مسجد فتحپوری تاجگنج۔ مسجد روضہ تاج محل۔ مسجد کٹرہ عمر خاں تاجگنج مسجد ڈپٹی امداد علی صاحب مرحوم بازار کچہری گھاٹ۔ مسجد نیل کٹرہ۔ مسجد محلہ حلقہ مدار خاں مسجد نالہ چوہ پراں۔ کالی مسجد۔ مسجد شاہ گنج متصل مکان سید آل نبی مرحوم۔ مسجد شاہی محلہ ہینگ منڈی۔ مسجد ردی منڈی۔ مسجد بازار کھٹیا اعظم خاں۔ مسجد شہد اگھائی ماموں بھانجے

مسجد[۲۵] لوہارگلی آگرہ کی مشہور اور خاص مساجد ہیں۔ بلحاظ وسعت، مرکزیت جامع مسجد کو اور بلحاظ خوبصورتی موتی مسجد قلعہ کو اور بلحاظ جماعت و رونق اکبرآبادی یا اکبری مسجد اور بلحاظ قدامت مسجد دیران جو بزرجی تعمیر کردہ بابر اور کالی مسجد کو فوقیت حاصل ہے آگرہ میں دو مسجدیں محض مستوراتؔ کے واسطے تعمیر کی گئی تھیں ان میں ایک قلعہ کی زنانی یا بیگماتی مسجد ہے جو بیگمات کے واسطے مخصوص تھی دوسری زنانی مسجد کٹرہ عمر خاں میں ہے جس میں صرف محلہ کی مستورات نماز پڑھتی ہیں:۔

آگرہ کی درگاہیں اور مزارات

آگرہ میں شاہی عہد میں بزرگانِ دین کی متعدد خانقاہیں تھیں اب آں قدح بشکست و آں ساقی نماند" کا مضمون ہے۔ مزارات کی البتہ کثرت ہے اُن میں جن جن بزرگان کا پتہ چل سکا اُن کے حالات کتاب بوستانِ اخیار، تذکرہ مشاہیر اکبرآباد میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اور مشہور مزارات اور درگاہوں کا مختصر حال مرقعِ اکبرآباد میں قلمبند کیا گیا ہے۔ شہر کی سب سے مشہور درگاہ جہاں ہر جمعرات کو زائرین کا ہجوم ہوتا ہے حضرت سید ناشاہ ابوالعلی قدس سرہ کی ہے جو شہر کے شمالی جانب محلہ وزیر پورہ کے قریب واقع ہے۔ دوسری مشہور درگاہ سید علاؤالدین مجدد رح شاہ ولایت رح کی ہے جو محلہ دربار شاہ جی نائی منڈی میں واقع ہے درگاہ میر محمد نعمان نقشبندی (متصل نگلہ دھنی کھریلا) مزار سید جلال بخاری۔ مزار سید رفیع الدین محدث اکبرآبادی۔ درگاہ عبداللہ شہید رح پر بھی اکثر زائرین کی آمد و رفت رہتی ہے۔ شیعہ نقطۂ خیال سے قاضی نوراللہ صاحب شوستری رح کا مزار خاص طور سے ممتاز و مقدس سمجھا جاتا ہے۔ جہاں شہر کے علاوہ باہر سے بھی شیعہ زائرین آتے رہتے اور مجالس منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

آگرہ کے گرجے

آگرہ کا سب سے قدیم گرجا زیر پورہ کا ہے جو عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقہ کا ہے اور رومن کیتھولک کیتھڈرل کے نام سے موسوم ہے اس کا حال جداگانہ قلمبند ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل گرجے اور ہیں۔

(۱) سینٹ جارجز چرچ آف انگلینڈ۔ یہ یوروپین پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے واسطے مخصوص اور ڈریمنڈ روڈ پر صدر بازار میں واقع ہے۔ اس کی عمارت عالیشان ہے۔

(۲) سینٹ میری رومن کیتھولک چرچ۔ محلہ پرتاب پورہ میں متصل صدر ڈاکخانہ واقع اور چند سال کا عرصہ ہوا کہ مسٹر جان صاحب سوداگر کی فیاضانہ امداد سے تعمیر ہوا ہے۔

(۳) ہیولاک انگلش بپٹسٹ چرچ۔ لارنس روڈ پر لال کورتی میں واقع ہے اور یوروپین اصحاب خصوصاً فوجیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

(۴) سینٹ پیٹرک رومن کیتھولک انگلش چرچ۔ لارنس روڈ پر لال کورتی میں واقع ہے۔

(۵) بپٹسٹ چرچ۔ ڈریمنڈ روڈ پر متصل پرتاب پورہ واقع ہے اور دیسی عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

(۶) میتھوڈسٹ چرچ۔ ڈریمنڈ روڈ پر متصل کلکٹری واقع اور دیسی عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے

(۷) سینٹ پال چرچ آف انگلینڈ۔ ہری پربت روڈ پر واقع اور ٹین کا گرجا کہلاتا ہے یوروپین عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

(۸) سینٹ میتھو چرچ آف انگلینڈ قلعہ آگرہ کے اندر متصل دہلی دروازہ واقع اور یوروپین عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

(۹) رومن کیتھولک چرچ۔ ایضاً

سینٹ جونس چرچ آف انگلینڈ۔ بازار سیب میں واقع اور دیسی عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

چرچ سی۔ ایس۔ ایم مشن۔ سکندرہ کے یتیم خانہ میں واقع اور دیسی عیسائیوں کے واسطے مخصوص ہے۔

آگرہ کے مندر

آگرہ میں کثرت سے سنگین مندر ہیں جن میں اکثر کی عمارت عالی شان منقش اور خوشنما ہے مگر بلحاظ قدامت و تقدس مندر منکا بیشور محلہ رادت پاڑہ۔ منکا بیشور مندر رادلی متصل کلکٹری۔ مندر پرتھی ناتھ مہادیو محلہ شاہ گنج۔ مندر بلکیشور مہادیو متصل واٹر ورکس۔ مندر کیلاش مہادیو متصل سکندرہ اور مندر راجیشور ناتھ واقع باغ راجپور جو شہر کے اطراف میں ہیں اور جن کی پرکھما کی جاتی ہے زیادہ مشہور ہیں۔

سوتامبری فرقہ کے جینیوں کا مندر روشن محلہ اور ڈگمبری جینیوں کا قدیم مندر موتی کٹرہ بھی خوبصورت اور مشہور ہیں۔

آریا سماج مندر ہینگ منڈی میں واقع ہے۔ عمارت کے لحاظ سے مندر مہادیو جی واقع بیلنگنج اور کلالوں کا مندر دادجی واقع چوراہا نائی منڈی ممتاز ہیں اخر الذکر کے دروازہ کے نقش و نگار قابل دید ہیں۔

آگرہ کے قبرستان

آگرہ کو قبروں اور قبرستانوں کی کثرت کی وجہ سے اگر شہر خموشاں کا خطاب دیا جائے تو بیجا نہیں۔ شہر میں غالباً ہندو اور مسلمانوں کا کوئی محلہ ایسا نہ ہوگا جس میں کوئی قدیم قبر نہ ہو گھروں کے اندر۔ دیواروں کے آثار و بنیادیں گلی کوچوں میں سنگین قبریں نظر آتی ہیں آگرہ

دیکھتے دیکھتے متعدد قبرستانوں میں آبادی ہوگئی اور قبریں کھد کھدا گئیں مگر اب بھی بیسیوں قبرستان شہر کے اندر موجود ہیں جن میں اب موجودہ قوانین کے بموجب جدید مُردے دفن نہیں کئے جا سکتے شہر کے اطراف میں دس دس بارہ بارہ کوس تک سڑک کے کنارے اور کھیتوں میں سنگین قبروں کے تعویذ پڑے ہوئے ہیں جن میں اکثر نہایت خوشنما منقش اور سیکڑوں روپیہ کی لاگت کے معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے قبرستان جن میں مُردے دفن ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں

قبرستان تیج گنجاں۔ یہ آگرہ کا سب سے بڑا اور قدیم قبرستان ہے جو محلہ نائی منڈی کے قریب واقع ہے اس کا مختصر حال قلمبند کیا جا چکا ہے۔ موجودہ صدر تحصیل۔ پولیس لائن کا بڑا حصہ۔ کوٹھی سول سرجن اور قرب وجوار کی دیگر آبادی کی باقیماندہ قبریں اس کی قدیم وسعت کی یادگار ہیں۔ میری ماموں زاد بہن فیضان فاطمہ المتوفی یکم ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ اور خالہ صاحبہ (مسماۃ رحم فاطمہ) اور برخوردار میاں فرید احمد مرحوم المتوفی ۲۶ صفر ۱۳۴۶ھ اسی قبرستان میں آسودہ ہیں

کتبہ مزار فرید احمد مرحوم

لہ فرید احمد مرحوم کی قبر ایک پختہ چبوترہ پر قبرستان کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے لوح قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

تصویر راحت فرید احمد

تاریخ وفات برخوردار فرید احمد مرحوم ساکن تعبد بارہ ضلع آگرہ در عنفوان جوانی داغ بر جگر سعید احمد داده سفر آخرت اختیار کرد

یا کہ گویم در دل داغ تا — دل کجا و چارہ سازِ دل کجا
در فراقت نالیدم صبے فرید — زخم دل بکشا دمثل دیدہ وا
اے قرار حزن جان مضطرب — دے انیس قلب محزون رو نما
تو کجائی جان جانم تو کجا — رحم کن بر حال زار مبتلا
آستیں بر رد کشیدی از سعید — فاش گو از دے چہ داری گلہ ہا
اے گل آمد آمد فصل گل — بس دمیدہ نخلہا و سبزہا
رو نما شد لالہ و سرو و سمن — اے گل خنداں تو ہم خنداں برآ
در صفر آخر بعزم آخرت — رحلت بر بستی زما گشتی جدا
از سر الطاف و احسان گو سعید — جنت الفردوس کردہ رب عطا ۱۳۴۶ھ

دیگر پائیں پر

اے خاک پاک حرمت مہمان نگاہ دار — ایں نور چشم ماست کہ با تو سپردہ ایم
جوانی ہی میں اڑ دنیا سے رخصت ہونیوالے تو — لحد میں پاؤں پھیلائے ہوئے سونیوالے تو
یہاں محشر بپا ہے تیری مرگ نوجوانی پر — ہیں مصروف فغاں سب اس وفات ناگہانی پر
وہاں سوتے ہے لحد میں اور جنت کی ہوا ہیں ہیں — تن خاکی ہے تیرا اور نورانی فضائیں ہیں
مگر اس عالم پستی کی بھی تجھ کو خبر کچھ ہے — دل نازک پہ پسماندوں کی الفت کا اثر کچھ ہے

سعید احمد مرحوم ۱۳۴۶ھ

قبرستانِ کربلا۔ یہ قبرستان بھی بہت وسیع ہے۔ اس کا مختصر حال بھی لکھا جا چکا ہے۔ یہ شہر سے دو میل کے فاصلہ پر سلطان گنج کے قریب واقع ہے۔

قبرستانِ پیر گیلانی۔ یہ بھی قدیم قبرستان ہے جو آگرہ سٹی ریلوے اسٹیشن اور کربلا کے درمیان میں واقع ہے۔

قبرستانِ شاہ نور الزماںؒ۔ درگاہ حضرت شاہ ابو العلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب واقع ہے۔

قبرستانِ درگاہ شاہ ابو العلیٰؒ۔ حضرت شاہ ابو العلیٰؒ کی درگاہ کے احاطہ میں یہ قبرستان ہے۔

قبرستانِ مزار قاضی صاحب۔ دیوانی کی کچہری کے قریب قاضی نور اللہ صاحب شوستری کے مزار کے احاطہ میں شیعہ صاحبان کا وسیع قبرستان ہے۔ آگرہ کو قاضی صاحب کے مزار کی وجہ سے شیعہ نقطۂ خیال سے ایک خاص مرکزیت اور تقدس حاصل ہے اور اس کی وجہ سے تمام ہندوستان سے شیعہ زائرین آتے رہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ آگرہ کے شیعہ بھائیوں نے اس وقت تک اس مرکزیت سے کوئی قابل الذکر قومی مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ اس قبرستان میں متعدد جدید خوشنما عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں اور تمام اسلامی قبرستانوں سے اس کی حالت اچھی ہے۔

قبرستانِ عید گاہ۔ عید گاہ کے قریب یہ قبرستان واقع ہے۔

اِن قبرستانوں کے علاوہ محلات تاجگنج و شاہ گنج وغیرہ میں بھی چند قبرستان اور ہیں علی العموم جملہ اسلامی قبرستانوں کی حالت نہایت خراب اور کس مپرسی کی ہے جن سے مسلمانوں کا عام افلاس ادبار اور پراگندگی کا اظہار بخوبی ہوتا ہے۔

عیسائیوں کے قبرستان

عیسائیوں کا سب سے قدیم قبرستان کچہری دیوانی کے قریب ہے جس کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ قلعہ کے امر سنگھ دروازہ کے قریب سڑک سے جنوبی جانب ٹیلوں پر تین جداگانہ احاطوں کے اندر علی العموم اُن عیسائیوں کے قبریں ہیں جو بایام غدر ۱۸۵۷ء یا اُس کے قریب قلعہ میں فوت ہوئے دو ایک قبریں زمانہ مابعد کی بھی ہیں۔ درمیانی احاطہ کے اندر گوشہ شمال و

قبر جمعیت بیگم شاعرہ

مغرب میں ایک سنگین چھتری کے نیچے ایک مسلمان عورت کی بھی قبر ہے جس نے غالباً عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اس پر انگریزی اور اردو میں کتبہ کندہ ہے اردو کا کتبہ حسب ذیل ہے "تاریخ وفات ایلن جنٹ زوجہ میجر ایل۔ بی۔ آر مسٹن پلٹن نمبر ۳۱ گورہ پیادہ ۵ رجنوری ۱۸۸۵ء مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ ہجری بعمر ۶۷ سال عرف جمعیت بیگم متخلص جمعیت۔

تیری عظمت ہے شانِ کبریائی — تیری ہی شان ہے ہم سب کو بھائی
نہیں مانند تیرے اے خدایا — عدم سے ہم کو دنیا میں ہے لایا
زمیں سے عرش تک قائل ہیں تیرے — غرض جتنے ہیں وہ مائل ہیں تیرے
ترا ہی جلوہ ہے شجر و حجر میں — ترا ہی نور ہے شمس و قمر میں
تری تسبیح پڑھتے ہیں چرندے — تجھی کو یاد کرتے ہیں درندے
خدایا تو ہے باقی سب ہیں فانی — ثنا خواں تیرے ہیں ارض آسمانی
جمعیت اٹھ گئی بس اس جہاں سے — پناہ دے حشر میں اپنی اماں سے

صاحب مشاہیر نسواں نے بحوالہ تذکرۃ النساء اس کو یورو شین نسل کی شاعرہ لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ انگریزی۔ فارسی اور اردو میں کافی قابلیت رکھتی تھی اور ہندی میں ہولیاں اور دادرے بناتی تھی۔ علم موسیقی میں کمال حاصل تھا اس کے اشعار آگرہ کے گویوں کو بہت مرغوب تھے یہ اشعار اس کے مشہور ہیں ؎

خدا کے سامنے جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے — کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

دیگر

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے — اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے
مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہی احسان — رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

عیسائیوں کے جدید قبرستان چھاؤنی میں پریڈ کے قریب اور بہری پربت میں واقع ہیں۔

پارسیوں کا قبرستان

پارسیوں کا قبرستان نائی منڈی اور شاہ گنج کے درمیان میں لب سڑک واقع ہے اور اس میں باغیچہ لگا ہوا ہے اس کے احاطہ کے دروازہ پر انگریزی اور گجراتی میں پارسی سمیٹری ۱۸۸۵ء کندہ ہے۔

سوامی جی مہاراج کی سمادھ

رادھا سوامی فرقہ کے بانی سوامی جی مہاراج کی عالی شان سمادھ کی عمارت سوامی باغ دیال باغ میں اور اُن کے دوسرے جانشین رائے بہادر بابو سالک رام صاحب کی سمادھ محلہ راوت پاڑہ میں واقع ہے۔

آگرہ کے پارک اور باغات

شاہی زمانہ میں آگرہ اپنے بے شمار سرسبز و شاداب اور خوشنما باغات کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھا جمنا کے کنارے اور شہر کے اطراف میں کوسوں تک باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ ہر حویلی اور بڑے مکان میں پائیں باغ موجود تھا۔ باغات کے اندر عجیب و غریب دلفریب عمارتیں فرح بخش حوض جھرنے اور دل کش نہریں اور فوارے جاری رہتے تھے۔ انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اور طرح طرح کے خوشبودار اور رنگ دار پھول دور دراز ممالک سے منگوا کر لگائے گئے تھے بابر۔ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں نے سرد ملکوں کابل اور یورپ کے میوہ جات انگور آنار سیب۔ انناس وغیرہ کے درخت باغات میں لگوائے اور خربوزوں کی کاشت کرائی جس کے واسطے انھیں ملکوں کے ماہرین فن بلائے گئے تھے۔ ان باغات کی وجہ سے ہر قسم کا تازہ میوہ کثرت سے آگرہ میں دستیاب ہوتا تھا۔

افسوس کہ اب اُن سرسبز شاداب باغات کا ذکر کتب تواریخ ہی میں رہ گیا ہے اور سوائے خربوزہ یا معمولی امرود کے کوئی خاص میوہ آگرہ میں پیدا نہیں ہوتا غدر سے پیشتر تک حسب ذیل باغات کے آثار موجود تھے جن کا ذکر منشی سبل چند نے اپنی فارسی تاریخ آگرہ میں اور منشی قمر الدین نے اپنی تاریخ آگرہ (اردو) میں کیا ہے ان میں سے اکثر باغات کے

چاہات پختہ اور کسی قدر آثار کہیں کہیں اب تک نظر آتے ہیں۔ ہشت بہشت (بابر بادشاہ) چہار باغ (بابر) نور افشاں (نور جہاں بیگم) نور پری (نور جہاں بیگم) نور منزل یا ڈیرہ باغ (جہانگیر) مہتاب باغ (شاہجہاں) جہاں آرا باغ (جہاں آرا بیگم) گلاب باڑی دارا شکوہ۔ باغ خواجہ زکریا باغ آبدار بیگم۔ باغ کابلی بیگم۔ باغ گلبدن بیگم۔ باغ آصف آباد۔ باغیچہ فیروز خاں۔ باغ قاضی باغ محمد یار خاں۔ باغ سرہندی بیگم۔ باغ جگناتھ مہاکب رائے شاہجہانی۔ باغ بھگوتی داس باغ دینا ناتھ محمد شاہی۔ باغ یدر الدوراں بیگم۔ باغ حاکم خاں عالمگیری۔ باغ فتح آبادی محل باغ قرا دل۔ باغ قاسم خاں۔ باغ زین خاں۔ باغ حکیم مہدی عالمگیری۔ باغ نواب اعظم خاں باغ محب علی خاں۔ باغ نواب آرام بانو بیگم۔ باغ حبش خاں۔ باغ دل آرام بیگم۔ باغ بھوری خانم باغ کام بھون۔ باغ بانو بیگم۔ باغ اکبر آبادی بیگم۔ باغ ملا شیدا۔ باغ گیلانی۔ باغ شکر النساء بیگم باغ خان عالم۔ باغ خواجہ شعور۔ باغ گرز برداراں۔ باغ قلعدار خاں۔ باغ کوتوال۔ باغ طوطہ پرستی باغ مہابت خاں۔ موتی باغ۔ اچانک باغ۔ بلند باغ وغیرہ۔

اب آگرہ میں روضہ ممتاز محل۔ سکندرہ (روضہ اکبر بادشاہ) اعتماد الدولہ۔ رام باغ (نور افشاں) کے باغات کے علاوہ مگڈانل پارک (قلعہ تا روضہ ممتاز محل) ہیوٹ پارک (متصل محلہ زیرو روڈ) بیکر باغ (نائی منڈی) اور کمپنی باغ (چھاؤنی) چار باغ یا پارک ہیں جو سب انگریزی طرز پر آراستہ اور عام تفریح گاہ ہیں۔

مگڈانل پارک سب سے وسیع ہے اس میں ملکہ وکٹوریہ کا یادگاری بت اور گورنمنٹ ہوس (سرکٹ ہوس) واقع ہے جس میں حکام اعلیٰ بوقت دورہ قیام فرماتے ہیں۔

سرکٹ ہوس

ہیوٹ پارک میں ایک پبلک لائبریری موسومہ جون پبلک لائبریری واقع ہے جس کی خوشنما عمارت آگرہ کے مشہور سوداگر مسٹر جان صاحب کی عالی ہمتی اور علم دوستی کی یادگار ہے اس کا انتظام میونسپل بورڈ آگرہ کے متعلق ہے اس میں عام طور سے انگریزی کی کتابیں ہیں

جون پبلک لائبریری

کمپنی باغ میں میجر جنرل سر جان اڈمس صاحب جی۔ سی۔ بی کا یادگاری سنگین منارہ

بتایا ہوا ہے کمپنی کے زمانہ میں آپ کا تعلق بنگالے کی فوج سے تھا اور آپ نے سرریگ پلٹن بیتھڈاری۔ سوئی۔ انتوری۔ ریوہ۔ چاندہ اور ناگ پور کی لڑائیوں میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں

آگرہ کے کالج اسکول اور مدرسے

آگرہ صوبہ متحدہ کی الحاقی یونیورسٹی موسومہ آگرہ یونیورسٹی کا صدر مقام ہے یہاں آگرہ کالج[1] اور سینٹ جونس[2] کالج دو مکمل کالج اور رادھا سوامی[3] اور راجپوت[4] دو انٹرمیڈیٹ کالج سی۔ ٹی ٹریننگ کالج۔ نو ہائی اسکول۔ گورنمنٹ[5] ہائی اسکول۔ وکٹوریہ[6] ہائی اسکول۔ سینٹ[7] جونس ہائی اسکول۔ راجپوت[8] ہائی اسکول۔ بپٹسٹ[9] مشن ہائی۔ مفید[10] عام ہائی اسکول شعیب[11] محمدیہ ہائی اسکول۔ ڈی۔ اے۔ وی ہائی اسکول۔ وکٹوریہ گرلس ہائی اسکول۔ تین مڈل اسکول۔ برہمن[12] اسکول۔ سینٹ جونس گرل اسکول۔ صغیر فاطمہ[13] نسواں اسکول واقع ہیں۔

یورپین بچوں کے واسطے سینٹ پیٹرس کالج جس کا الحاق کیمبرج یونیورسٹی سے ہے اور سینٹ جارج اسکول اور سینٹ انتھونی اسکول اور کئی دیگر چھوٹے چھوٹے اسکول موجود ہیں۔

آگرہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے دو جداگانہ مڈیکل اسکول ہیں جن میں اسسٹنٹ سرجن اسسٹنٹ کے درجہ تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔

ایک نارمل اسکول ایک موڈل اسکول اور دیسی زبان کے کئی مڈل اور اپر پرائمری اور پرائمری اسکول لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے جاری ہیں۔ میونسپل بورڈ کے مکاتب تقریباً ہر محلہ میں موجود ہیں۔ کوتوالی۔ رکاب گنج اور لوہا منڈی تین حلقوں میں جبریہ تعلیم کا نفاذ ہو چکا ہے مدرسہ عالیہ جامع مسجد اور مدرسہ محمدیہ[14] (متصل کلکٹری) خاص اسلامی مدارس ہیں جن میں آخر الذکر کے اندر ۳۰۰ کے قریب طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ مدرسہ مجددیہ (دربار شاہ ولایت) اور مدرسہ اسلامیہ اہل حدیث واقع چوراہا نائی منڈی میں دینیات عربی کی بھی تعلیم ہوتی ہے ہندوؤں کے بہت سے پاٹ شالے شہر میں ہیں جن میں کنیا پاٹ شالا راوت پاڑہ اور کنیا پاٹ شالا

---

[1] یہ اسکول اتم الحروف کے زیر اہتمام ۱۹۱۳ء سے مولانا محمد شعیب مرحوم کی یادگار میں جاری کیا گیا ہے [2] ۱۸ دسمبر ۱۹۱۰ء کو اسکول اتم الحروف کے زیر اہتمام جاری ہوا [3] ۲۳ مئی ۱۹۱۱ء سے [4] ۱۹۱۲ء سے [5] [6] [7] [8] [9] [10] [11] [12] [13] [14]

گوکل پورہ بہت مشہور ہیں۔

آگرہ کی پبلک لائبریریاں

آگرہ میں حسب ذیل مشہور پبلک لائبریریاں ہیں کوئن میری لائبریری صدر بازار میں تاج روڈ پر ہے دوسری جوبن پبلک لائبریری متصل محلہ ذیر پورہ ہیوٹ پارک میں ہے یہ دونوں لائبریریاں آگرہ کے مشہور و محترم سوداگر مسٹر جان صاحب کی علمی فیاضی کی بہترین یادگار ہیں ان کی عمارتیں بھی عالی شان ہیں

کتب خانہ محمدیہ۔ شعیب محمدیہ ہائی اسکول اور کچہری کلکٹری کے قریب واقع ہے اس کا افتتاح نگارندۂ مرقع اکبرآباد کی زائد از ایک ہزار کتابوں سے ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء کو ہوا تھا اب اس میں ۵۰۰ کے قریب اردو۔ فارسی۔ عربی اور انگریزی کی کتابیں ہیں جن میں ۳۲۳ کتابیں قلمی ہیں اکثر قلمی نسخے نادر و نایاب ہیں۔ اس وقت تک اس کی شان کے مطابق کوئی جداگانہ عمارت تعمیر نہیں ہو سکی۔ اس میں تاریخی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے زیر انتظام انجمن محمدیہ ہے۔

کتب خانہ حاجی میر ضامن علی صاحب مرحوم۔ یہ کتب خانہ محلہ شاہ گنج میں واقع ہے جو حاجی صاحب مرحوم کے پوتے سید محمد احمد صاحب ابن سید محمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر آگرہ کے زیر اہتمام جاری ہے۔ اس میں اس وقت چار ہزار کے قریب کتابیں ہیں جن میں اکثر قلمی کتابیں نہایت نایاب و بیش قیمت ہیں۔ سید محمد احمد صاحب نہایت علم دوست صاحب علم اور خوش اخلاقی میں بزرگان قدیم کا نمونہ ہیں آپ کو رفاہ عام کاموں سے بہت دلچسپی ہے اور اپنی آمدنی اور وقت عزیز کا کافی حصہ غربا کے علاج اور دیگر مشاغل علمی میں صرف فرماتے ہیں اور اس کتب خانہ کو برابر ترقی دے رہے ہیں اس کی ذاتی عمارت ہے جو موجودہ ضروریات کے واسطے کافی ہے مگر آپ اس کی مزید توسیع کی فکر میں ہیں۔ کتب خانہ کے ہال میں متعدد عربی کتبے کندہ ہیں ایک جگہ "عام کتب خانہ ۱۹۲۷ء" اور صدر دروازہ پر یہ کتبہ نہایت خوش خط

کندہ ہے "بعزاخانہ ۱۳۳۵ھ وقف فی سبیل اللہ" کتب خانہ حاجی میر ضامن علی ۱۹۱۶ء

شاہ است حسین بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

مسلم لائبریری۔ یہ اگرچہ ایک مختصر لائبریری ہے مگر اس میں اکثر قلمی نسخے بہت خوش خط اور نایاب ہیں۔ حکیم محمد عبدالستار خاں صاحب اس کے مہتمم ہیں اور فی الحال کشمیری بازار میں کرایہ کے مکان میں ہے۔

جین لائبریری ہیلن گنج یہ محلہ ہیلن گنج میں واقع ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر سنا گیا ہے کہ اس میں اچھا ذخیرہ ہے۔

ان پبلک لائبریریوں کے علاوہ کالج اور اسکولوں کی لائبریریوں میں سب سے اچھی لائبریری آگرہ کالج کی ہے اس میں تزکِ بابری کا ایک مصور نسخہ نہایت نایاب و بیش بہا ہے دیال باغ اور سینٹ جونس کالج کی لائبریریاں بھی اچھی ہیں شعیب محمدیہ ہائی اسکول کی لائبریری میں بھی چار ہزار کے قریب کتابیں ہیں۔

آگرہ کے یتیم خانے

آگرہ میں دو یتیم خانے عیسائیوں کے ہیں جن میں ایک رومن کیتھولک گرجا زیرپورہ میں اور دوسرا سکندرہ میں آریوں کا یتیم خانہ جمنا پار اعتماد الدولہ میں لبِ دریا واقع ہے۔ مسلمانوں کا نام نہاد یتیم خانہ جو قیصری یتیم خانہ کے نام سے موسوم اور اونچی دوکان پھیکا پکوان کا مصداق ہے نائی منڈی میں واقع ہے اور محض اپنی مستقل کرایہ کی آمدنی کی بدولت الٹا سیدھا چل رہا ہے مسلمانانِ آگرہ اس کی طرف نہ توجہ کرتے ہیں نہ امداد کرتے ہیں۔ عیسائیوں اور آریوں کے عالی شان یتیم خانوں کے مقابلے میں اس کو یتیم خانہ کہتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ خدا مولوی ابوالفرح عبدالحمید مرحوم بانی بیتی بانی یتیم خانہ کی

مغفرت فرمائے جن کی تعمیر کردہ جائداد کی بدولت اس کا وجود اب تک باقی ہے۔

آگرہ کے ہوٹل سرائیں اور دھرم شالے

آگرہ میں سیسل ہوٹل (مال روڈ چھاؤنی) لاریز ہوٹل (پرتاب پورہ) ہوٹل مٹرو پول (متصل کچہری کلکٹری) تین اول درجہ کے ہوٹل ہیں جن میں دو اوّل الذکر کے مالک یوروپین ہیں اور آخر الذکر کے مالک مسلمان ہیں۔ مسلمان رؤسا کے واسطے آخر الذکر ہوٹل موزوں اور آرام دہ ہے۔

ان کے علاوہ صدر میں تاج ہوٹل۔ آگرہ ہوٹل۔ ایمپیریس ہوٹل ٹوارسٹ ہوٹل اور ہیں ایمپیریس ہوٹل کے مالک بھی مسلمان ہیں۔

متوسط طبقہ کے مسلمان شرفا کے قیام کے واسطے سلطان ہوٹل زیادہ موزوں اور بازار سیب میں واقع ہے۔

آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن کے قرب وجوار میں چند معمولی سرائیں اور راوت پاڑہ پر چند کمرے بھی مسافروں کے قیام کے واسطے موجود ہیں۔

ہندو مسافروں کے قیام کے واسطے شہر میں بہت سے دھرم شالے موجود ہیں جن میں مارواڑی دھرم شالا (دریبی متصل آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن) دھرم شالہ چھیتر مل نرائن داس محلہ ہیلنگنج۔ دھرم شالہ اُتم چند بینی رام (متصل راجہ منڈی ریلوے اسٹیشن) دھرم شالا لوھیان (لوہا منڈی) جیتی دھرم شالہ موتی کٹرہ اور تین دھرم شالے متصل آگرہ سٹی ریلوے اسٹیشن زیادہ مشہور ہیں۔

بنگالی لاج اور بنگالی ہوٹل چھیپی ٹولہ میں متصل پولیس اسٹیشن رکاب گنج اور آر۔ این رستم فرمان پارسی دھرم شالا پرتاب پورہ میں اجمیر روڈ پر واقع ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مسافر خانہ شہر میں موجود نہیں نگارندۂ مرقع اکبر آباد نے کئی سال ہوئے کہ اس کے متعلق ایک اپیل انجمن محمدیہ آگرہ کے سالانہ رپورٹ کے ساتھ

شائع کی تھی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

آگرہ کے ریلوے اسٹیشن

آگرہ کا سب سے قدیم پُررونق اور خوشنما ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ ہے جو شہر کے اندر واقع اور بہت آرام دہ ہے یہاں۔ ای۔ آئی۔ آر اور بی۔ بی۔ سی۔ آر کی چھوٹی بڑی لائن کی گاڑیوں کی آمد و رفت ہے۔ دوسرا اسٹیشن آگرہ سٹی ہے جہاں ای۔ آئی۔ آر کی اکثر گاڑیاں آتی جاتی ہیں یہ محلہ بیلن گنج اور مائی تھان کے قریب ہے تیسرا اسٹیشن آگرہ کینٹ ہے جو جی۔ آئی۔ پی ریلوے کے متعلق اور جی۔ آئی۔ پی اور ای۔ آئی۔ آر کا مقام اتصال ہے۔ چوتھا اسٹیشن عیدگاہ کے نام سے موسوم اور آگرہ فورٹ اور آگرہ کینٹ کے درمیان میں ہے پانچواں اسٹیشن راجہ منڈی ہے جو آگرہ سٹی اور آگرہ کینٹ کے درمیان میں ہے یہ محلات راجہ منڈی۔ لوہا منڈی کے قریب ہے۔ چھٹا اسٹیشن بلوچپورہ کے نام سے موسوم اور پاگل خانہ کے قریب راجہ منڈی اور سکندرہ کے اسٹیشنوں کے درمیاں میں ہے ساتواں اسٹیشن جمنا پار جمنا برج کے نام سے موسوم اور ٹونڈلہ کے راستہ میں ہے۔

آگرہ کے بازار

آگرہ میں کثرت سے بازار ہیں سب سے بڑا اور آباد بازار جامع مسجد سے پھلٹی تک ہے جو زیر جامع مسجد۔ تکونیہ بازار۔ جوہری بازار۔ بازار نیچہ بندان۔ کسیرٹ بازار۔ کناری بازار سیب کا بازار۔ کشمیری بازار۔ پھلٹی بازار کا مجموعہ ہے یہاں ہر قسم کے کپڑے۔ جوتے دریاں۔ برتن۔ گوٹا پٹھا۔ مٹھائی زیورات اور دیگر ولایتی چیزوں کی دوکانیں ہیں۔ رادت پاڑہ میں پسر ہٹہ کی دوکانیں ہیں اور لوہے کی اشیاء کی دوکانیں۔ زیادہ تر لوہا منڈی اور بیلن گنج میں ہیں۔ غلہ کی سب سے بڑی منڈی سمن گنج اور فلیپ گنج اور بیلن گنج

ہیں ہے۔ برف کے کارخانے۔ ساہوکارہ اور ملوں کا صدر مقام ہیلین گنج ہے۔ چھاؤنی کا بڑا بازار صدر بازار کے نام سے موسوم ہے تاجگنج۔ نائی منڈی۔ لوہا منڈی۔ شاہ گنج وغیرہ میں جداگانہ معمولی بازار ہیں۔

مسلم شوارکٹ

سنہ ۱۹۳۰ء میں انجمن تاجران جنت آگرہ نے محلہ ہیلنگ منڈی میں ڈلیشو ڈروڈ پر ایک عالی شان مسلم شوارکٹ تعمیر کرایا ہے جو نہ صرف آگرہ بلکہ غالباً ہندوستان کی اسلامی تجارتی دنیا میں متحدہ کو مشش کا نقش اول اور انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ہر قسم کی تجارتی ترقی کی بسم اللہ ثابت ہوگا یہ کسی شخص واحد کی ملکیت نہیں بلکہ انجمن مذکور کی ملکیت سمجھنا چاہیئے انجمن کے ممبران نے ایک مقررہ رقم بالاقساط ادا کردی اس رقم سے عمارت تعمیر ہونا شروع ہوئی۔ اس کے بعد ہر دوکان کا خود ممبران کے درمیان میں نیلام ہوکر بقیہ رقم فراہم کی گئی اب ہر ممبر مشتری نیلام اپنی اپنی دوکان پر بلا کسی کرایہ کے قابض ہے۔ اس طرح ایک نہایت معمولی رقم ادا کرکے ہر ممبر کو جو اس سے پیشتر بیش قرار ماہوار کرایہ ادا کرتا تھا کرایہ سے سبکدوشی حاصل ہوگئی یہ سب کارروائی اور تجاویز و تعمیر انجمن کے سرگرم اور قابل قدر سکرٹری منشی خادم علی خاں صاحب میونسپل کمشنر کی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کا نتیجہ ہے جو یقیناً ان کے نام نامی کو تا قیامت نیکنامی کے ساتھ روشن رکھیگا۔ اس مارکٹ میں تقریباً دو سو دوکانیں اور دو شاندار صدر دروازہ ہیں۔ ایک عالی شان دو منزلہ مسجد زیر تعمیر ہے جس کا حصہ زیرین سنگ سرخ کا اور دوسری منزل خالص سنگ مرمر کی ہے اور غالباً تیسری منزل پر مدرسہ تعمیر ہوگا۔ ایک گھنٹہ گھر بھی زیر تعمیر ہے ڈاک خانہ اور بنک وغیرہ کی عمارتیں بھی زیر تجویز ہیں۔

آگرہ کی صنعتیں اور سوغاتیں

شاہی عہد میں آگرہ میں کثرت سے عمدہ ریشمی۔ سوتی کپڑا بنا جاتا تھا۔ ۲۰-۲۵ برس پیشتر تک نہ صرف شمالی ہند بلکہ دور دراز تک آگرہ کی ریشمی اور سوتی سوسیاں اور دریائی جایا کرتی

تھیں۔ تمام شرفا اور اعلیٰ خاندانوں میں اسی کا رواج تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس صنعت کا خاتمہ ہو گیا جو کاریگر مرتا گیا اُس کا کوئی جانشین پیدا نہ ہوا اب بمشکل دو چار کاریگر اس صنعت کی یادگار باقی رہ گئے ہیں جو چراغِ سحری کے مصداق ہیں۔ غربا کے واسطے بادلہ کی فوق البھڑک مگر کم قیمت دوپٹہ اور اوڑھنیاں عام تھیں اُن کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دری اور قالینوں کی صنعت اس وقت تک موجود ہے۔ کاریگر علی العموم مسلمان اور تجار ہندو ہیں اعلیٰ۔ ادنیٰ ہر قسم کی دریاں جاء نمازیں تیار ہوتی اور غیر ممالک تک جاتی ہیں۔

گوٹا۔ پٹھا۔ کندلہ کشی۔ زردوزی کی صنعتیں موجود مگر تنزل پذیر ہیں۔ اس وقت سب سے بڑی صنعت جوتوں کی ہے۔ شہر میں سیکڑوں جوتوں کی فیکٹریاں جاری ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ انگریزی جوتہ آگرہ میں تیار ہوتا ہے۔ انگریزی جوتے کے ہندوستان میں آگرہ سب سے بڑی منڈی ہے مگر جاپان نے اس کا مقابلہ شروع کر دیا ہے اور اس کے سستے جوتوں کے مقابلہ میں اس صنعت کے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

آگرہ کی سنگ تراشی اور پچیکاری شہرۂ آفاق ہے اور اب بھی اس کے اعلیٰ کاریگر موجود ہیں۔ لکڑی کے سنگار دان چینی کی ہانڈیاں۔ مٹی کی صراحیاں اور ٹوپیاں بھی اچھی بنتی ہیں دری۔ دریائی۔ دال موٹھ۔ پیٹھے کی مٹھائی قدیم زمانہ سے چار سو غاتیں آگرہ کی مشہور چلی آتی ہیں مگر دریائی تو اب دریا برد ہو گئی۔ اُس کی جگہ جوتوں کی گرم بازاری ہے۔

آگرہ کے محلات حویلیاں محلے اور مردم شماری

مردم شماری کے لحاظ سے صوبہ متحدہ میں لکھنؤ۔ بنارس اور کانپور کے بعد آگرہ کا چوتھا نمبر ہے۔ شہر کی موجودہ آبادی کوتوالی۔ چھتہ۔ تاج گنج۔ رکاب گنج۔ ہری پربت۔ لوہا منڈی چھ میونسپل حلقوں اور ایک چھاؤنی کل سات حصوں پر منقسم ہے جس کا کل رقبہ ۱۳۸۵۸ ایکڑ مربع ہے۔ غدر سے قبل شہر میں کل ۳۰۸ چھوٹے بڑے محلے تھے لیکن اب ۲۵۲ ہیں ان میں

محلات ذیل مغلیہ عہد کے اُمرا کے نام سے موسوم ہیں۔

مدرسہ شاہی (مغلیہ عہد میں شاہی مدرسہ تھا جو عہد اکبری میں جاری ہوا تھا) پرتاب پورہ (راجہ پرتاب سنگھ پسر راجہ جان سنگھ کا آباد کردہ) جے سنگھ پورہ (آباد کردہ مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہا) زین خاں (زین خاں کوکہ) سلطان گنج و سلطان پورہ (آباد کردہ سلطان پرویز پسر جہانگیر) شاہ گنج (شاہجہاں بادشاہ) حویلی بہادر خاں (بہادر خاں روہیلہ شاہجہانی) کٹرہ وزیر خاں (نواب وزیر خاں عہد شاہجہانی) کالا محل (راجہ گج سنگھ راٹھور عہد شاہجہانی) باغ مظفر خاں (نواب مظفر خاں عہد اکبری) چتی خانہ جو اصل میں ستی خانہ تھا (ستی النساء خانم سہیلی ممتاز محل کا آباد کردہ) کٹرہ خان خان (نواب عبدالرحیم خاں خانخاناں) منڈی سعید خاں (نواب سعید خاں چغتا عہد اکبری) شہزادی منڈی (شاہزادی جہاں آرا بیگم) ٹیلہ اجمیری خاں (اجمیری خاں عہد اکبری) حمام الہ وردی خاں (الہ وردی خاں) حویلی خوجہ اصل میں حویلی خواجہ تھی (خواجہ غلام محی الدین) حویلی کبیر خاں (نواب کبیر خاں عالمگیری) قندھاری (قندھاری بیگم زوجہ شاہجہاں) قتلو پور (قتلق قدم خاں اختہ بیگی اکبری)

شاہی زمانہ میں آگرہ میں اُمرائے شاہی کی سیکڑوں عالی شان حویلیاں موجود تھیں مگر افسوس کہ اب کوئی حویلی اصلی حالت پر قائم نہیں دو تین حویلیوں کے صرف نشانات اور آثار باقی رہ گئے ہیں غدر سے پہلے حسب ذیل حویلیوں کی کچھ نہ کچھ آثار اور عمارت باقی تھی جن کا ذکر منشی سیل چند نے اپنی تاریخ آگرہ میں کیا ہے۔ حویلی آصف خاں۔ حویلی عارف خاں حویلی معظمہ بیگم۔ حویلی فاتحہ خاں۔ حویلی شجاعت خاں۔ حویلی خواجہ مبارک۔ حویلی جمال خاں قرول حویلی کبیر خاں عالمگیری۔ حویلی سید خان جہاں بارہ۔ نو محلہ امر سنگھ۔ حویلی باقی خاں۔ حویلی لشکر خاں (کچہری کلکٹری) حویلی مخلص خاں۔ مٹیا محل (پولیس اسٹیشن رکابگنج معہ ملحقات) حویلی خاں دوراں خاں۔ حویلی دلوان جی (راجہ ٹوڈرمل لب دریائے جمن) حویلی مہابت خاں۔ حویلی ہمت خاں حویلی اسلام خاں۔ دتی (گلڈ ہل پارک) حویلی امیر خاں۔ حویلی بہادر خاں روہیلہ۔ حویلی راجہ بیربر جیل

مرزا ایزد بخش رسا۔ حویلی ۲۴ دارا شکوہ۔ حویلی ۲۵ سلیمان شکوہ۔ حویلی ۲۶ مبارک منزل (بیلن گنج) حویلی ۲۷ شایستہ خاں۔ حویلی ۲۸ بہمن یار خاں۔ حویلی ۲۹ جعفر خاں۔ حویلی ۳۰ معظم خاں۔ حویلی ۳۱ خلیل اللہ خاں حویلی ۳۲ موسوی خاں صدر۔ حویلی ۳۳ شاہ نواز خاں۔ حویلی ۳۴ خیر النسا بیگم۔ حویلی ۳۵ خواجہ جہاں ولد خواجہ عبد الہادی۔ حویلی ۳۶ سید جلال بخاری۔ حویلی راجہ مان سنگھ۔

مردم شماری

آگرہ کی سب سے پہلی مردم شماری ۱۸۴۹ء میں ہوئی تھی اس وقت ۱۶۷۰۳۸ (اسٹیلا جیمز آگرہ مورخہ ۶ اگست ۱۸۴۹ء) کی آبادی تھی اس کے بعد ۱۸۵۳ء میں مردم شمار ہوئی اسوقت ۱۲۲۶۲ ۱۸۶۵ء میں ۱۴۲۶۶۱ ۱۸۸۱ء میں ۲۰۳۰۲۶ ۱۸۹۱ء میں ۲۲۶۸۶۲ ۱۹۰۱ء میں ۲۲۰۸۰۱ ۱۹۱۱ء میں ۱۸۵۴۹۵ اور ۱۹۲۱ء کی آخری مردم شماری میں ۱۸۵۳۲ نفوس کی آبادی تھی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ۵۷۷۲۰ ۱۹۱۱ء میں ۵۹۱۵۹ اور ۱۹۲۱ء میں ۵۶۳۹۲ مسلمانوں کی آبادی تھی ۲۶ فروری ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے جو عارضی مجموعی اعداد شائع ہوئے ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حدود میونسپل بورڈ آگرہ ۱۳۲۹۶ مرد ۹۲۱۶۸ عورتیں جملہ ۲۰۵۴۶۴ حدود چھاؤنی ۱۴۵۵۴ مرد اور ۱۰۷۲ عورتیں جملہ ۲۶۷۲۴۔ میزان کل آبادی شہر و چھاؤنی ۲۰۱۹۰۳۰۔ مذہب وار اعداد ہنوز شائع نہیں ہوئے۔

باب یازدہم

آگرہ کا ضلع اور اُس کے تاریخی مقامات

اس ضلع کا عمدہ حلیہ باب اول میں بیان ہو چکا ہے۔ قرب وجوار میں ریاستوں کے واقع ہونے کی وجہ سے اس ضلع کا نقشہ نہایت غیر متعین ہے۔ دریاؤں کی وجہ سے اس ضلع کے کئی حصے ہو گئے ہیں۔ دریائے جمنا ضلع آگرہ کا سب سے بڑا دریا ہے جو اس ضلع میں ۱۴۵ میل بہتا ہے ضلع آگرہ کی چھوٹی چھوٹی ندیاں جھرنا۔ سرسا۔ سینگر۔ بان گنگا یا اٹنگن ندی۔ پاربتی ندی۔ کھاری ندی سب اسی جمنا میں مل جاتی ہیں جمنا کے علاوہ دریائے چمبل بھی اس ضلع میں بہتا ہے جو ضلع اٹاوہ میں جا کر جمنا سے مل گیا ہے۔ ضلع بھر میں کوئی بڑی جھیل نہیں ہے البتہ تحصیل کھیر اگڈھ۔ فتح آباد۔ باہ اور کرادلی میں چند چھوٹی چھوٹی جھیلیں موجود ہیں۔ دریا

اس ضلع کے پرگنات آگرہ۔ فتح آباد۔ کرادلی اور کھیر اگڈھ میں جمنا کی نہر موسومہ آگرہ کینال لوئر ڈویژن اور اُس کی شاخیں جاری ہیں۔ پرگنات اعتماد پور اور فیروز آباد میں راجستھان گنگا کی نہریں موجود ہیں ضلع بھر میں صرف ایک پرگنہ باہ ایسا ہے جس میں کوئی نہر موجود نہیں ہے نہریں

اِن نہروں کی وجہ سے یہ ضلع خوب سرسبز و شاداب ہو گیا ہے۔

دریاؤں کی وجہ سے یہ ضلع چار قدرتی حصّوں میں منقسم ہے۔ اول دوآبہ یعنی گنگا اور جمنا کا درمیانی ملک جس میں دو تحصیلیں اعتماد پور اور فیروز آباد واقع ہیں دوسرا وسطی میدان یہ حصّہ جمنا اور بان گنگا کے درمیان میں واقع ہے اِس میں صدر تحصیل آگرہ تحصیل کرادلی۔ تحصیل فتح آباد اور تحصیل کھیر اگڈھ کا بڑا حصّہ ہے۔ تیسرا بھدا ور یہ حصّہ جمنا قدرتی حصے

بان گنگا اور جمبل کے درمیان میں ہے اور اس میں تحصیل باہ واقع ہے چوتھا حصہ کھیر اگڈھ کا وہ ٹکڑا ہے جو بان گنگا کے جنوب و مغرب اور ریاست ہائے بھرت پور اور دھول پور کے درمیان میں واقع ہے

ریلوے

ضلع آگرہ میں ایسٹ انڈین ریلوے (ای۔ آئی۔ آر) گریٹ انڈین پنسلا ریلوے (جی آئی۔ پی) بمبئی بروڈہ سنٹرل انڈیا ریلوے (بی۔ بی اینڈ سی۔ آئی۔ آر) (بڑی اور چھوٹی لائن) تین ریلوے لائنیں جاری ہیں۔

اس ضلع میں کچی سڑکوں کے علاوہ حسب ذیل پختہ سڑکیں ہیں اوّل آگرہ سے اعتماد پور اور فیروز آباد ہوتی ہوئی ضلع مین پوری کان پور کو گئی ہے۔ دوسری آگرہ سے کھندولی سعد آباد ہوتی ہوئی علی گڈھ چلی گئی ہے تیسری آگرہ سے سکندرہ رنکتہ ہوتی ہوئی متھرا کو چلی گئی ہے۔ چوتھی آگرہ سے اچھنیرہ ہوتی ہوئی بھرت پور کو گئی ہے۔ پانچویں آگرہ سے مڈھاکرا دلی ہوتی ہوئی فتحپور سیکری گئی ہے چھٹی آگرہ سے کگوہ ہو کر دھولپور گئی ہے ساتویں آگرہ سے فتح آباد باہ ہوتی ہوئی اٹاوہ کو چلی گئی ہے۔

پہاڑ اور کانیں

ضلع آگرہ میں پہاڑ بہت کم ہیں صرف کرادلی اور کھیر اگڈھ کی تحصیلوں میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جن میں پتھر کی کانیں ہیں ان سب سے مشہور نانت پور اور پہاڑ پور کی کانیں ہیں جو تحصیل کھیر اگڈھ میں واقع ہیں ان کانوں سے اعلیٰ درجہ کا سنگ سرخ نکلتا ہے تحصیل کرادلی کے چند مواضعات اور فتحپور سیکری میں بھی پتھر نکالا جاتا ہے جو زیادہ تر چکی بنانے کے کام میں آتا ہے۔

تحصیلیں اور قصبات

ضلع آگرہ میں صدر تحصیل آگرہ۔ اعتماد پور۔ فیروز آباد۔ باہ۔ فتح آباد۔ کھیر اگڈھ اور کرادلی سات تحصیلیں واقع ہیں۔ قصبات اس ضلع میں بہت کم ہیں صرف فیروز آباد ایک بڑا قصبہ ہے جس میں میونسپلٹی اور فتحپور سیکری میں ٹاؤن ایریا (قصبہ مشتہرہ) جاری ہے۔ ان کے علاوہ فتح آباد۔ باہ۔ پنا ہیٹ۔ اچھنیرہ۔ جگنیر۔ ٹونڈلہ اور اعتماد پور اور مس آباد میں ٹاؤن ایریا ہے

اس ضلع کی مردم شماری سب سے پہلے ۱۸۳۱ء ہوئی تھی اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں دوسری مرتبہ مردم شماری ہوئی۔ جب سے اب تک کی مردم شماری کی تعداد حسب ذیل ہے

نام سنہ	مردم شماری	مسلمان	دیگر
سنہ ۱۸۴۲ء	۶۱۴۳۹۳		
سنہ ۱۸۵۳ء	۱۰۰۱۹۶۱		
سنہ ۱۸۷۲ء	۱۰۷۶۰۰۵		
سنہ ۱۸۸۱ء	۹۷۴۶۵۶	۹۹۵۰۹	۸۷۴۸۴۷
سنہ ۱۹۰۱ء	۱۰۶۰۹۴۶	۱۱۳۴۸۳	۹۴۷۰۶۳
سنہ ۱۹۱۱ء	۱۰۲۱۵۴۷	۱۱۴۵۴۹	۹۰۷۲۹۸
سنہ ۱۹۲۱ء	۹۲۴۱۵۵	۱۱۰۱۴۱	۸۱۴۰۱۴

اس مردم شماری میں ۶۰۷ فی ہزار زراعت پیشہ۔ ۱۸۱ فی ہزار دستکار۔ ۸۱ فی ہزار تجارت پیشہ اور ۱۴ فی ہزار دیگر پیشہ کے لوگ ہیں۔ زراعت پیشہ لوگوں میں مسلمان دستکار صرف تین فیصدی ہیں۔

۲۶ فروری سنہ ۱۹۳۱ء کے کل ضلع کی مردم شماری کے عارضی شائع شدہ اعداد ۹۶۳۴۸۴ ہیں۔ ضلع کے خاص خاص مقامات کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

قصبہ فتحپور سیکری

باعتبار آثار قدیمہ اس قصبہ کو جو تحصیل کراولی میں آگرہ سے ۲۳ میل اور ریلوے سٹیشن بھنیرہ سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر واقع ہے نہ صرف اس تمام ضلع بلکہ کل شمالی ہند کے قصبات میں خاص فوقیت حاصل ہے کیونکہ کسی جگہ اتنا بڑا مجموعہ ایسی نفیس و عالیشان عمارات اور مکانات کا موجود نہیں ہے جیسا فتحپور میں ہے۔ اس کے قریب جو موضع سیکری آباد ہے

یہہ عہد سلف میں سرکار بیانہ کے متعلق ایک مشہور قصبہ تھا۔ اسی قصبہ کے قریب موضع خانواں (ریاست بھرت پور) میں ۱۳ جمادی الثانی ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء کو سلطان بابر نے رانا سانگا کو شکست دی تھی، ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء کو اسی مقام پر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے مکان پر شاہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا اور اکبر اعظم کے حکم سے شیخ موصوف کی خانقاہ اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء کو اکبر اعظم نے شاہزادہ مذکور کی پیدائش کی یادگار میں فتحپور کی بنیاد رکھی تھی اور فتح آباد اس کا نام رکھا۔ بتدا دار الخلافت مقرر فرمایا اور کاغذات شاہی میں دار الخلافت۔ دار السرور۔ دار النور۔ دار الاقبال وغیرہ کے خطاب کے ساتھ اس کا نام لکھا جانے لگا۔ چونکہ عوام میں اس کا نام فتحپور مشہور ہو گیا لہذا بادشاہ نے بھی فتح گجرات کے بعد اسی نام کو منظور فرمالیا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ جدید شہر ایسا آباد ہوا کہ تمام شہروں کا سرتاج ہو گیا۔ اگرچہ اخیر زمانہ میں اکبر نے اکبر آباد میں زیادہ رہنا شروع کر دیا تھا لیکن ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء تک فتحپور میں بھی قیام رہا۔ اس کے بعد اس کی آبادی کا تنزل شروع ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۵۱۷۳ تھی جس میں ۱۹۰۸ مسلمان تھے فروری ۱۹۳۱ء کے شائع شدہ اعداد کے مطابق موجودہ آبادی ۷۰۰۸ ہے۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں راقم الحروف نے اس قصبہ اور دیگر مقامات ملحقہ کی عمارات وغیرہ کی مفصل تاریخ قلمبند کر کے شائع کی تھی جو آثار اکبری یا تاریخ فتحپور سیکری کے نام سے موسوم اور ۲۲۸ صفحہ کی کتاب ہے اس کے بعد اس کا خلاصہ رہنمائے فتحپور سیکری کے نام سے بھی شائع کیا گیا۔ اس جگہ صرف مشہور عمارات کے نام لکھے جاتے ہیں۔

درگاہ شریف حضرت شیخ سلیم چشتیؒ معہ بلند دروازہ و مسجد قدیم۔ دولت خانہ خاص و تمام شاہی۔ آنکھ مچولی۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ پنچ محلہ۔ محل مریم الزمانی یا سنہرا مکان شفاخانہ۔ نگینہ مسجد۔ محل جودھا بائی۔ محل بیربل۔ مکان ترکی سلطانہ۔ سنگین نقار خانہ۔ تمن برج۔ ہتیا پول۔ ہرن مینار۔ کارخانہ آبرسانی۔ حکیموں کے محل

(حمام) بارہ دری ٹوڈرمل - رنگ محل وغیرہ - فتحپور میں پولیس اسٹیشن کے علاوہ ایک شفاخانہ اور ورنکیولر مڈل اسکول بھی ہے - آگرہ سے ہر وقت لاریاں آتی جاتی رہتی ہیں اور صبح و شام دو مرتبہ ریل کی بھی آمد و رفت ہے - آگرہ کے ہر سیاح کو فتحپور سیکری کی سیر کرنا ضروری ہے -

قصبہ فیروز آباد

فیروز آباد ضلع آگرہ کا سب سے بڑا اور سرسبز تجارتی قصبہ ہے جس کو شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں فیروز خاں خواجہ سرا نے جس کا حال مقبرہ و تالاب فیروز خاں کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے آباد کیا تھا - یہ آگرہ مین پوری کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل فیروز آباد کا صدر مقام ہے - اس کی آبادی اور رونق روز افزوں ترقی پر ہے ۱۸۴۷ء میں صرف ۱۱۰۹۲ کی آبادی تھی جو ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۱ء میں ۲۰۱۰۳ ہو گئی اس میں ۱۵۸۲۰ مسلمان تھے - فردری ۱۹۳۱ء کے عارضی شائع شدہ اعداد کے بموجب موجودہ مردم شماری ۲۳۳۱۹ ہے -

قصبہ میں ریلوے اسٹیشن - پولیس اسٹیشن - شفاخانہ - تحصیل اسکول - رامچندر ہائی اسکول اور کئی کالجیں اور کارخانے جاری ہیں - یہاں کے پنکھے اور کانچ کی چوڑیاں مشہور اور دور دور تک جاتی ہیں - ۲ سے لیکر ۵۰ بلکہ جس قیمت کا چاہو پنکھا تیار ہو سکتا ہے جامع مسجد صحن چاہ پختہ بانی قصبہ کی یادگار ہے جس کی مرمت انگریزی عہد میں غازی الدین خاں مرحوم نے فیروز آباد سے کرائی تھی - آبادی کے قریب موضع وزیری کے سوانہ میں ہمت خاں صوبہ دار کا مقبرہ واقع ہے موضع علی نگر کینچرہ میں راجہ ٹوڈرمل کی بنائی ہوئی سرائے اور تالاب اور چاہ پختہ تھا جن میں اب چاہ پختہ اور تالاب کے آثار باقی ہیں

قصبہ فتح آباد

قصبہ فتح آباد آگرہ و اٹاوہ کی سڑک پر آگرہ سے ۲۱ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل فتح آباد کا صدر مقام ہے جس میں تحصیل اسکول شفاخانہ اور پولیس اسٹیشن بھی موجود ہے ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء کو اس مقام پر جہاں اب قصبہ آباد ہے اورنگ زیب کی فوج کا پڑاؤ تھا اسی تاریخ کی جنگ سموگر کی فتح کی یادگار میں اورنگ زیب نے دوسرے سال اس قصبہ کو آباد کرا کر ظفر نگر اس کا نام رکھا جو آخر کار فتح آباد مشہور ہو گیا۔ اس کی مردم شماری ۱۸۹۱ء میں ۴۴۴۱ تھی اب صرف ۳۸۵۷ کی آبادی ہے جس میں ۹۰۷ مسلمان ہیں۔ یہاں شاہ اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک عالیشان مسجد اور ایک سنگین و پختہ تالاب اور باغ اور ایک عالی شان سرائے موجود ہے۔ سرائے میں اب تحصیل ہے۔ باغ کا طول عرض ۳۵۴ گز اور رقبہ ۵۳ بیگھہ یا ۲۸ ایکڑ ۲ رڈ ۱۴ پول ہے۔ اس کے اندر ایک سنگین بارہ دری بنی ہوئی تھی اور دروازہ بھی عالیشان تھا۔ تالاب کا طول ۲۴۱ گز اور عرض ۱۲۵ گز تھا اس میں پختہ چار دیواری اور سنگین برج تھے یہ باغ مسجد کے اخراجات کے واسطے اب تک معاف چلا آتا ہے۔ اور تالاب کھد گیا۔

قصبہ اعتماد پور

قصبہ اعتماد پور آگرہ مین پوری کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۱۳ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل اعتماد پور کا صدر مقام ہے۔ اس قصبہ کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں مجھول ملک خواجہ سرائے جو سلیم شاہ سور کے زمانہ میں محمد خاں اور اکبر کے وقت میں اعتماد خاں کے خطاب سے موصوف اور منصب ہزاری پر سرفراز تھا آباد کیا تھا اس قصبہ کے قرب و جوار میں کثرت سے بودھوں اور جینیوں کی مورتیں نکلتی ہیں موجودہ قصبہ کی مردم شماری ۱۲۰۶ ہے

جس میں ۶۰۵ مسلمان ہیں اس میں تین گنبد کی جامع مسجد اور ایک وسیع تالاب اور مقبرہ بانی کی یادگار ہیں اب تک موجود ہے۔ اعتماد خاں اول خالصات شاہی کا مہتمم تھا اس کے بعد بھکر کا حاکم مقرر ہوا۔ ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں یہ اپنے ایک نوکر مقصود علی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی مقبرہ میں جو لب تالاب شمالی جانب واقع ہے مدفون ہوا۔ مقبرہ کا گنبد خوشنما ہے اور تعویذ مزار پر آیات قرانی کندہ ہیں یہ تالاب اب بڑھیا تال کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت شیریں سنگھاڑہ پیدا ہوتا ہے اور فصل ربیع کی زراعت بھی ہوتی ہے اس میں چاروں طرف پختہ سیڑھیاں اور درمیان میں ایک دو منزلہ گنبد دار نشستگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک پل کے ذریعہ سے جو شمالی جانب بنا ہے اس نشستگاہ تک پہنچتے ہیں۔ بڑھیا تال کا رقبہ ۲۱۴۳۲۰ گز مربع یا ۴۴ ایکڑ ۳ روڈ ۲۴ پول ہے بڑھیا تال کے وجہ تسمیہ میں عجیب و غریب خیال آرائیاں کی گئی ہیں میری رائے میں اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ چونکہ خواجہ سرا کا تعمیر کردہ ہے جن کی شکل علی العموم بڑھیوں کی سی ہوتی ہے لہذا بڑھیا کا تال مشہور ہو گیا۔

قصبہ جگنیر

قصبہ جگنیر تحصیل کھیر اگڈھ میں آگرہ سے ۳۱ میل پر واقع ہے اس کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۳۰۹۹ تھی جس میں ۱۸۵ مسلمان اور باقی ہندو تھے۔ یہاں بالائے کوہ راجہ جگن یا جگ مل بانی قصبہ کے زمانہ کا ایک ویران قلعہ واقع ہے جو ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء کا تعمیر کردہ اور اب بہت شکستہ حالت میں ہے اس کی اراضی ۱۰۶۹ گز (معماری) مربع ہے اس کے اندر الہ وردی خاں کی بنائی ہوئی چند عمارتیں بھی واقع تھیں جو جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کا ایک مشہور امیر تھا۔ سب سے زیادہ مشہور ایک تالاب تھا جسے الہ وردی خاں مذکور نے بنوایا تھا یہ تالاب اب کھد گیا۔ گوال بابا نام ایک فقیر کا مندر اور گوپھا اب تک موجود و مشہور ہے۔ قصبہ مذکور میں سنگین بازار اور پولیس اسٹیشن واقع ہے۔ اور ایک باولی راجہ سورجمل

جاٹ والی بھرت پور کی تعمیر کردہ ہے۔

قصبہ پناہٹ

قصبہ پناہٹ تحصیل باہ میں دریائے چمبل کے کنارہ آباد اور آگرہ سے ۳۳ میل اور باہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی مردم شماری ۱۸۵۳ء میں ۷۰۴۷ تھی جو گھٹتے گھٹتے ۱۹۲۱ء میں ۳۵۰۱ رہ گئی جس میں ۳۷۵ مسلمان اور باقی ہندو ہیں ۱۸۸۲ء تک یہ قصبہ تحصیل کا صدر مقام تھا۔ اس میں قدیم زمانہ کا ایک ویران و شکستہ قلعہ اور کئی مندر واقع ہیں جو راجہ بخت سنگھ راجہ ہمت سنگھ۔ راجہ گوپال سنگھ راجگان بھدا ور کے بنائے ہوئے ہیں۔ قلعہ کے قریب ایک بزرگ کا مزار بھی واقع ہے جس کی ہندو مسلمان دونوں تعظیم کرتے ہیں۔

بٹ الیشر

موضع بٹ الیشر تحصیل باہ میں دریائے جمنا کے کنارہ پر آگرہ سے ۴۱ میل اور باہ سے ۲ میل اور ریلوے اسٹیشن شکوہ آباد سے نو دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ غالباً ضلع آگرہ میں سب سے پرانا مقام ہے جو زمانہ سلف میں بہت بڑا شہر اور سورج پور یا سریا پور کے نام سے موسوم تھا اسے راجہ سورا سینا نے جو راجہ راجندر والی اجودھیا کا بھتیجہ تھا آباد کیا تھا اس کے کھنڈرات میں اکثر پرانے زمانہ کے سکے اور جینیوں اور بودھوں کے زمانہ کی مورتیں نکلتی ہیں۔ یہ اب بھی ہندوؤں کا متبرک مقام اور اپنے کاتکی اشنان کے میلہ کی وجہ سے جو اس نواح میں مویشیوں کا سب سے بڑا میلہ ہے دور دور تک مشہور ہے۔ راجہ بدن سنگھ بھدوریہ کے وقت میں جو شاہجہاں بادشاہ کے وقت

لہ بھدا ور اس قطعہ ملک کا نام ہے جو دریائے جمنا اور دریائے چمبل کے درمیان اور کچھ حصہ چمبل کے پار واقع ہے جس میں بھدوریہ گوت کے راجپوت آباد ہیں۔ کل علاقہ تحصیل باہ اور کچھ علاقہ ریاست کوالیار کا بھدا ور میں داخل ہے۔

میں بھدا ور کا مشہور راجہ اور منصب ہزار و پانصدی پر سرفراز تھا یہہ شہر بخوبی آباد تھا۔ بٹ الیشر مہادیو کا مشہور مندر اسی راجہ کا بنوایا ہوا ہے جو سنہ ۱۶۴۲ء میں تعمیر ہوا۔ راجہ بخت سنگھ اور اُس کے دیوان ٹھاکر بہاری نے سنہ ۱۷۰۳ء میں مندر بنوائے اور بھی بہت سے مندر اور دریا کے کنارہ ایک میل تک خوشنما بسراتیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں پر دریا تین چار میل تک اُلٹا بہتا ہے اور اُسی کے کنارہ پر مضبوط پختہ چبوترہ پر محلات و مندر اور بسراتیں بنی ہوئی ہیں جن کا منظر نہایت خوشنما ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھدا ور کے کسی راجہ نے اس جگہ دریا کا منہ موڑ کر یہہ مضبوط بند بندھوایا ہے۔ برسات کے ایام میں دریا ان بسراتوں سے خوب ٹکر کھاتا ہے اور جب پانی کا بہت زور ہوتا ہے تو سیڑھیوں اور چبوتروں پر ہوتا ہوا اپنے قدیم اور سیدھے بہاؤ پر بہنے لگتا ہے۔ یہاں ایک قلعہ بھی تھا جس کے کچھ کھنڈر اب تک موجود ہیں اس موضع کی مردم شماری سنہ ۱۹۲۱ء میں ۲۱۷۳ تھی جس میں ۴۰ مسلمان تھے۔

ہتکانت

یہ قدیم موضع تحصیل باہ میں جمیل کے کنارہ پر آگرہ سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اکبر کے عہد میں پرگنہ کا صدر مقام تھا جہاں دو ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے رہتے تھے۔ اسے ہتیا میو نے آباد کیا تھا۔ راجہ راوت نے ان لوگوں کو یہاں سے نکال کر اپنا قبضہ کیا۔ اس کے بعد بھدوریا راجپوت قابض ہوئے جو زمانہ قدیم سے شجاعت و دلاوری میں مشہور اور اکثر شاہان دہلی سے سرتابی کرتے رہتے تھے۔ سنہ ۸۳۳ھ / ۱۴۲۹ء میں سید مبارک شاہ اور اس کے بعد سکندر لودی نے ان لوگوں کی سرکوبی کی۔ اکبر کے عہد اور سنہ ۳ جلوس میں آدم خاں کو یہہ پرگنہ جاگیر میں ملا اور اُس نے اس قوم کے سرگروہ کو جو نہایت مفسد تھا گرفتار کر کے دربار شاہی میں بھیجدیا اور بادشاہ کے حکم سے مکنٹمن بھدوریہ قوم کا سرگروہ مقرر کیا گیا۔ یہاں اکبر کے عہد میں ایک قلعہ موجود تھا جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اسکی مردم شماری سنہ ۱۹۲۱ء میں صرف ۱۵۳ تھی۔ تمام

پرگنہ میں اسی موضع کا قاضی نکاح پڑھاتا ہے۔

چندوار

موضع چندوار قصبہ فیروز آباد سے تین چار میل کے فاصلہ پر دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع اور عہد سلف میں بڑا شہر تھا جسے راجہ چندر سین نے آباد کیا تھا۔ اسی جگہ ۱۱۹۱ھ / ۱۱۹۴ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری اور مہاراجہ جے چندر راٹھور والی قنوج سے لڑائی ہوئی تھی جس میں مہاراجہ جے چند مارا گیا اور سلطان نے فتح پائی۔ ۸۰۳ھ / ۱۴۰۱ء میں سلطان بہلول لودی اور سلطان حسین شرقی سے اسی مقام پر مقابلہ ہوا جس میں آخر کار چند روز کے واسطے صلح ہوگئی۔ اس کے قرب وجوار میں دور تک شکستہ مساجد اور مقابر اور مناور وغیرہ کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ آثار قدیمہ میں چوہانوں کے عہد کے ایک قلعہ کے آثار نہایت بلندی پر موجود ہیں جس میں ایک مسجد بھی ہے اس مسجد میں مغلیہ عہد کے سیاحوں کے دستی تحریریں موجود ہیں۔

فیروز آباد کے آباد ہونے سے پیشتر تک یہ پرگنہ کا صدر مقام تھا جس میں بہت سے مسلمان جن میں زیادہ تر شیخان بختیاری تھے آباد تھے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ۲۲۲۳ تھی جس میں ۹۹ مسلمان تھے

چندوار کے قریب موضع صوفی پورہ واقع ہے جو قدیم زمانہ میں غالباً چندوار کا محلہ ہوگا۔ اس موضع میں شاہ صوفی صاحبؒ نام ایک قدیم بزرگ کی درگاہ واقع ہے جن کے اصلی نام یا عہد کا باوجود تلاش بسیار راقم الحروف کو پتہ نہیں چلا البتہ یہ روایت سنی گئی ہے کہ آپ راجہ چندر سین کے زمانہ میں چندوار میں تشریف لائے تھے اور راجہ مذکور آپ کا معتقد تھا۔ درگاہ طرز عمارت سے بہت قدیم زمانہ کی معلوم ہوتی ہے جو دریا کے قریب پر فضا میدان میں اس قدر بلند ٹیلہ اور مرتفع کرسی پر واقع ہے کہ اس کا گنبد

شاہ صوفی صاحبؒ

کوسوں سے نظر آتا ہے قدیم گنبد کے قریب منشی اسرار حسن خاں صاحب شاہجہانپوری سابق تحصیلدار فیروز آباد و حال مدار المہام ریاست بھوپال نے جن کو اس درگاہ سے خاص عقیدت ہے دالان وغیرہ بنوادئے ہیں - ربیع اول کے مہینے میں دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے جس میں فیروز آباد اور قرب وجوار کے تمام ہندو مسلمان شریک ہوتے ہیں - اس درگاہ کا منظر بوجہ بلندی اور دریا کے کنارہ پر واقع ہونے کے نہایت دلچسپ اور فرحبخش ہے خصوصاً برسات کے موسم میں جبکہ چاروں طرف پانی بھر جاتا ہے درگاہ پر عجیب وغریب بہار معلوم ہوتی ہے اور کوسوں تک کا سبزہ زار پیش نظر ہونے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے - موضع صوفی پورہ شان سلف کے زمانہ سے واسطے مرمت درگاہ و مصارف روشنی و لنگر خانہ و خرچ مسافرین صادر و وارد و میلہ عرس معاف چلا آتا تھا

صوفی پورہ

انگریزی عملداری میں لغایت بندوبست آئین نہم ۱۸۳۳ء نصف موضع بنام نہاد مرمت و مصارف درگاہ معاف رہا اور نصف موضع کی دوسو پچاس روپیہ سالانہ مالگذاری خادمان درگاہ خزانہ سرکار میں داخل کرتے تھے - بندوبست آئین نہم میں صاحب مہتمم بندوبست نے کل موضع کو ضبط کرکے پانسو روپیہ سالانہ مالگذاری تشخیص کردی منجملہ اس کے دوسو پچاس روپیہ سالانہ واسطے مصارف درگاہ اس تفصیل سے خزانہ سرکار سے نقد مقرر ہوگئے

سالانہ مرمت - تنخواہ خادمان - میلہ عرس - خرچ روشنی غدر کے بعد بہ الزام بغاوت حسب تحریر عنایت حسین خاں ڈپٹی کلکٹر خادمان کی حقیت زمینداری اور یہ دوسو پچاس روپیہ سالانہ جو نقد ملا کرتا تھا ضبط ہوگیا لیکن تین سال تک معرفت تحصیلدار فیروز آباد عرس کا خرچ ملتا رہا - سنہ ۱۸۶۰ء سے نہ معلوم کس وجہ سے وہ بھی موقوف ہوگیا اب اس موضع کی خالص مالگذاری پانسو اسی روپیہ سالانہ ہے سنہ ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ۴۲۳ تھی جس میں ۶۸ مسلمان تھے

کراولی

کراولی ۱۸۵۰ء سے بجائے فتحپور سیکری کے پرگنہ اور تحصیل کراولی کا صدر مقام اور آگرہ سے ۱۵ میل اور ریلوے اسٹیشن اچھنیرہ سے ۳½ میل کے فاصلہ پر واقع اور آگرہ بیانہ ریلوے کا اسٹیشن ہے یہ موضع باغ کلاں کی اراضی میں آباد ہے جو اکبر کے عہد میں بستاں سرائے کے نام سے مشہور اور حمیدہ بانو بیگم اکبر کی والدہ کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ باغ کی باقیماندہ عمارت میں تحصیل کا دفتر ہے آبادی کے اندر ایک قدیم مسجد اور مقبرہ واقع ہے جو فیروز شاہ غازی کے نام سے موسوم ہے ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۲۱۷۳ تھی جس میں ۳۴۳ مسلمان تھے۔

اچھنیرہ

پرگنہ کراولی ضلع آگرہ کا ایک موضع ہے جو ۱۸۵۶ء تک پرگنہ فرح میں شامل تھا۔ یہ چونکہ راجپوتانہ مالوہ ریلوے کی دو شاخوں کا جنکشن اور بھرت پور کی پختہ سڑک پر واقع ہے لہذا روز بروز رونق پر ہے۔ ایکٹ ۲۰ ۱۸۵۶ء اس میں جاری اور پولیس اسٹیشن۔ شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی موجود ہے ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۵۱۲۱ تھی جس میں ۱۶۰ مسلمان تھے

اچھنیرہ میں ایک قدیم مندر ہے جو مندر نرسنگھ جی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے اخراجات کے واسطے شاہی زمانہ سے ایک معافی ملی ہوئی ہے جس کا فرمان حسب ذیل ہے

نقل فرمان معافی مندر اچھنیرہ

قل فرمان معافی مندر

مہر احمد شاہ بادشاہ غازی ۱۱۶۰ھ

زمینداران و مزارعان قصبہ اچھنیرہ مضاف صوبہ مستقر الخلافت اکبرآباد بدانند

لہ پرگنہ فرح ۱۸۵۶ء تک ضلع آگرہ میں شامل تھا اب ضلع متھرا میں ہے خاص قصبہ فرح میں حمیدہ بانو بیگم والدہ اکبر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ایک سرائے اکبر تالاب پختہ اور دو باؤلیاں موجود ہیں۔

موازی ہفتادہ بیگہ زمین معافی خارج جمع پون ارتھ بنام سیتل داس بیراگی برائے اخراجات بھوگ ونوڈ سری ٹھاکر جی دادہ شدہ باید کہ از وجہ محصول ارامنی مذکور مراسم لبتہ بہ بیراگی مسطور واگذارند کہ در صرف یا محتاج سری ٹھاکر جی می نمودہ باشد فقط۔ بنام چودھری بازار قصبہ اچھنیرہ آنکہ۔ فی گون ۰ مارغلہ بنابر ہوم ٹھاکر جیو دہ نیدہ باشد بیراگی مذکور محروم نماند۔ تحریر تاریخ غرہ رمضان سنہ ۳ جلوس والا ۱۱۳۹ھ۔

رنکتہ

موضع رنکتہ پرگنہ کرادلی میں متھرا و آگرہ کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع اور ہندوؤں کا مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تریتا جگ میں ہندوؤں کے چھٹے اوتار پرسرام نے جمدگن (यमदग्न) برہمن کی زوجہ رینکا (रेणुका) کے شکم میں جنم لیا تھا چنانچہ اس میں پرسرام کا مندر بنا ہوا ہے جہاں دسہرہ پر میلہ ہوتا ہے اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں یہ موضع خواجہ ھلال نام ایک خوجہ سرا کی جاگیر میں تھا جو بادشاہ کا میر ترک تھا اس نے ایک قلعچہ اور سرائے پختہ اور بازار یہاں تعمیر کرا کر ہلال آباد اس کا نام رکھا تھا۔ اس کی عمارت کے باقیماندہ نشانات کچھ عرصہ پیشتر تک موجود تھے۔ یہاں لب دریائے جمن ایک بزرگ کی خانقاہ نہایت عمدہ موقع پر واقع ہے جو درگاہ سخی سرور سلطان کے نام سے موسوم ہے۔ اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے بھی اس جگہ ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی تھی شاہی زمانہ میں آگرہ سے رنکتہ تک برابر آبادی اور عمارت کا سلسلہ تھا رنکتہ میں اکبر بادشاہ کی شکارگاہ بھی تھی اور اکثر امرا اور بیگمات نے عمارتیں تعمیر کرائی تھیں ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۱۹۹۲ تھی جس میں ۴۸۸ مسلمان تھے۔ یہاں ایک شاہی مسجد شکستہ حالت میں موجود اور جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے۔

جاجنو

موضع جاجنو پرگنہ کھیر اگڈھ میں اُٹنگن ندی کے کنارہ پر واقع ہے۔ یہاں ۱۸ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء کو شاہزادہ محمد اعظم شاہ اور شاہزادہ محمد معظم شاہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ آثار قدیمہ میں ایک عالیشان سرائے جو گیارہ بیگہ رقبہ میں ہے اور اس کے اندر ایک تین گنبد و تین در کی سنگین مسجد موجود ہے شمال و جنوب میں دو شاندار سنگین دروازے ہیں جن کے درمیان میں ہو کر گوالیار کی قدیم سڑک جاری تھی۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی بنا ہے یہ سرائے اور خوشنما مسجد شاہجہاں کے عہد اور ۱۰۵۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۳۹۰ تھی جس میں ۱۰۰ مسلمان تھے۔

مڈھاکر

موضع مڈھاکر صدر تحصیل آگرہ میں شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر فتحپور سیکری کی سڑک پر واقع ہے۔ یہاں اکبر بادشاہ کی بیگم سلیمہ سلطانہ بیگم کا باغ و مقبرہ واقع تھا جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا البتہ ایک چھوٹی سی تین در کی مسجد اور سنگین برج موجود ہے۔ یہ مسجد ۴۲ فیٹ لمبی اور ۲۳ فیٹ چوڑی ہے ستونوں پر اکبر کے عہد کے مشہور کتبہ نویس میر محمد معصوم کا کندہ کیا ہوا یہ کتبہ مرقوم ہے "بندگان حضرت ظل الٰہی بعد از فتح دکن بندہ را از آگرہ بہ جانب عراق و خراسان مرخص فرمودند ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء حررہ محمد معصوم بکری بن سید صفائی المتخلص بہ نامی" دیگر۔ من معدن الافکار

بختی عمر است چناں راہوار　　کش نتواں باز کشیدن مہار

نامی ازیں رہ دولت آگاہ بہ　　ساز بہ اندازہ ازیں راہ بہ

قائلہ و کاتبہ محمد معصوم النامی والبکری۔ تحریرتی شہر رمضان ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء آگرہ اور

تالاب سہارہ

مڈھاکر کے درمیان ہیں متصل آبادی موضع سہارہ ایک وسیع پختہ تالاب شاہی زمانہ کا بنا ہوا ہے مڈھاکر کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۲۵۱۴ تھی جس میں ۲۲۶ مسلمان تھے

سموگر

موضع سموگر آگرہ تحصیل میرا شہر سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر لب دریائے جمن واقع ہے اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں یہ موضع شکارگاہ تھا اور بادشاہ اور بیگمات اور امرائے شاہی شکار و تفریح یا تبدیل آب و ہوا کے واسطے یہاں آیا کرتے تھے لہذا امرا کے محلات اور شاہی عمارات اور باغات کی وجہ سے اس جگہ ایک مختصر سا شہر آباد ہو گیا تھا شاہجہاں نے یہاں اسّی ہزار روپیہ کے صرف سے باہتمام آگاہ خاں خواجہ سرا ایک دل فریب قیام گاہ بنوائی تھی اس کا حوض نہایت خوشنما اور باغ کشمیر کے مشہور باغ شالامار کا نمونہ تھا۔ یہ عمارت لب دریا آبادی سے نصف کوس کے فاصلہ پر واقع تھی۔

موضع سموگر دارا شکوہ اور عالمگیر کی پہلی لڑائی کی وجہ سے مشہور ہے۔ ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ کو اسی مقام پر دارا شکوہ کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا۔ اب کوئی قابل ذکر آثار یہاں باقی نہیں ہیں

کاگارول

کاگارول تحصیل کھیراگڈھ میں آگرہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں ایک قدیم قلعہ کے آثار پائے جاتے ہیں اور قرب و جوار میں قدیم عمارات کے منقش پتھر نظر آتے ہیں قدیم زمانہ کے اکثر مدفون سکے کتبے اور مورتیں بھی برآمد ہوتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں بڑا شہر آباد تھا۔ آبادی کے قریب شیخ عنبر نام ایک بزرگ کا مکین و خوشنما مقبرہ موجود ہے جو بارہ گنبد کے نام سے موسوم ہے آگرہ کے مشہور مخیر بزرگ خان بہادر شیخ بدرالدین صاحب اسی مقام کے باشندے ہیں۔

باہ

قصبہ باہ آگرہ سے ۴۵ میل کے فاصلہ پر آگرہ اٹاوہ کی سڑک پر واقع اور تحصیل باہ کا صدر مقام ہے یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جسے سترھویں صدی میں راجہ کلیان سنگھ بھدوریہ نے آباد کیا تھا اور اپنے قیام کے واسطے یہاں ایک محل اور باغ تعمیر کرایا تھا۔ یہاں کا مشہور مندر موسومہ مدن گوپال کا مندر راجہ بخت سنگھ بھدوریہ کا تعمیر کردہ ہے جو ۱۷۵۲ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔

کھیر اگڈھ

کھیر اگڈھ آگرہ سے ۴۱ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل کھیر اگڈھ کا صدر مقام ہے یہ ایک موضع ہے جو ایک قدیم کھیڑے پر آباد ہے۔ یہاں ایک قدیم مٹی کے قلعہ یا گڈھی کے آثار اور قریب میں دو ٹیلے موجود ہیں جن میں ایک ٹیلہ کے نام سے موسوم ہے ان میں اکثر قدیم عمارات کے منقش پتھر نکلتے ہیں

ساندھن یہ موضع تحصیل کرادلی میں اچھنیرہ سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک بلند ٹیلہ پر آباد اور نومسلم راجپوت موسومہ ملکانوں کا ضلع آگرہ میں سب سے بڑا اور مرکزی مقام ہے۔ یہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی اور ظاہر پیر ان کو ایک نومسلم بزرگ بتایا جاتا ہے) کی فرضی قبریں بنی ہیں جن پر سالانہ میلہ لگتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی قبر کے فقیر مجاوروں کے نام قدیم الایام سے کچھ اراضی معاف چلی آتی ہے۔ ۱۹۱۹ء سے انجمن محمدیہ آگرہ نے ایک مدرسہ یہاں جاری کیا ہے اور ڈھائی ہزار روپیہ کے صرف سے ایک مسجد تعمیر کرادی ہے۔

کھندولی آگرہ و علی گڈھ کی سڑک پر آگرہ اور سعد آباد کے درمیان میں واقع اور سابق میں موجودہ پرگنہ اعتماد پور کا صدر مقام تھا۔ بابر کے زمانہ میں جنا پار یعنی اعتماد الدولہ سے لیکر کھندولی تک مغلیہ آبادی تھی جو کایل کے نام سے موسوم اور موجودہ اصطلاح کے بموجب اس زمانہ کی چھاؤنی تھی اس آبادی کے تنزل کے بعد بھی مدت تک موجودہ کھندولی کایل کے نام سے موسوم رہی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

Digitized by Google

تمام شد۔

شکریہ

مفتی محمد انتظام اللہ صاحب صدیقی الشہابی ابن مفتی اکرام اللہ صاحب خطۂ مردم خیز گوپامئو کے فرزند رشید اور وہاں کے ایک قدیم علمی خاندان کی یادگار آگرہ کے مشاہیر اہل قلم سے ہیں۔ یاد وجہ اپنی سیاحانہ تجارتی مصروفیتوں اور قومی کاموں کے انہماک کے آپ کا قلم ہر وقت رواں رہتا ہے کبھی آپ کسی اخبار کی اڈیٹری کی کرسی پر نظر آتے ہیں تو کبھی مختلف رسالوں کی علمی مجالس میں رونق افروز دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف (تذکرۂ صابر۔ سوانح زیب النساء بیگم سوانح عمری حضرت غوث الاعظمؒ۔ سوانح عمری خواجہ غریب نوازؒ۔ تذکرہ علمائے گوپامئو وغیرہ) شائع ہو چکی ہیں اور اسوقت بھی آپ اولیائے ہند کے ایک مبسوط تذکرے کی ترتیب میں مصروف ہیں قلمی کتابوں اور پرانی یادگاروں کے جمع کرنے کا خاص شوق ہے اور سفر و حضر میں اسی دھن میں لگے رہتے ہیں اگرچہ خود کتابوں کے قدردان اور شوقین ہیں مگر بطور زکوٰۃ کتب خانہ محمدیہ کی بھی امداد فرماتے رہتے ہیں۔ نگارندۂ مرقع اکبرآباد پر آپ کی خاص نظر عنایت ہے اور اکثر کتب خانۂ محمدیہ میں تشریف لاتے اور تبادلہ خیالات فرماتے رہتے ہیں مرقع اکبرآباد کا مسودہ عرصہ سے ردی میں پڑا ہوا تھا اور اس کے شائع ہونے کی بظاہر کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ موصوف کا مسلسل دوستانہ اصرار اس کے شائع ہونے کا باعث ہوا جس کا شکریہ تہ دل سے ادا کیا جاتا ہے۔

نیازمند سعید احمد مارہروی